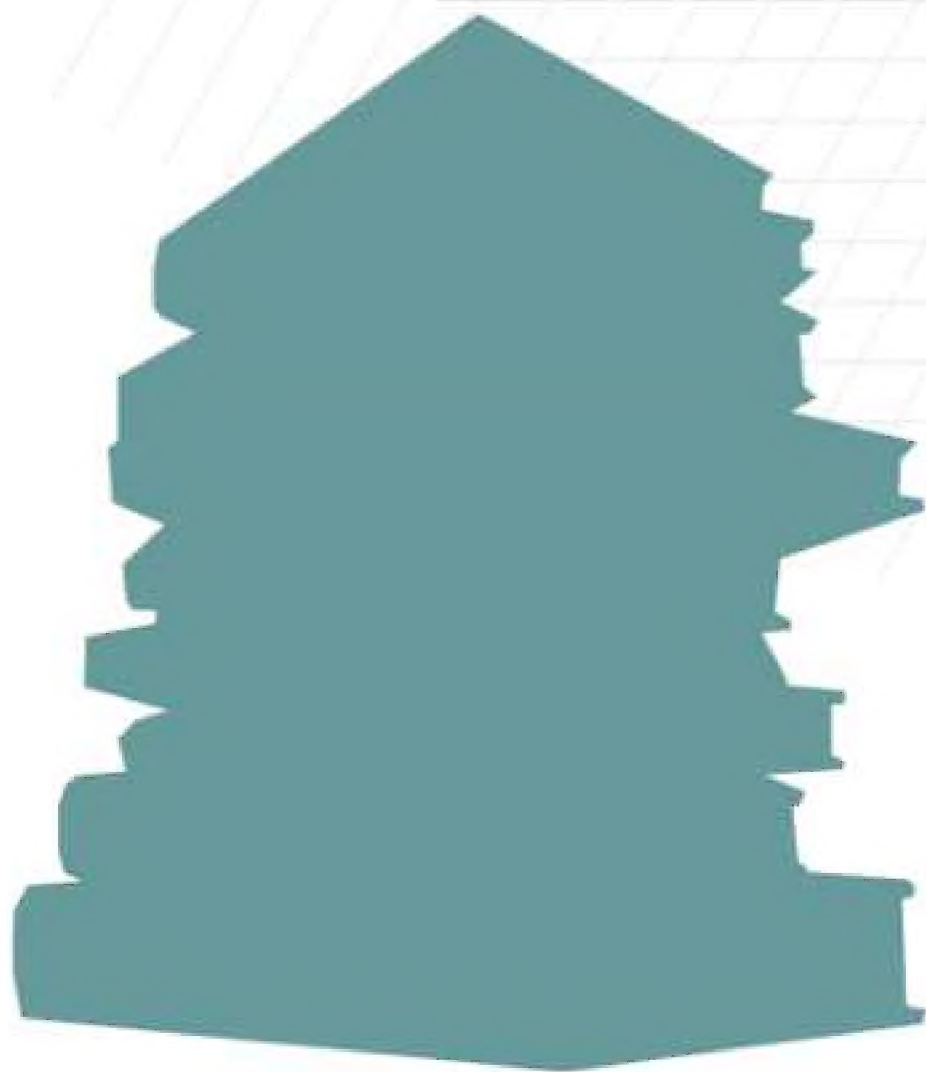
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مقالات ابوالبیان

رشحاتِ قلم

حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز





مقالاتِ ابوالبیان



رشحاتِ قلم

حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز

تنظیم الاسلام پبلیکیشنز
مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ
☎:0431-841160, 259575





⊙

باراول .... دسمبر 2001 .... تعداد 1100

باردوم .... ستمبر 2003 .... تعداد 1100

ھدیہ .... 200 روپے

⊙

ناشر

تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan

Ph # : +92-431-841160, 259575

URL: www.tanzeemulislam.org

E-mail: info@tanzeemulislam.org

الاِھْدَاء

قائد تحریک ختم نبوت قافلہ سالار تحریک حریت
گلشن مجددیت کی بہار نازش اولیائے آلومہا

خطیب الاسلام

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ قدس سرہ الاحسن

وارث مسند آلومہار شریف سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان

جنکے ۲۵ سالہ فیضان صحبت ورفاقت سے
مجھے قلم و قرطاس کی آبرو معلوم ہوئی اور جن کی
فکری و ادبی تربیت کو کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔

العبد الفقیر ....

ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی عفی عنہ



حرفِ آغاز

شارح مکتوباتِ امام ربانی، سراج العارفین شہباز طریقت حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شمار عصر حاضر کی ان نابغہ روزگار اور نادرالوجود علمی وروحانی شخصیات میں ہوتا تھا جن پر بجا طور پر ناز کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکی ذات کو گوناں گوں صفات کا مرقع بنایا تھا۔ بلاشبہ آپ شریعت کے عالم بھی تھے اور طریقت کے حامل بھی...... سنت کے عامل بھی تھے اور شیخ کامل بھی ...... عاشق رسول اللہ بھی تھے اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ...... مرد فقیر بھی تھے اور پیر روشن ضمیر بھی ...... مایہ ناز خطیب بھی تھے اور بلند پایہ ادیب بھی ...... آپ کا مجموعہ تقاریر ''البیان'' کے نام سے شائع ہو کر زبردست عوامی پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

''مقالات ابوالبیان'' حضرت علامہ ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے وقتاً فوقتاً لکھے گئے علمی جواہر پاروں کا مجموعہ ہے جنہیں تنظیم الاسلام پبلی کیشنز نے نہایت سلیقہ شعاری اور عرق ریزی سے ایک خوبصورت گلدستہ میں تشکیل دیا ہے۔ یہ مقالات علم وادب کا بے مثال شاہکار اور تحقیق وجستجو کے آئینہ دار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اہل علم حضرات ان میں اپنے ذوق کی تسکین کا مکمل سامان پائیں گے اور ہماری اس کاوش کو سراہیں گے۔ اس کی ترتیب وتسوید اور پروف ریڈنگ میں علامہ صاحبزادہ سید احمد فاروق شاہ مجددی' علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی' علامہ محمد نوید اقبال مجددی' علامہ محمد بشارت علی مجددی اور حافظ محمد تنویر حسین مجددی نے خصوصی تعاون فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ اگر اس مجموعہ میں کوئی فروگذاشت پائیں تو نشاندھی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمارے آقائے ولی نعمت، شہباز طریقت حضرت ابوالبیان قدس سرہ السبحان کی کامل بخشش فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

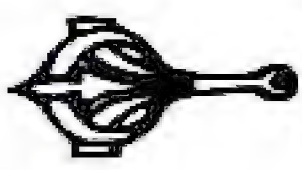
اللھم امین بجاہ النبی الکریم الامین علیه الصلوٰۃ و التسلیم

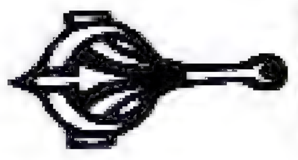
صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی

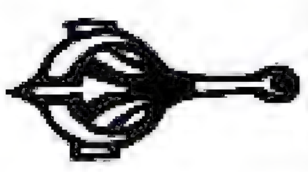
سجادہ نشین درگاہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ

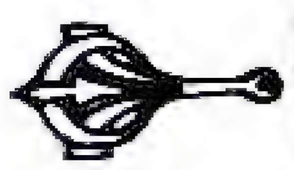
امیر اعلیٰ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

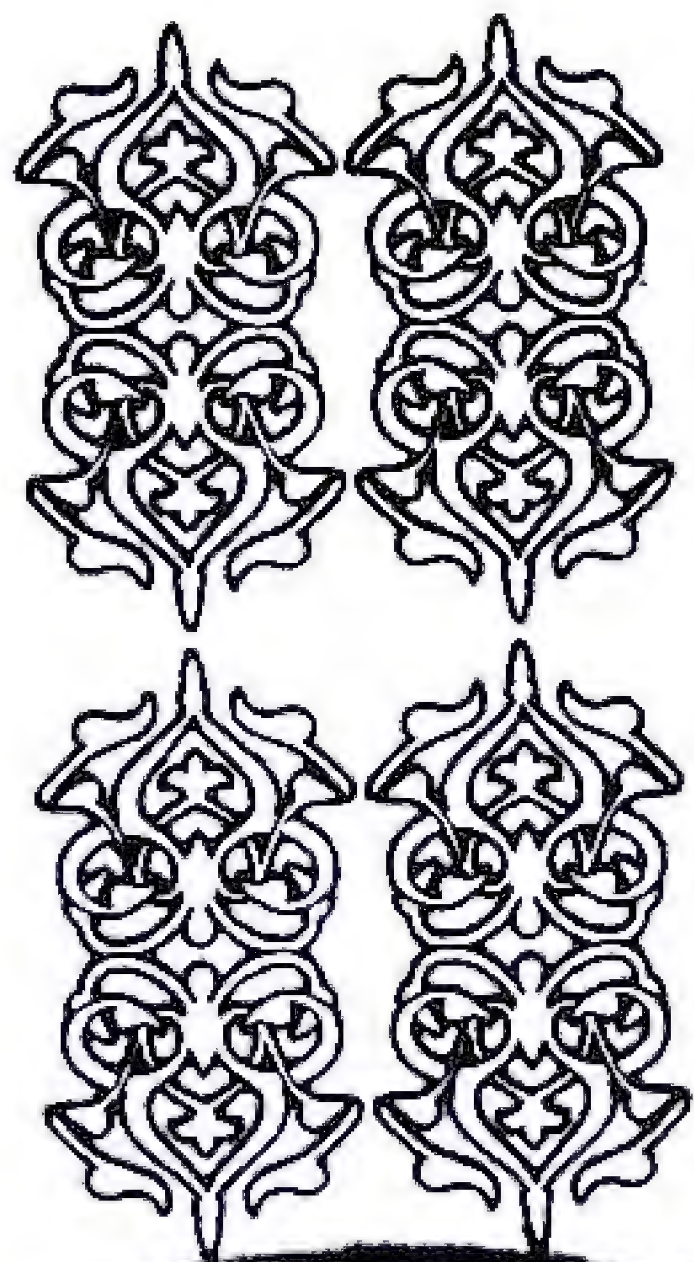
فہرست

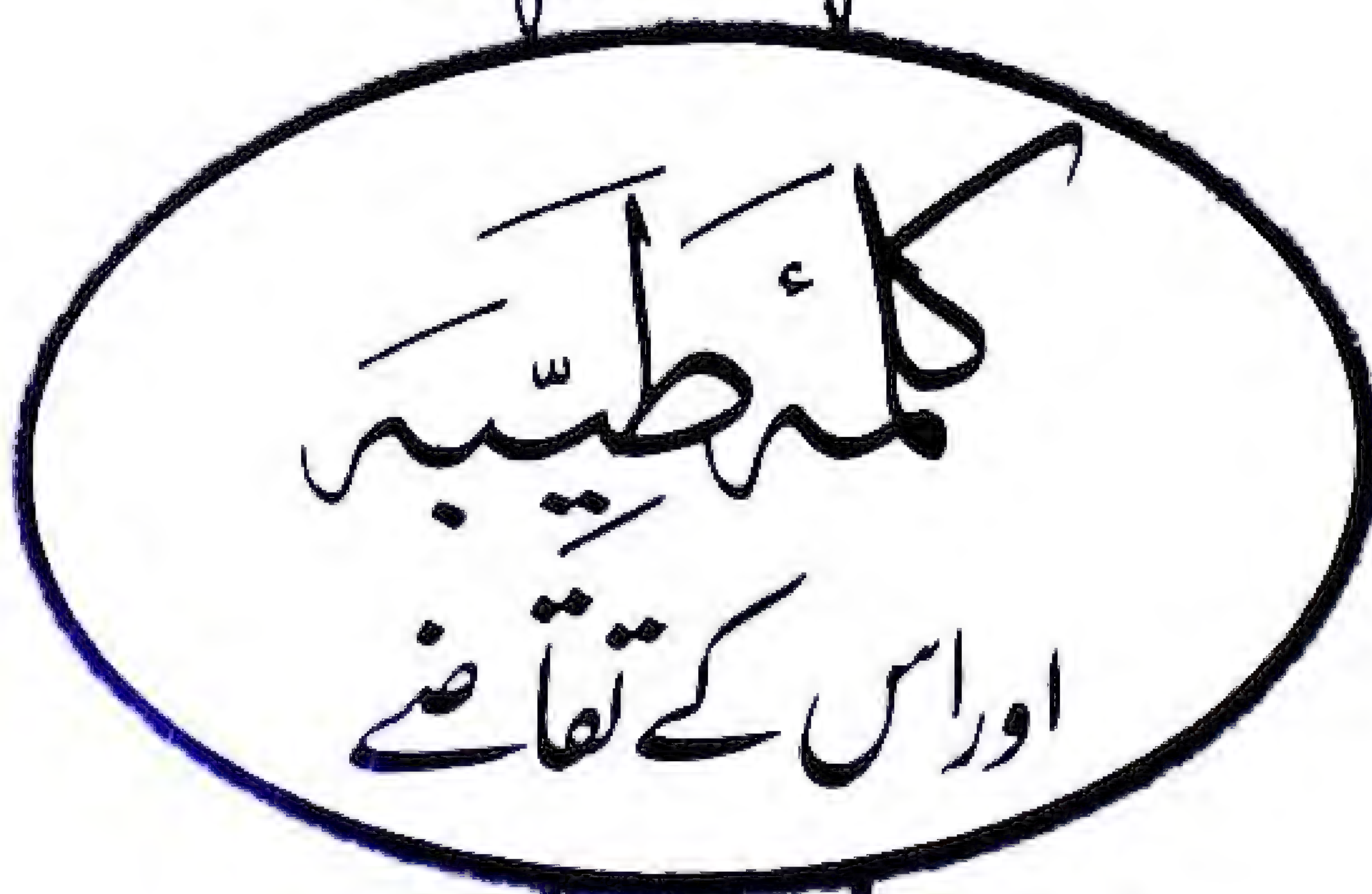


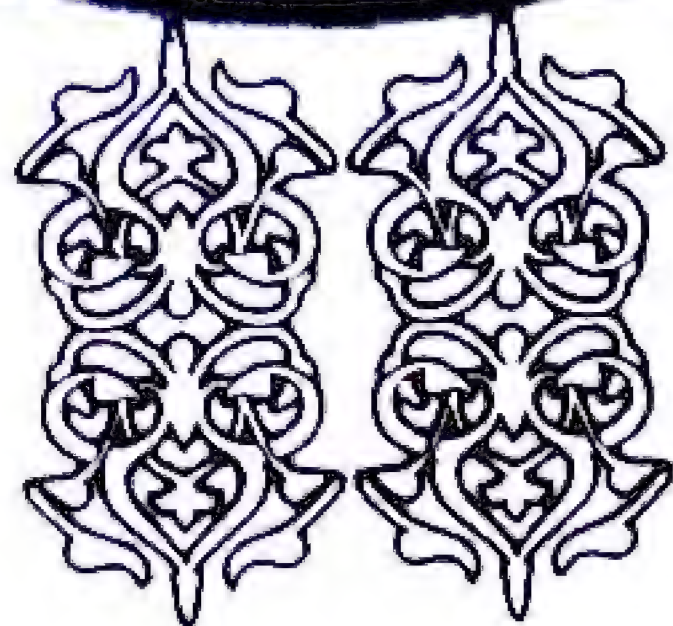


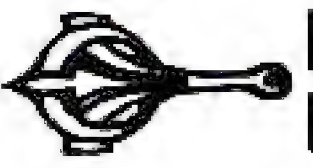







کلمۂ طیّبہ
اور اس کے تقاضے





لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نہیں کوئی معبود (مقصود) سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

کلمہ طیبہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن ہے اور اسلام کی عمارت کا پہلا دروازہ ہے۔ گویا اس کے بغیر کوئی انسان اسلام کے محل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

کلمہ طیبہ: بظاہر چند الفاظ کا مجموعہ ہے مگر حقیقت میں بیشمار حقائق و دقائق اور لاتعداد اسرار و رموز پر مشتمل ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ لاہوتی نغمہ ہے جو فکر و نظر میں عظیم انقلاب برپا کر دیتا ہے اور کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو ایک خدا اور ایک رسول (ﷺ) سے آشنا کر دیتا ہے۔ وہ شخص جو چند لمحے پہلے اسلام کا دشمن تھا یا اسلام کے خلاف تھا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اسی کے تحفظ اور پاسبانی کی خاطر جان و مال تک نثار کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ انقلابی نعرہ ہے جو برسوں کے کافر کو آتش دوزخ سے بچا لیتا ہے اور جنت الفردوس کا حقدار بنا دیتا ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ آبِ طہور ہے جو سات سمندروں سے صاف نہ ہونے والی کفر و شرک کی کثافتوں اور نجاستوں کو ایک ہی بار پڑھنے سے صاف اور پاک بنا دیتا ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ بیج ہے جس سے شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) کا پورا درخت بنتا ہے اور جس پر شریعت کے پھل اور طریقت کے پھول لگتے ہیں۔

کلمہ طیبہ: وہ قانون فطرت ہے جو مادی اور دنیاوی اقتدار کے برعکس روحانی اور اسلامی اقتدار کا مفہوم واضح کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

کلمہ طیبہ: وہ دعوت اتحاد ہے جو نوع انسانی کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ پیغام وصل ہے جو انسان کے دل کو لاالہ کے ذریعے غیر کے خیال سے پاک کر کے الا اللہ کے ذریعے واصل باللہ کر دیتا ہے۔
حضرت خواجہ سنائی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا ؎

تا بہ جاروبِ لا نہ روبی راہ
کے رسی در مقام الا اللہ

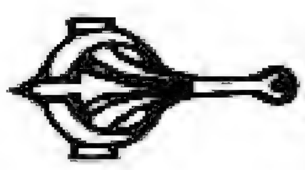
کلمہ طیبہ: توحید و رسالت کا وہ مہکتا ہوا سدا بہار گلدستہ ہے جس کی بوئے دلنواز سے عاشقان ذات ہر آن نئی جان حاصل کرتے ہیں ؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

کلمہ طیبہ: پڑھتے ہی انسان تین چیزوں کا اقرار کر لیتا ہے۔ ایمان، اسلام، دین، ایمان قلبی اعتقادات کا نام ہے۔ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور دین ان دونوں کے مجموعے کو کہتے ہیں اور کلمہ طیبہ ان تینوں پر مشتمل ہے۔

کلمہ طیبہ درس توحید ہے

توحید اللہ تعالیٰ کو معبود برحق اور وحدہٗ لاشریک ماننے کا نام ہے۔ توحید کا



ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور ایک جاننا۔

توحید کے اجمالی طور پر چار درجے ہیں

- پہلا درجہ زبان سے اقرار اور دل سے انکار ایسے لوگ منافق کہلاتے ہیں۔
- دوسرا درجہ زبان اور دل سے تقلیدی طور پر اعتقاد رکھے اور عقیدہ وحدانیت پر عقلی ونقلی دلائل بھی موجود ہوں۔ یہ لوگ عام مسلمان یا علماء ظاہر ہوتے ہیں جو شرک جلی سے محفوظ ہوتے ہیں۔
- تیسرا درجہ اہل ذکر سے تلقین حاصل کر کے عقیدہ توحید میں ایسا رسوخ حاصل ہو کہ دل میں نور بصیرت پیدا ہو جائے اور فاعل حقیقی صرف ذات واحد کو جانے اور مجاہدہ سے گزر کر مشاہدہ کی طرف قدم بڑھائے یہ لوگ مومن (موحد) کہلاتے ہیں۔
- چوتھا درجہ اذکار واشغال کی کثرت کے بعد سالک کو اس قدر ترقی نصیب ہو جائے کہ تجلیات ذات وصفات اس کے دل پر وارد ہونے لگیں اور اس کو وجود واحد کے سوا کوئی چیز حقیقی نظر نہ آئے اور اشیائے کائنات اس کو خواب یا سراب معلوم ہونے لگیں اور مشاہدہ ذات میں استغراق کلی نصیب ہو جائے۔ اس درجے میں توحید وجودی، توحید شہودی یا فنافی التوحید اور مرتبہ فناء الفنا اور بقا منکشف ہو جاتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ کلمہ طیبہ کا سبق پیر طریقت، متبع شریعت سے حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ساری عمر ضائع ہو جائے گی۔

کلمہ طیبہ: کے دو جزو ہیں۔ پہلا جزو......توحید اور دوسرا جزو......رسالت

لَاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ .... توحید ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ .... رسالت ہے۔

توحید دعویٰ ہے رسالت اس کی دلیل ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں اس قدر قرب ہے کہ درمیان میں واؤ عاطفہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ توحید کا وسیلہ رسالت

ہے اور قرب خدا (جل جلالہ) کا ذریعہ قرب مصطفیٰ (ﷺ) ہے۔کلمہ طیبہ کا پہلا جز ومقصد زندگی کی طرف راہنمائی کرتا ہےاور دوسرا جز وطرز زندگی کی نشاندہی کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ : کا پہلا جزوتو اعلانِ مصطفیٰ ﷺ ہےاور دوسرا جز واعلانِ خدا ہے۔

گویا یوں فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! تم میری توحید کا اعلان کرتے جاؤ میں تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتا ہوں۔

جناب محمد برائے الٰہی
جناب الٰہی برائے محمد

کلمہ طیبہ: کا پہلا جزو تمام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کر کے خدائے واحد کے معبود ومقصود ہونے کو ثابت کرتا ہے جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کا جامع ہے۔

توحید وجودی ہو یا شہودی دونوں سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا اور معبود برحق کا اثبات کرنا ہے۔اسی مفہوم کو اہل تصوف نفی اثبات سے تعبیر کرتے ہیں توحید شہودی میں مشہود صرف ذات ہوتی ہے۔غلبۂ شہود ووحدت میں کثرت کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔جبکہ توحیدِ وجودی میں موجود صرف ذات ہوتی ہے لیکن کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے مندرجہ ذیل اشعار توحید شہودی کے مفہوم پر مشتمل ہیں۔

خودی کا سر نہاں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ ۔۔۔ خودی ہے تیغ فساں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا ۔۔۔ فریب سود و زیاں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ
خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری ۔۔۔ نہ ہے زماں نہ مکاں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے ۔۔۔ صنم کدہ ہے جہاں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند ۔۔۔ بتانِ وہم و گماں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند ۔۔۔ بہار ہو کہ خزاں لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ

گرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکم اذاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کلمہ طیبہ: کا دوسرا جز وعقیدۂ رسالت کا اعلان کرنا ہے اور شریعت کی تکمیل وتعمیل کا مظہر ہے۔ کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء لازم وملزوم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے پر ایمان ثابت نہیں ہوسکتا۔ عقیدۂ توحید' عقیدۂ رسالت کے بغیر مفید نہیں اور عقیدۂ رسالت' عقیدۂ توحید کے بغیر نامکمل ہے۔ عقیدۂ توحید کا تصور ربوبیت "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (الفاتحہ) سے ظاہر ہے اور عقیدہ رسالت کا تصور رحمت "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (الانبیاء) سے ثابت ہے اس اعتبار سے کل کائنات کا خدا بھی ایک ہے اور رسول بھی ایک ہے۔ یوں توحید باری کے ساتھ ہی توحید رسالت کا مسئلہ بھی طے ہوجاتا ہے۔ ؎

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی ان کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی (ﷺ)

توحید اور شرک

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات اور احکام وافعال میں شریک سے پاک ماننا توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النسآء، ۴۸)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور احکام وافعال میں کسی غیر کو برابر ومساوی سمجھ لینے کا نام شرک ہے۔

شرک کے تین مرتبے ہیں:۔

۱۔ "اِعْتِقَادُ شَرِیْکٍ لِلّٰہِ فِی اُلُوْھِیَّتِہٖ وَھُوَ الشِّرْکُ الْاَعْظَمُ" (الخ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک سمجھنا یہی شرک اعظم ہے۔

۲۔ ''اِعْتِقَادُ شَرِیْکٍ لِلّٰہِ فِی الْفِعْلِ وَھُوَ مَنْ قَالَ اَنَّ مَوْجُوْدًا مَاغَیْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی مُسْتَقِلٌّ بِاِحْدَاثِ فِعْلٍ وَاِیْجَادِہٖ الخ

ترجمہ: کسی کو اللہ تعالیٰ کے افعال میں اس طرح شریک سمجھنا کہ وہ مستقل اور بالذّات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کرسکتا ہے۔

۳۔ ''اَلشِّرْکُ فِی الْعِبَادَۃِ''

ترجمہ: کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرنا۔ (تفسیر الجامع لاحکام القرآن)

اسی طرح علامہ تفتازانی علیہ الرحمتہ نے شرک کی حقیقت کے متعلق تحریر فرمایا:۔

''اَلْاِشْتِرَاکُ ھُوَاِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْھِیَّۃِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْبِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَۃِ کَمَا لِعَبَدَۃِ الْاَصْنَامِ

(شرح عقائد ص ۷۷)

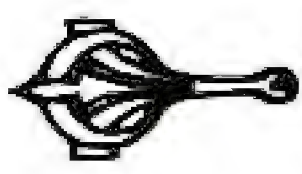
ترجمہ: یعنی شرک یہ ہے کہ خدا کی الوہیت میں کسی کو شریک کرنا اس طرح کہ کسی کو واجب الوجود مان لینا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے یا خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حقدار مان لینا جیسا کہ بت پرستوں کا خیال ہے۔

شرک کی تعریف اور شرک کے اجمالی مراتب سمجھنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کو واجب الوجود' شریک فی الالوھیتہ یا لائق عبادت ہرگز نہیں سمجھتا۔تو پھر جو لوگ مسلمانوں کو مشرک و بدعتی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہے ہیں اور بلاوجہ کفروشرک کے فتوے لگارہے ہیں۔انہیں خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس ظلم عظیم کے ارتکاب سے توبہ کرنی چاہیے۔

کلمہ طیبہ کے ذکر سے خوفِ خدا اور سکون قلب میسر آتا ہے

کلمہ طیبہ کا ذکر کرنے والا انسان ہی حقیقی طور پر خوف خدا اور امن وسکون کی

131260



دولت سے بہرہ یاب ہوسکتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال)

ترجمہ: ایمان والے لوگ دراصل وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل کانپ جائیں۔

اَلَآ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد،۲۸)

ترجمہ: خبردار! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے۔

اہل عشق تو دائمی ذکر میں محو رہتے ہیں۔ اہل دل تو ذکر کے جنون میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں۔ ذکر کی برکت سے دل سے غفلت کے پردے ہٹتے ہیں اور گناہوں کی ظلمت کے بادل چھٹتے ہیں۔ اہل ذکر کی زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہتی ہے اور ان کے دل رقتِ قلبی کی وجہ سے آباد وشاد رہتے ہیں۔ شدّت محبت سے ان کی آنکھیں برستی ہیں اور ہر دم دیدار محبوب کیلئے ترستی ہیں۔

طریقت عالیہ نقشبندیہ میں اسی کیفیت کو دوام حضور وآگاہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بالآخر یہی حالت ان کو مقام حیرت تک لے جاتی ہے جو منتہائے معرفت ہے۔ یہ منزل عقل سے نہیں عشق سے حاصل ہوسکتی ہے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

ذکرِ خفی ستر درجے ذکرِ جہر سے افضل ہے

اگر چہ ذکر جہر جائز ہے مگر ذکر خفی زیادہ بہتر ہے۔ حدیث میں ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ'' (مسند احمد ۱۷۲/۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر ذکر خفی ذکر ہے۔

(عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا) کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُفَضِّلُ

الذِّکرُ الْخفِیِّ الَّذِیْ لَایَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعِیْنَ ضِعْفًاo (مسند ابو یعلی ۷/۱۲۴)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ذکر خفی جس کو ملائکہ حفظہ (حفاظت کرنے والے فرشتے) بھی نہ سن سکیں ذکر جہر سے ستر درجے افضل قرار دیتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر خفی، ذکر جلی سے ستر درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور قرآن مجید

کلمہ طیبہ، شجرہ طیبہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ" (ابراہیم ۲۴)

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات (کلمہ طیبہ) کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں۔

اس آیت میں کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللّٰہ) کی مثال ایک پاکیزہ درخت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ جس کی جڑ زمین میں قائم ہے اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جڑ سے مراد کلمہ توحید کا اعتقاد ہے جو مومن کے دل میں جاگزیں ہے اور شاخوں سے مراد اعمال صالحہ ہیں جو آسمان کی طرف بارگاہ قبولیت میں چلے جاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ" (الفاطر ۱۰)

ترجمہ: اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں پاکیزہ کلمات (یعنی تسبیح وتہلیل اوراذکار و اعمال وغیرہم)

کلمہ طیبہ: قول ثابت (حق) ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (ابراہیم ۲۷)

ترجمہ: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات (کلمہ طیبہ) کی برکت سے دنیا اور آخرت میں۔

قرآن میں متعدد آیات تہلیل ہیں جن میں صراحت کے ساتھ بار بار کلمہ طیبہ کا ذکر آتا ہے۔ مثلاً

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد، ۱۹)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (العمران، ۱۸)

فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (التوبۃ، ۱۲۹)

سورۃ فتح میں کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو کا ذکر آتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح، ۲۹)

ان دونوں اجزاء کا حسین امتزاج کلمہ طیبہ کہلاتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور حدیث

(کلمہ طیبہ افضلُ الذکر اور افضلُ الکلام ہے)

حضور ﷺ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ابن ماجہ ص ۲۷۸)

ترجمہ: کلمہ طیبہ سب سے افضل ذکر ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

"اَفْضَلُ الْکَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ" (مسلم/مشکوٰۃ ص ۲۰۰)

ترجمہ: سب سے فضیلت والا کلام تسبیح وتحمید وتہلیل وتکبیر ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُاللّٰہِ (مشکوٰۃ ص۱۹۹)

ترجمہ: ہر چیز کیلئے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی ذکر الٰہی سے ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک کلمہ طیبہ کا نام جلاء القلوب ہے۔ صفائی قلب اور اخلاص نیت کے لئے اس سے بہتر کوئی شے نہیں۔

کلمہ طیبہ سات زمینوں اور سات آسمانوں سے بھاری ہے

قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ حَاکِیًا عَنِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ لَوْاَنَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کَفَّۃٍ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کَفَّۃٍ لَمَالَتْ بِھِنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الخ

(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۹)

ترجمہ: حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت بیان کی کہ اگر سات زمینیں اور سات آسمان ومافیہا ترازو کے ایک پلڑے میں اور کلمہ طیبہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیں تو کلمے والا پلڑا بھاری ہوگا یعنی کلمہ طیبہ کا ثواب واجر چودہ طبق سے زیادہ وزنی ہے۔

ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھنا باعثِ مغفرت ہے

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرت ملا علی القاری علیہ الرحمتہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے حدیث پہنچی تھی کہ ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھنے والا بخشا جاتا ہے اور اگر اتنی تعداد میں پڑھ کر کسی کو ایصال کرے تو اسکی بخشش بھی ہو جاتی ہے میں نے اتنا کلمہ طیبہ پڑھا ہوا تھا ایک دن میرے گھر دعوت میں ایک صاحبِ کشف ولی حاضر تھا۔ اچانک رونے لگا میں نے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا میں (بحالت کشف) اپنی ماں کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا

دیکھ رہا ہوں تو میں نے پڑھا ہوا کلمہ اپنے دل میں اسکی ماں کو بخش دیا تو فوراً وہ صاحب کشف جوان مسکرانے لگا اور بولا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت حدیث سے معلوم ہوئی۔

(تحذیر الناس میں یہ واقعہ سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے)

کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ نُجَدِّدُ اِیْمَانَنَا قَالَ اَکْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (مسند احمد ۲/۲۵۹)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا اے صحابہ (رضی اللہ عنہم) اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ کیسے؟ فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

کلمہ طیبہ کا مغز اسم ذات ہے

کلمہ طیبہ کا مغز اسم ذات (اللہ) ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ باقی اسماء حسنیٰ صفاتی ہیں اور اسی اجمال کی تفصیل معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ تنہا اسم ذات کا ذکر ذکر مجرد کہلاتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اس ذکر سے وسوسے دور ہوتے ہیں اور جمعیت خاطر میں مدد ملتی ہے اور یقین واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں طالبوں کو بواسطہ لطائف ستہ اسم ذات کا ذکر تلقین

کیا جاتا ہے۔ سلسلہ شطاریہ کا تو مشرب ہی ذکر اسم ذات ہے سلسلہ قادریہ میں پاس انفاس کے بعد اسم ذات باضربات کا طریقہ جاری ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں اسم ذات کے متعدد طریقے موجود ہیں۔

اسم ذات کی تعظیم اور اس کے فیوض وبرکات

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بیت الخلاء سے مٹی کا ایک پیالہ اٹھایا جس پر لفظ اللہ منقوش تھا۔ آپ نے پانی سے دھو کر کپڑے میں لپیٹ کر پیالے کو ایک بلند مقام پر رکھ دیا جب خود پانی پیتے تو اسی پیالے میں پیتے۔ چنانچہ اس تعظیم کی وجہ سے ندا آئی کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معظم بنا دیا ہے اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ اس عمل سے جتنے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں وہ سو سال کی ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔ (حضرات القدس دفتر دوم ص ۷۸)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں یوں فرماتے ہیں کہ:

"کوتاہ نظراں تعجب دارند کہ بیک گفتن لاالہ الااللہ چگونہ دخول جنت میسر شود۔ و از برکات ایں کلمہ طیبہ واقف نیستند۔ محسوس ایں فقیر شدہ است۔ اگر تمام عالم را بیک گفتن ایں کلمہ طیبہ بہ بخشندو بہ بہشت فرستند گنجائش دارد ومشہود می گردد کہ برکات ایں کلمہ مقدسہ راکہ اگر بہ تمام عالم قسمت کنند تاابدالآباد ہمہ را کفایت کندو ہمہ را سیراب بگرد اند۔ نیز میداند کہ شفیع ترے ازبرائے دفع ظلمات کفروکدورات شرک ازیں کلمہ طیبہ دیگرے نیست۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۳۷)

ترجمہ: حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ طیبہ پڑھنے سے کس طرح دخول جنت میسر آ سکتا ہے۔ وہ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ تمام جہان کو ایک بار کلمہ پڑھنے سے ہی بخش دیا جائے تو گنجائش رکھتا ہے اور مشاہدہ ہوا ہے کہ اگر اس کلمہ کی برکتیں تمام جہان کو تقسیم کی جائیں تو ہمیشہ سب کو کفایت کریں اور جہان کو تر و تازہ رکھیں نیز فرمایا جان لے کہ کفر کے اندھیروں اور شرک کی کدورتوں کو دور کرنے کے لیے کلمہ طیبہ سے بہتر کوئی شفاعت کرنے والا عمل نہیں ہے۔

تلقین کلمہ طیبہ

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا:

"لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" (مسلم ۱/۳۰۰ مشکوٰۃ ص ۱۴۰)

ترجمہ: اپنے مرنے والوں کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه تلقین کیا کرو۔

واضح رہے کہ مرنے والے کے پاس نزع کے وقت خود کلمہ طیبہ کا ورد کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی سن کر کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کر دے تاکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ اس کو حکم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ موت کی سختی اور سکرات کی وجہ سے انکار کا خطرہ ہے۔

رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (ابوداود ۲/۸۸، مشکوٰۃ ص ۱۴۱)

ترجمہ: جس شخص کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

توحید و رسالت پر ایمان و علم یقینی کے ساتھ اگر جاں کنی کے وقت زبان پر کلمہ طیبہ بھی جاری ہو جائے تو نہایت خوش بختی کی علامت ہے (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاهُ)

علماء کرام نے فرمایا کہ مسواک کے بہتر فائدے ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ نزع کے وقت زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس

افیون کے ستر نقصان ہیں جن میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔ (استغفر اللہ العظیم) (نہایۃ الامل)

کلمہ طیبہ کے تقاضے

پہلا تقاضا...... ایمان اور اعمال صالحہ

ایمان اصل ہے اور اعمال فرع ہیں جیسے درخت کی جڑ اصل ہے اور شاخیں فرع، جسم انسانی کیلئے دل اصل ہے اور اعضاء فرع، اسی طرح دین کے اصول (جڑیں) عقائد ہیں اور فروع (شاخیں) اعمال صالحہ ہیں۔

عقائد و اعمال کی اصل و اساس کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ الحمد للہ اہل سنت کے تمام عقائد و معمولات کی بنیاد انہی دو (کتاب و سنت) پر ہے۔

یاد رہے کہ ایمان صرف عقیدہ توحید و رسالت تک محدود نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ اور بھی شرائط ہیں مثلاً سابقہ انبیاء و مرسلین، ملائکہ، آسمانی کتب، موت، بعث بعد الموت (قیامت)، تقدیر، یوم آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک انسان چار باتوں پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوسکتا۔

"یَشْهَدُ اَن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ"

(ترمذی ۲/ ۳۷ واللفظ لہ ابن ماجہ ص ۹)

ترجمہ: گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور ایمان رکھتا ہو موت پر اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور تقدیر پر۔

ایمان درخت ہے اعمال شاخیں ہیں۔ شاخیں سرسبز و شاداب ہوں تو

درخت بارونق اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ ایمان ایک ایسا شجرہ طیبہ ہے جس کی شاخوں پر اعمال صالحہ کے برگ وبار اور عبادات کے رنگا رنگ پھول اور پھل لگتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَان

(مسلم ۱/۴۷ مشکوۃ ۱۲)

ترجمہ: ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں سب سے افضل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ کسی تکلیف دینے والی چیز (پتھر، کانٹا وغیرہ) کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

ثابت ہوا کہ کلمہ طیبہ اجمال ہے اور اسلام اس کی تفصیل ہے جس طرح بیج میں پورا درخت چھپا ہوتا ہے اسی طرح اس مختصر سے کلمہ طیبہ میں پورا اسلام مستور ہے۔

ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجالانا کلمہ طیبہ کا اولین تقاضا ہے۔ کسی منشور یا دستور کی سچائی کا یقین اس امر پر موقوف ہے کہ ہم اس پر دل وجان سے عمل بھی کریں یہودیوں کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت عمل اور رسم ورواج کو حاصل ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک صرف ایمان وعقیدہ ہی مدار نجات ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل کو بھی جمع کر دیا جائے کیونکہ نجات کا انحصار ایمان واعمال دونوں پر ہے ایمان کے درخت کا پھل اعمال صالحہ ہیں ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر ہمیں کوئی ایسا شخص نظر آئے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتا ہو مگر اس کے اعمال میں ایمان کے مطابق کوئی تبدیلی نظر نہ آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان نے اس کی زبان سے گزر کر اس کے دل میں اثر نہیں کیا اور نہ ہی اسے ایمان کی لذت حاصل ہوئی ہے۔

دوسرا تقاضا......انقلاب

کلمہ طیبہ کا دوسرا تقاضا فکر ونظر میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ میرا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جو وحدہ لاشریک ہے تو پھر اپنے خالق و مالک کے تمام احکام پر (اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کے مطابق) عمل کرنا اور زندگی کو انقلاب آشنا بنانا ضروری ہو جاتا ہے محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا جنت میں داخلے کی ضمانت نہیں زبانی کلمہ تو منافقین بھی پڑھتے تھے۔

کلمہ طیبہ پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ظاہر و باطن، قلب ونظر، قول و فعل، جلوت وخلوت میں تضاد نظر نہ آئے۔ منافقت اور دورنگی کی زندگی یکسر ختم ہو جائے اور انسان سراپا اسلام بن جائے۔ اور "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً" (البقرہ ۲۰۸) کا نمونہ نظر آئے

زباں نے کہہ بھی دیا لَا اِلٰہَ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کلمہ طیبہ کا مطالبہ ہے کہ انسان گزشتہ عمر کی تمام سیہ کاریوں اور بداعمالیوں سے مکمل توبہ کر کے آئندہ زندگی ایمان کے تقاضوں کے مطابق بسر کرے ہم لوگ زبان سے تو کلمہ پڑھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم کلمہ کے تقاضوں سے ناآشنا ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

چوں بگویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لَا اِلٰہَ را

تیسرا تقاضا......اخلاص

اصطلاح شرع میں تمام اعتقادات، عبادات، معاملات کو شرک، کفر، نفاق وغیرہ سے پاک وصاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ عقائد و اعمال کی قبولیت کا دار و مدار

اخلاص ہی پر ہے۔ اخلاص کی ضد شرک ونفاق ہے۔

بعض واعظین لوگوں کوکلمہ طیبہ کی فضیلتیں تو بہت سناتے ہیں لیکن وہ کلمہ طیبہ کی ضروری تشریح اوراسکی قیدیں بیان نہیں کرتے جس کی وجہ سے عام لوگ صرف زبان سے رسمی طور پر کلمہ پڑھ لینے کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔

حضرت امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ایک قول لکھا ہے:

وَمَعْنَاهُ مَنْ قَالَ الْكَلِمَةَ وَاَدّٰى حَقَّهَا وَفَرِيْضَتَهَا (مسلم ۱/۴۱)

ترجمہ: کلمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھے وہ اس کا حق اور عائد کردہ فریضہ ادا کرے۔

یہ تبھی ممکن ہے کہ کلمہ پڑھنے والا اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو۔ حدیث پاک میں کلمہ طیبہ کو اخلاص کے ساتھ مقید کردیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو! رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق وسعادت مند وہ شخص ہوگا:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصاً مِنْ قَلْبِهٖ (بخاری ۱/۲۰، مشکوۃ ص ۴۸۹)

ترجمہ: یعنی جس نے دل کی تہ سے خالص ہوکر کلمہ پڑھا ہوگا۔

اخلاص کوخراب کرنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مہلک چیز ریاء وسمعہ ہے۔ ریاء وسمعہ یہ ہے کہ انسان رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی کی نیت سے عمل نہ کرے بلکہ لوگوں کے درمیان اپنی تعریف' نیک نامی اورشہرت مقصود ہو حدیث پاک میں اسی چیز کوشرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے کلمے کا مطلب ہی یہ ہے کہ شرک جلی وشرک خفی دونوں سے بچا جائے۔

چوتھا تقاضا......حب خدا جل جلالہ و عشق مصطفیٰ ﷺ

کلمہ طیبہ کا ایک مہتم بالشان تقاضا یہ بھی ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے پناہ محبت ہو قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ،۱۶۵)

ترجمہ: یعنی ایمان والے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا نشان یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی پابندی کی جائے۔ پاک دامنی، امانت، دیانت، ایفائے عہد، رزق حلال، صدق مقال، امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے اصولوں کو اپنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات ﷺ کی ذات سے والہانہ عشق ومحبت بھی کلمہ طیبہ کے تقاضوں میں شامل ہے۔ کیونکہ حضور سرور کائنات ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہی ہمیں جو ہر ایمان حاصل ہوا ہے اسی لیے تمام دنیاوی قرابتیں اور محبتیں جذبہ عشق رسول کے سامنے ہیچ ہیں۔ سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُوْءُ مِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری ۱/۷ واللفظ لہ، مسلم ۱/۴۹)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ عشق رسول ﷺ کے بغیر زندگی فضول ہے۔ منافقین مدینہ ایمان کا دعویٰ کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے کے باوجود مومن نہیں تھے کیونکہ ان کے دل محبوب خدا ﷺ کی محبت میں گرفتار نہ تھے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ کو بے مثل و بے عیب مانا جائے اور آپ کی غیر مشروط اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔

پانچواں تقاضا......استقامت

کلمہ طیبہ کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا استقامت ہے۔ کسی چیز کا سیدھا اور درست ہونا استقامت ہے۔ صراط مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جو سیدھا ہو اور اس میں کوئی کج و پیچ و بے اعتدالی نہ ہو۔ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں دین کے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی دعا کی جاتی ہے۔

استقامت کا مفہوم یہ ہوا کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والا انسان زندگی کے آخری لمحے تک اسلام کے اصولوں پر عمل کرتا ہے اور ہر آزمائش وابتلاء میں سے اس طرح ثابت قدمی سے گزر جائے کہ اسکے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش ولرزش نہ آسکے۔ قرآن پاک میں استقامت کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ (حم السجدہ ۳۰)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم ہو گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ کا دل کی گہرائیوں سے اقرار کرنے کے بعد ایمان میں ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا عملی مظاہرہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا باعث بنتا ہے۔

دوسری آیت میں اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاحقاف، ۱۳)

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے ان

کے لیے کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

حدیث پاک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ قَالَ النَّاسُ ثُمَّ کَفَرَ اَکْثَرُھُمْ فَمَنْ مَاتَ عَلَیْھَا فَھُوَ مِمَّنْ اِسْتَقَامَ (ترمذی ۲/۱۵۷)

ترجمہ: بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہا مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے پس جو مرتے دم تک اسی عقیدے پر جما رہا وہی ثابت قدم (صاحب استقامت) انسان ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات ﷺ سے اسلام کی ایک جامع اور مکمل تعلیم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم، مشکوٰۃ ص۱۲)

ترجمہ: تو کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر ثابت قدم ہو جا۔

مذکورہ بالا حقائق یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ صاحب استقامت حضرات پر رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ ان کے دینی و دنیاوی معاملات میں بطریق الہام والقاء امداد کرتے ہیں اور شرح صدر کی کیفیت سے نوازتے اور ان کے دلوں سے غم، ہم اور خوف وملال کو دور کرتے رہتے ہیں۔ استقامت کی وجہ سے مومنین کے دلوں میں صبر، رضا، تحمل، عدل، رحم، خدا خوفی، مخالفت نفس، فکر آخرت اور دیگر اخلاق حسنہ جیسے پاکیزہ جذبات واحساسات پروان چڑھتے ہیں اور انسانیت تکمیل کے مراحل ومدارج طے کرتی ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں سلوک اِلَی الله کے راستے میں اعتدال کی روش اختیار کرنے کو استقامت کہتے ہیں۔ استقامت کے تین درجے ہیں۔

ا...... اصلاح ظاہر یعنی اپنے اعضاء وجوارح کو شرعی احکام کے مطابق درست کیا جائے اور اپنے جسم ظاہری کو تمام اعمال صالحہ کی بجا آوری پر آمادہ کر دیا جائے۔ اس

طرح کہ تمام حرکات وسکنات' معاملات و معمولات کو سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

۲...... اصلاح باطن یعنی قلب انسانی کو شرعی احکام کی تعمیل میں اس طرح اخلاص پر آمادہ کیا جائے کہ ہر کام کا مقصد صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو۔

۳...... ظاہر و باطن میں توازن و ہم آہنگی تمام واردات قلبی (کشف و کرامات و خرق عادات) اور معاملات ظاہری و باطنی کو سنت نبوی ﷺ کے ترازو میں تولا جائے۔ اگر وہ سنت کیمطابق ہوں تو اعتبار کیا جائے ورنہ ان سب کو نظر انداز کر دیاج ائے اور کوئی اہمیت نہ دی جائے۔

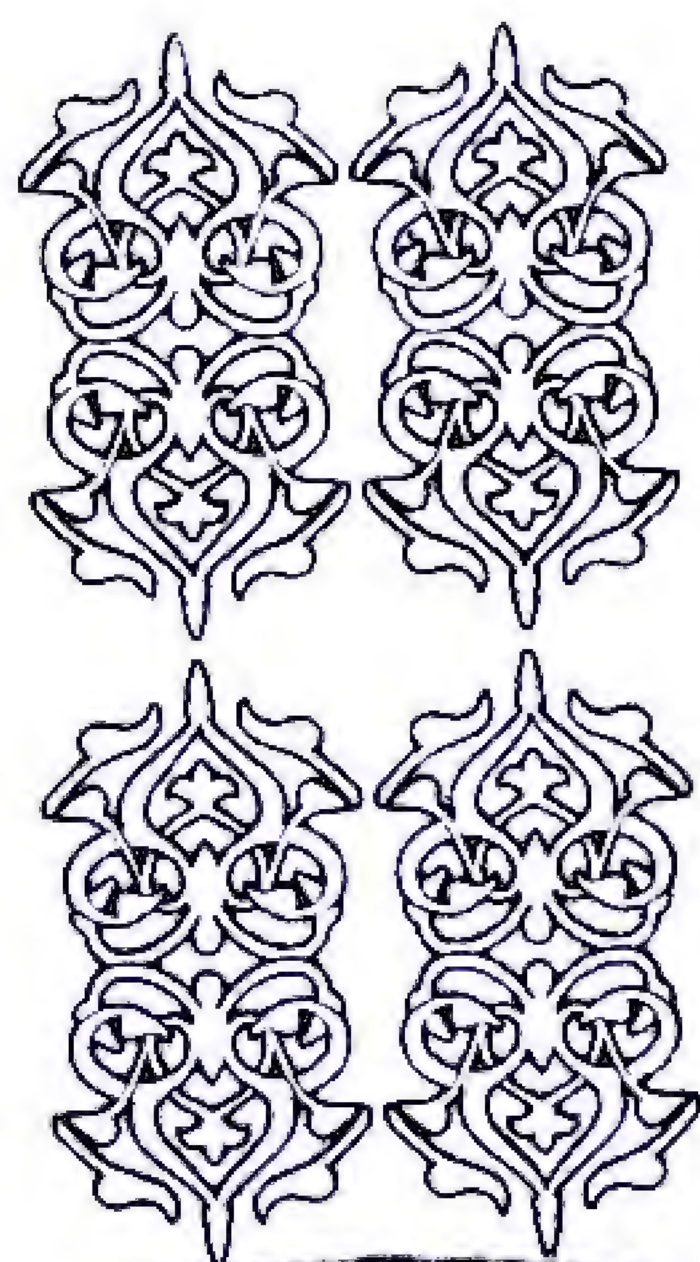
صوفیائے کرام نے اسی حقیقت کے پیش نظر فرمایا ہے:

اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ

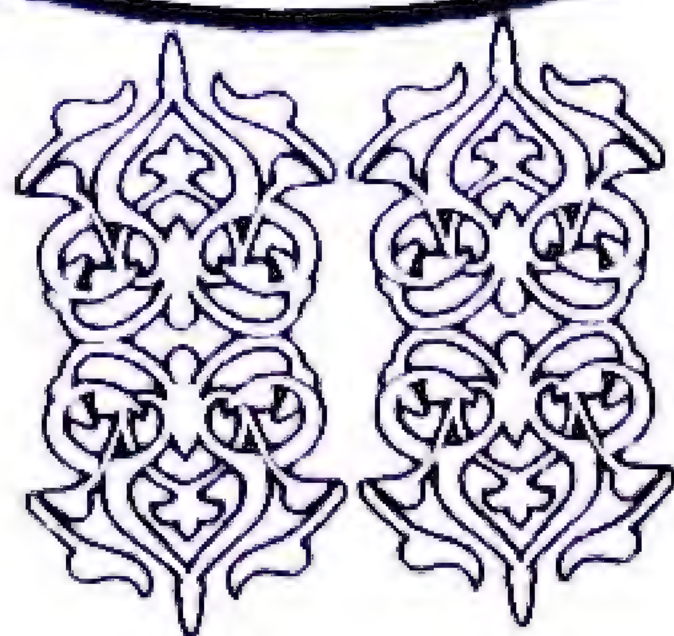
ترجمہ: یعنی استقامت کرامت سے اوپر ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کلمہ طیبہ کی حقیقت سے آشنا فرمائے اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ خاتمہ بالخیر نصیب ہو۔

اللھم آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ و التسلیم
اللھم ارزقنا حبک و حب حبیبک الکریم
علیہ الصلوٰۃ التسلیم برحمتک یاارحم الراحمین



ایمان اور
اسکے ثمرات



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النسآء،۱۳۴)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تشریح وتفسیر کے چار حصے ہیں پہلے حصے میں ترجمہ اور مختصر تشریح، دوسرے حصے میں ایمان کا لغوی مفہوم، تیسرے میں ایمان کا اصطلاحی اور شرعی مفہوم، چوتھے حصے میں ایمان کے ثمرات بیان کئے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا" اے ایمان والو! ایمان لاؤ

" بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" اللہ اور اسکے رسول پر

"وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ"

اور اس کتاب پر جس کو اللہ نے آہستہ آہستہ نازل کیا۔ اپنے رسول مکرم پر

"وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ"

اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں اس سے پہلے۔

"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ"

ترجمہ: اور جس نے انکار کیا اللہ کا" وَمَلٰٓئِكَتِهٖ" اور اس کے فرشتوں کا" وَكُتُبِهٖ" اور اس کی کتابوں کا" وَرُسُلِهٖ" اور اس کے رسولوں کا۔" وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" اور آخرت کے دن کا (جس نے بھی ان امور کا انکار کیا)" فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا" پس وہ کافر ہو گیا اور دور کی گمراہی میں جا گرا۔" والعیاذ باللہ تعالیٰ"

عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کو ایمان کی دعوت دی جاتی لیکن

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے تو یہ تحصیلِ حاصل ہے اس کا کیا مطلب؟

شان نزول

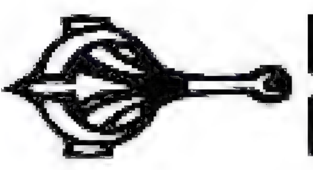
اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے سب سے پہلے شان نزول پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور کعب کے دو بیٹے اسد و اسید اور ثعلبہ بن قیس اور عبداللہ بن سلام کے بھانجے اور ان کے بھتیجے حضور سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہم صرف اللہ کی ذات پر آپ کی رسالت پر اور کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب تورات پر اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں ان کے سوا کسی رسول اور کسی کتاب پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ ہی ہمیں باقی کتابوں اور باقی نبیوں پر ایمان لانے کے لیے مجبور کیا جائے۔ ہمارا اتنا ہی ایمان قبول کر لیا جائے نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ ناممکن ہے ایمان لانا ہے تو پورا لاؤ جب تک سارے رسولوں اور ساری کتابوں پر ایمان نہیں لاؤ گے مومن نہیں بن سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے فرمان کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی۔

چنانچہ وہ لوگ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد سب پر ایمان لے آئے اور کامل ایمان اختیار کر لیا جیسا کہ تفسیر کبیر اور روح المعانی میں مذکور ہے۔

تفسیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ یعنی اے موسیٰ و عزیر علیہما السلام اور تورات پر ایمان رکھنے والو! میرے آخری نبی اور کتاب پر اور سارے رسولوں اور ان کی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ۔

یا یوں سمجھیئے! گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا" اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! ایمان صرف زبانی دعوے کا نام نہیں، اسے زبان سے اقرار



کرنے والو! ایمان صرف زبانی اقرار کرنے کا نام نہیں "اٰمِنُوْا" دل کے ساتھ تصدیق بھی کرو کیونکہ ایمان کے دو درجے ہیں ایک "اقرارٌ بِاللّسان" زبان سے اقرار کرنا اور دوسرا "تصدیقٌ بِالْقلب" دل سے تصدیق کرنا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ "اٰمَنُوْا" سے مراد عام مومنین ہیں جو پہلے ایمان لا چکے انہیں فرمایا جا رہا ہے "اٰمِنُوْا" یعنی اب ایمان پر ثابت قدم رہو جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے:

"دوِمُوْا عَلَی الْاِیْمَانِ وَاثْبُتُوْا عَلَیْهِ" (الخ)

ترجمہ: یعنی ایمان میں دوام وثبات لازم پکڑو

حضور ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

"قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ"

ترجمہ: یعنی کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت پذیر ہو جا (یعنی ڈٹ جا)

ایمانی عظمت کا راز یہ ہے کہ "استقامت علی الایمان" نصیب ہو جائے اور بڑے سے بڑا خوف اور بڑے سے بڑا لالچ بھی صاحب ایمان کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں استقامت علی الایمان کی واضح اور زندہ تفسیریں اور تصویریں تھیں۔

ایمان مجمل اور ایمان مفصل

اس آیت کا مفہوم مفسرین نے یوں بھی بیان فرمایا ہے کہ ایک ہے ایمان اجمالی اور ایک ہے ایمان تفصیلی۔

ایمان اجمالی کیا ہے؟

"امنت باللّٰه کماھو باسمائه وصفاته وقبلت جمیع احکامه

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب"

ایمان اجمالی میں مجمل طور پر ایمان کا خاکہ بتایا گیا ہے۔

یعنی میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ ہے اپنے اسموں اور اپنی صفتوں کے ساتھ اور میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔

ایمان تفصیلی کیا ہے؟

"امنت باللّٰه و ملئکته و کتبه و رسله و الیوم الآخر و القدر خیره و شره من اللّٰه تعالیٰ و البعث بعد الموت"

یعنی میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے فرشتوں پر اسکی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر اللہ کی طرف سے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر۔

یہ ہے ایمان تفصیلی تو اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے۔" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا"...... "اٰمَنُوْا "(صیغہ ماضی کے ساتھ) اے اجمالی ایمان لانے والو! "اٰمِنُوْا" (صیغہ امر کے ساتھ) اب تفصیلی ایمان لے آؤ۔ یعنی اے اجمالی ایمان والو اب تفصیلی ایمان کا اعلان بھی کر دو۔ علماء اہلسنت نے اس آیت مبارکہ اور اس جیسی دوسری آیات طیبات سے ایمان مفصل اور ایمان مجمل کی اصطلاحات کا ثبوت پیش کیا ہے۔

ایمان تقلیدی اور ایمان تحقیقی

اس آیت کے مفہوم میں مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک ہے ایمان تقلیدی ایک ہے ایمان تحقیقی۔

ایمان تقلیدی: یہ ہے کہ تم نے سنا اور سن کے مان لیا یعنی اپنے نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مان لیا، ہم نے علماء ومشائخ سے سنا' اپنے والدین اور اساتذہ سے سنا' چونکہ ہم نے وراثتاً اسلام کو حاصل کیا ہے لہذا ہم ایمان لے آئے یہ ایمان تقلیدی ہے جو کہ عوام مومنین کا ایمان ہے۔

ایمان تحقیقی: ایمان تحقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو وجود حقیقی سمجھا جائے اور اسکے ماسوا کو وجود اعتباری اور اس پر ایسا کامل یقین آ جائے کہ تمہارا دل بھی مومن ہو اور دماغ بھی، زبان بھی، مومن ہو اور حواس بھی، ساری دنیا بدلے تو بدلے لیکن اللہ کی ذات پر تمہارے ایمان میں کوئی تبدیلی نہ آ سکے اس کو ایمان تحقیقی کہتے ہیں اور یہ ایمان انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا ایمان ہے۔

تو اس آیت کا معنی یہ بنا "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا"

اے تقلیدی ایمان والو! اب تحقیقی ایمان بھی لے آؤ۔

یا اس آیت کا مفہوم یہ ہے "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو' کلمہ پڑھنے والو' مسلمان کہلانے والو' تم نے زبان سے کلمہ تو پڑھ لیا ہے' دل سے تصدیق بھی کر لی ہے' لیکن ابھی تمہارا کام پورا نہیں ہوا تمہارا کام اس دن پورا ہوگا جس دن تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

"وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ"

نفس اور شیطان تمہارے دشمن ہیں' تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں' تم سے دولت ایمان چھین لینا چاہتے ہیں اس لئے یہ نہ سمجھ لینا کہ ایمان لے آئے ہیں تو بس کافی ہو گیا نہیں بلکہ ایمان کی حفاظت بھی کرو۔ ایمان کے کچھ تقاضے بھی ہیں ایمان کے کچھ اثرات بھی ہیں' ایمان کے کچھ ثمرات بھی ہیں' ایمان کے کچھ لوازمات بھی ہیں' ایمان کے کچھ نتائج بھی ہیں اور ایمان کی کچھ حقیقتیں بھی ہیں۔ جب تک ان تمام کو تم

اپنے دل ودماغ میں پیوست نہیں کرلو گے جب تک ایمان کی حقیقتوں کو قلب وروح کی گہرائیوں میں نہ سمالو گے اس وقت تک خطرہ ہی خطرہ ہے اور تمہیں اس بات کی کس نے ضمانت دی ہے کہ مرتے وقت تمہارا ایمان سلامت رہے گا؟ اس لیے ڈرتے رہو لرزتے رہو کانپتے رہو دعائیں مانگتے رہو۔

"اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الْاِیْمَان"

اے بارالٰہا! ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھنا۔

اور اللہ کی بارگاہ میں یہ التجائیں کرتے رہو کہ اے اللہ ہم نے جس ایمان کا اقرار واظہار کیا ہے مرتے دم نزع کے وقت بھی اس پر ہمیں قائم رکھنا۔(اللّٰھم امین)

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ برقول ایماں کنی خاتمہ

قارئین کرام! فرمایا جارہا ہے اے ایمان والو! مہد سے لے کر لحد تک ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک اپنے ایمان کی حفاظت کرو اور ایمان کی سلامتی کی دعائیں مانگو۔ مزا تو جب ہے کہ نزع کا وقت ہو موت آرہی ہو روح قفس عنصری سے پرواز کررہی ہو سلسلہ حیات منقطع ہورہا ہو موت کے فرشتے سامنے دکھائی دے رہے ہوں ہمارے چہروں پر مسکراہٹ ہو لبوں پر کلمہ ہو دلوں میں عشق ہو اور نگاہوں کے سامنے جمال مصطفیٰ ﷺ کے جلوے ہوں اور غیب سے ندا آرہی ہو۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

اس کے بعد فرمایا گیا "اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ" اللہ پر ایمان لاؤ کیونکہ ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ ایمان باللہ ہے یعنی اللہ پر ایمان لانا ایک ایمان باللہ ہے اور ایک توحید باللہ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن میں کسی جگہ بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ کی توحید پر

ایمان لاؤ بلکہ یوں کہا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ کیوں؟ اس کی حکمت یہ ہے کہ توحید باللہ اور ہے ایمان باللہ اور ہے۔

توحید باللہ اور ایمان باللہ میں فرق

توحید باللہ میں ایمان نہیں آتا اور ایمان باللہ میں توحید بھی آ جاتی ہے مثال کے طور پر اللہ کو ایک ماننا ایک جاننا یہ توحید ہے اور ایمان نہیں۔ ایمان کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ توحید تو ایمان کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے توحید تو ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ توحید میں سارا ایمان نہیں ایمان میں ساری توحید ہے۔

سنئے ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن وحدیث میں لفظ توحید کا کوئی مشتق ماضی، مضارع، اسم فاعل، اسم مفعول کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہاں لفظ ایمان کے تمام مشتقات قرآن وحدیث میں مذکور وموجود ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام موحدین نہیں رکھا بلکہ فرمایا "هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ" یعنی ہم نے تمہارا نام مسلمین اور مؤمنین رکھا ہے۔

ثابت ہوا کہ محض توحید ماننے سے ایمان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ توحید اجمال ہے ایمان تفصیل ہے۔ توحید جزو ہے ایمان کل ہے۔

قارئین کرام! توحید وایمان کا فرق یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو عقل وشعور کے ذریعے ماننا توحید ہے اور نبی کے ذریعے ماننا ایمان ہے اللہ اور نبی کے درمیان جدائی کرنا کفر صریح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَيُرِيدُونَ اَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا اُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا...... (الخ)

ترجمہ: یعنی جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں تفریق

وجدائی کردیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی اور راستہ اختیار کریں یہی لوگ پکے کافر ہیں۔

ثابت ہوا کہ اللہ ورسول کو ملانا ایمان ہے مولانا یار محمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا

میں اپنی حیاتی توں قربان تھیواں
احد نال احمد ملیندے گزر گئی

ایمان بالرسول کا مفہوم

اللہ پر ایمان لانے کے بعد ارشاد فرمایا "وَرَسُوْلِہٖ" یعنی اس کے رسول پر بھی ایمان لاؤ ایمان باللہ کے مفہوم کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ صرف موحد ہونے سے کوئی انسان مومن کہلانے کا حقدار نہیں بنتا جب تک ایمان حاصل نہ کرے ثابت ہوا اصل چیز ہے مومن ہونا موحد تو ابلیس بھی ہے وہ آج بھی اللہ کی توحید کا قائل ہے سارے کافروں سے بڑا کافر شیطان ہے۔ ساری دنیا میں سب سے بڑا شیطان ابلیس ہے کیا وہ اللہ کی توحید کا منکر ہے؟ نہیں! اللہ کو اللہ مانتا ہے اللہ کو ایک مانتا ہے وہ اللہ کا منکر نہیں موحد تو ہے لیکن مومن نہیں اس لیے کہ توحید اللہ کو ماننے کا نام ہے اور ایمان نبی کو ماننے کا نام ہے۔ شیطان اللہ کو ایک مان کر بھی مومن نہیں بنا اس لیے کہ اس نے نبی کو نہیں مانا۔

ثابت ہوا اللہ کو مان لینا توحید ہے اور نبی کو مان لینا ایمان ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر رب کو ماننے والا نبی کو مانے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر نبی کو ماننے والا اللہ کو بھی مان لے جس طرح کہ کلمہ توحید کے دو جزو ہیں ایک ہے لا الہ الا اللہ دوسرا ہے محمد رسول اللہ یہ ضروری نہیں کہ جو " لا الہ الا اللہ " کہے وہ مومن ہو جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ جو " محمد رسول اللہ " کا اقرار کر لے وہ مومن ہو جائے کیوں؟ اس لیے کہ " لا الہ الا اللہ " میں صرف توحید ہے اور " محمد رسول اللہ میں ایمان

بھی ہے اور توحید بھی ہے۔

فرمایا" ورسولہ "اور ایمان لاؤ اللہ کے رسول پر'

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذاتی نام لے کر "آمنوا باللہ" کہا مگر حضور ﷺ کا ذاتی نام لے نہ لیا بلکہ "ورسولہ" فرما دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضور ﷺ کا بھی ذاتی نام لیا جاتا اور اللہ تعالیٰ یوں فرماتا" یَاۤ اَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَمُحَمَّدٍ" لیکن ایسا نہیں فرمایا' بلکہ فرمایا" ورسولہ" اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' حضور ﷺ کا ذاتی نام نہ لیا بلکہ آپ کا وصف رسالت بیان کیا تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ انبیاء ومرسلین کو دو قسم کی صفتیں عطا کی جاتی ہیں ایک قسم وہ جن کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو سکے جیسے بشریت اور اس کے لوازمات' کھانا پینا' سونا جاگنا' مکی ہونا' مدنی ہونا' آمنہ کا لال ہونا' عبداللہ کا بیٹا ہونا وغیرہ۔ یہ صفات تو کفار بھی مانتے ہیں۔ لہذا نبی کے لیے اس قسم کی صفات ماننا ایمان بالرسول نہیں ورنہ ابوجہل اور ابولہب بھی مومن کہلاتے کیونکہ حضور ﷺ کو بشر تو وہ بھی مانتے تھے۔ دوسری قسم کی صفتیں وہ ہیں جن کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا وہ غیب ہیں جیسے حضور ﷺ کا نبی ہونا' رسول ہونا' خاتم النبیین ہونا' رحمتہ للعالمین ہونا وغیرہا ان صفات کا ماننا ایمان ہے۔

اس مسئلے کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایک بات کہتا ہوں' امید ہے کہ آپ کے ذوق ایمان میں اضافہ ہوگا ایک شخص کہتا ہے کہ میرا قرآن پر ایمان ہے میں قرآن کو اس طرح مانتا ہوں کہ تاج کمپنی کا چھپا ہوا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ اس کو کاغذ بہترین لگا ہوا ہے۔ کاتب کے قلم کے ساتھ سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ کپڑے کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے۔ گتے کی جلد میں محفوظ ہے۔

بتائیے! جس آدمی نے یہ چیزیں مان لیں کیا اس نے قرآن پاک کو مان لیا؟ نہیں! معلوم ہوا قرآن کی صورت اور قرآن کے لباس کو مان لینے سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک یہ نہ مانے کہ" ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ" جب تک یہ نہ

مانے ''بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ O فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ '' اور یوں نہ مانے ''فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ '' اور جب تک اس طرح نہ مانے کہ یہ لاہوتی نغمہ ہے' ازلی عہد نامہ ہے آسمانی صحیفہ ہے اور آخری نبی پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہے۔

''اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ''

تو جب تک یہ باتیں نہ مانے اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں نبی کو مانتا ہوں اور اپنے ایمان کے ثبوت میں یہ بات پیش کرے کہ آپ بشر تھے' کھاتے پیتے تھے' لباس پہنتے تھے آپ کے ماں باپ بھی تھے' آپ کے بیوی بچے بھی تھے' آپ ﷺ کو بھوک بھی لگتی تھی' آپ چلتے پھرتے تھے' آپ کا نام محمد ﷺ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا' آپ کی والدہ کا نام آمنہ رضی اللہ عنہا تھا' آپ مکے میں پیدا ہوئے تھے' پھر آپ ہجرت کے بعد مدینے چلے گئے تھے' یہ ساری باتیں اگر کوئی مانے اور کہے یہی ایمان ہے تو کیا حضور ﷺ کو صرف ان چیزوں کے ساتھ ماننا ایمان کہلائے گا؟ نہیں کہلائے گا۔ معلوم ہوا کہ صرف صورت کا ماننا ایمان نہیں بلکہ حقیقت کا ماننا ایمان ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وصف رسالت کے ساتھ ماننے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ''و رسولہ'' اسکے رسول کو مانو۔ رسالت' اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف آنے کو کہتے ہیں۔

''الرسول هو انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام معه كتاب و شريعة متجددة'' O

لفظ رسول کے مفہوم میں اللہ کی طرف سے کتاب اور شریعت لے کر مخلوق کی طرف ہدایت و تبلیغ کے لیے آنا ثابت ہوتا ہے یہ چیز ذاتی نام سے ثابت نہ ہوسکتی تھی اس لیے آپ کے منصب رسالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''و رسولہ'' اور اللہ کے رسول کو مانو جس کو رب نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اپنا ترجمان بنا کر بھیجا ہے' اس

کو کس طرح مانو صرف اس کے ظاہری جسم وصورت کو ماننے سے تم مومن نہیں بن سکتے' صرف اسکی بشریت تسلیم کرنے سے تم مومن نہیں بن سکتے تم مومن تب بنو گے جب اس کو یوں مانو گے۔

"یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا"O

اگر میرے نبی کو ماننا ہے تو اسے نبی مانو' رسول مانو' پیغمبر مانو' شاہد مانو' محبوب مانو' داعی الی اللہ مانو' بشیر ونذیر مانو' سراج منیر مانو'۔

جس طرح قرآن کی ظاہری صورت کو مان لینے سے ایمان ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کی معنوی صورت کو تسلیم نہ کیا جائے اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ کی ظاہری صورت کو مان لینا ثبوت ایمان کے لیے کافی نہیں جب تک آپ کی معنوی صورت کو اس کے تمام کمالات وصفات کے ساتھ نہ مان لیا جائے۔ اس لیے فرمایا "اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

ایمان بالکتاب کا مفہوم

وَالْکِتَابِ ۔تیسرے نمبر پر کتاب کا ذکر فرمایا' وَالْکِتَابِ الَّذِی نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ"...... نَزَّلَ باب تفعیل ہے اللہ فرماتا ہے اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کتاب کو اللہ نے اپنے رسول پر آہستہ آہستہ (تئیس برس کے عرصے میں) نازل فرمایا' یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی لمبی عبارت ذکر فرمائی "وَالْکِتَابِ الَّذِی نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ "اگر اتنا کہہ دیتا" وَالْکِتَابِ" یا" والقرآن" تو مسئلہ بھی حل ہو جاتا "خَیْرُ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ" الفاظ بھی مختصر ہوتے اور معنی بھی سمجھ میں آجاتا کیونکہ مقصود تو صرف یہ تھا کہ لوگ قرآن کو مانیں لیکن رب تعالیٰ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کو مانو بلکہ فرمایا اس قرآن کو مانو جو میرے رسول پر نازل ہوا ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ

قرآن پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ حضور ﷺ کی ذات پر نازل ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ بلا واسطہ قرآن کو ماننا ایمان نہیں بلکہ بواسطہ رسالت قرآن کو ماننا ایمان ہے۔ دامن محبوب کو چھوڑ کر قرآن کو مان لینا ہرگز مفید نہیں ہاں دامن محبوب کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں میں قرآن پڑھو گے سمجھو گے تو تمہیں ایمان کی لذتیں حاصل ہوں گی اور تمہیں معلوم ہوگا کہ حضور سرور کائنات ﷺ صرف حامل کتاب نہیں بلکہ مجسم کتاب ہیں۔ قرآن تو قرآن رہا ہم تو خدا کو بھی بوسیلہ مصطفیٰ ﷺ مانتے ہیں۔

فیض ہے یہ اے رضا احمد پاک کا
ورنہ ہم کیا سمجھتے خدا کون ہے

خدا کو مانو‘ تو رسول کی معرفت سے مانو‘ قرآن کو مانو‘ تو رسول کی معرفت سے مانو‘ ورنہ نہ قرآن پر ایمان قبول ہوگا نہ خدا پر ایمان قبول ہوگا۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں:

دیکھئے یہ بجلی ہے اس میں براہ راست پاور ہے اس پاور کو ماننا ہے تو بلب ٹیوب اور پنکھے کی معرفت مانو۔ اگر پنکھا ہٹا کے‘ بلب ہٹا کے بجلی کو چھو کر ماننے کی کوشش کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ بغیر وسیلہ کے اگر بجلی کی پاور کو ہاتھ لگاؤ گے تو جان کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اسی طرح بتایا جا رہا ہے کہ خدا کے ماننے والو! اگر بغیر وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کے خدا کو مانو گے تو ایمان کا خاتمہ ہو جائے گا۔

خدا کے بندو! تمہاری نگاہیں تو سورج کی تاب نہیں لاسکتیں‘ تم سورج کے خدا کی تاب کیسے لاسکو گے؟ موسیٰ کلیم علیہ السلام تو طور پر بے ہوش ہو گئے تھے تمہاری کیا ہستی ہے کہ اس کے جلوہ ہائے جلال وکمال کو برداشت کرسکو۔ خدا وہ بے مثل ذات ہے کہ جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا‘ کانوں سے سنائی نہیں دیتا‘ ہاتھوں سے پکڑائی نہیں دیتا‘ ناک سے سونگھائی نہیں دیتا‘ زبان سے چکھائی نہیں دیتا‘ حواس سے سوجھائی

نہیں دیتا۔ اگر اس خدا کو ماننا ہے تو رسول کے وسیلہ سے مانو۔ نبی ﷺ کے وسیلے سے مانو قرآن کو صرف اس نیت سے مان لینا کہ کلام اللہ ہے ہمارے پاس اول تو اس کا ظاہری ثبوت ہی نہیں، ہمیں کیسے پتہ چلا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور پھر اللہ کا کلام تورات بھی ہے، انجیل بھی ہے، زبور بھی ہے، اللہ کا کلام تو آسمانی صحیفے بھی ہیں۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے کا علم تو ہمیں حضور ﷺ کے وسیلے سے ہوا۔ اگر حضور ﷺ تشریف نہ لاتے اور اللہ تعالیٰ صرف قرآن نازل فرما دیتا تو نہ عرفان ذات ہوتا اور نہ ہی توحید کے مسئلہ کی تکمیل ہوتی۔ اول تو قرآن کو جانتا کوئی نہ اور اگر کوئی جان بھی لیتا تو مانتا کوئی نہ کیونکہ قرآن مجید فقط احکام کا علم دیتا ہے ان کی تشریح نہیں کرتا تو ایسی صورت میں قرآنی احکام قابل عمل نہ ہوتے۔ حضور ﷺ نے یہ کرم فرمایا کہ ہمیں ان احکام پر عمل کر کے بتایا ورنہ عقل انسانی دربدر ٹھوکریں کھاتی پھرتی، اور عقل کے پاس قرآن کے قابل عمل ہونے کی کوئی سند نہ ہوتی۔

یوں سمجھئے کہ:

قرآن متن ہے.......... حضور ﷺ اسکی تشریح

قرآن کنایہ ہے .... حضور ﷺ اس کی تصریح

قرآن عبارت ہے .... حضور ﷺ اس کی تعبیر

قرآن نور ہے .... حضور ﷺ اس کی تنویر

قرآن ایک جسم ہے.......... حضور ﷺ اس کی روح ہیں

قرآن ایک پھول ہے.......... حضور ﷺ اس کی خوشبو ہیں

تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالْكِتٰبِ الَّذِی نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ"

یہ قرآن کس پر نازل ہوا ہے؟ ہمارے رسول پر! تو جب تک رسول تک نہیں پہنچا تھا۔ ایمان لانا ضروری نہ تھا۔ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اس میں "اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ" کا حکم تھا، "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" کا فرمان تھا "وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ" کا

بیان تھا مگر عمل واجب نہ تھا عمل اس وقت واجب ہوا جب یہ احکام حضور کی زبان سے جاری ہوئے۔

اب ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ قرآن کی شان ''**بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ**'' قرآن یہاں آنے سے پہلے کہاں تھا لوح محفوظ میں تھا جب تک یہ قرآن لوح محفوظ میں تھا قرآن تھا۔ مگر ایمان اس پر نہ تھا۔ لوح محفوظ میں موجود تھا مگر قابل ایمان نہ تھا جونہی لوح محفوظ سے میرے نبی کے دل پر اتر کر زبان سے نکلا تو قابل ایمان بن گیا۔

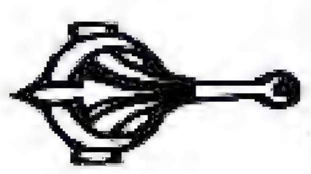
لھٰذا قرآن کو ماننا ہے تو مصطفیٰ ﷺ کی معرفت مانو' یوں مانو کہ ایک ہیں قرآن کے الفاظ' ایک ہیں اس کے معانی اور ایک ہیں اس کے اسرار۔ جب خدا کی ذات نے قرآن نازل کرنا چاہا تو دیکھا کہ الفاظ کو کہاں رکھوں اور اس کے اسرار کو کہاں رکھوں؟ واہ خدایا قربان جاؤں تیری عظمتوں پر تو نے قرآن کے الفاظ نازل کئے مصطفیٰ ﷺ کے کان پر' قرآن کے معانی نازل کئے مصطفیٰ ﷺ کے دماغ پر اور قرآن کے اسرار نازل کئے مصطفیٰ ﷺ کے دل پر ''**فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ**'' قرآن اس لئے ایمان لانے کے قابل ہے کہ اس کے لفظ' نبی کی زبان سے نکلے ہیں اس کے معانی' نبی کے دماغ سے اترے ہیں اور اس کے اسرار' نبی کے دل سے اٹھے ہیں۔

گویا یہ سارا قرآن بقول پنجابی شاعر ؎

سیپارے صفحے سورتاں بن دے جاون
زباں پاک تھیں جو جو بولے محمد (ﷺ)

پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان کا مفہوم

''**وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ**'' الف لام جنسی ہے کتاب سے مراد سب کتابیں ہیں وہ تمام کتابیں جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں ان سب پر ایمان



لانے کا حکم دیا گیا ہے فرق اتنا ہے کہ پہلی آسمانی کتابوں پر ہمارا ایمان اجمالی ہے اور قرآن پر ہمارا ایمان تفصیلی ہے پہلی کتابیں منسوخ ہیں اب ان پر عمل نہیں ہوسکتا لیکن قرآن ہمیشہ قابل عمل ہے اور اس کی تعلیمات ہمہ گیر ہیں پھر فرمایا " وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ "(الخ) اور جس نے انکار کیا اللہ کا' اللہ کے فرشتوں کا' اللہ کی کتابوں کا' اللہ کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا" فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا" تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

ایک ہے ضلال قریب اور ایک ہے ضلال بعید قریب کی گمراہی یہ ہے کہ انسان حد کفر تک نہ پہنچے اور دور کی گمراہی یہ ہے کہ انسان' ایمان سے دور ہو کر کفر میں داخل ہوجائے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہی سے بچائے (آمین)

آیت مبارکہ کی نہایت مختصر تشریح کے بعد اب ایمان کے لغوی اور شرعی معنی کی طرف آتے ہیں۔

ایمان کا لغوی مفہوم

دیکھنا یہ ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم سب سے پہلے ایمان کے معنی پر غور کرتے ہیں۔

ایک ہے ایمان کا لغوی معنی اور ایک ہے ایمان کا شرعی واصطلاحی معنی

لفظ ایمان کا مادۂ اشتقاق امن ہے، امن کے لفظ سے ایمان مشتق ہے

ایمان کی بنیاد امن ہے جو امن کا قائل نہیں وہ مومن نہیں ہے۔ لہذا ایمان کے اسی مفہوم کو ہم اپنے سادہ لفظوں میں یوں بیان کرتے ہیں" جیو اور جینے دو" یعنی خود بھی جیو دوسروں کو بھی جینے کا حق دو۔

حدیث پاک میں ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے اس کے ہاتھ سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

مومن سراپا امن ہوتا ہے۔ ہمارا نبی امن کا پیغامبر ہے۔ اس نے اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر کے امن وآشتی کی تعلیم دی ہے۔

ایمان کا معنی سمجھنے کے لیے پہلے یہ چیز ذہن نشین کریں کہ ایمان کے لغوی طور پر دو معنی ہیں۔

۱۔امن لینا ۲۔امن دینا

امن دینا یہ ایمان کا متعدی مفہوم ہے۔امن لینا یہ ایمان کا غیر متعدی مفہوم ہے۔تو دونوں مفہوم ہیں ایمان کے' متعدی اور غیر متعدی لہٰذا امن دینے والے اور امن لینے والے کو مومن کہتے ہیں۔مومن اسم فاعل ہے' اللہ بھی مومن ہے آپ بھی مومن ہیں۔قرآن میں آتا ہے کہ "اَلْمُؤْ مِنُ الْمُهَيْمِنُ" اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے مومن اب خواہ مخواہ آپ کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ اللہ کے مومن ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اور ہمارے مومن ہونے کا مفہوم کیا ہے؟

تو اللہ مومن ہے بمعنیٰ امن دینے والا اور ہم مومن ہیں بمعنیٰ امن لینے والے' ہم امن لینے والے ہیں وہ ہمیں امن دینے والا ہے۔وہ اپنے عذاب سے امن دیتا ہے دوزخ سے امن دیتا ہے' وہ امن دینے والا مومن' ہم امن لینے والے مومن' اللہ بھی مومن ہے میں بھی مومن' آپ بھی مومن ہم سارے مومن مگر مومن کا مفہوم جدا جدا ہے تو مومن کی تعریف یہ بنے گی کہ جو خود امن لے اور دوسروں کو امن دے۔خود جیئے اور دوسروں کو جینے دے۔ یہ ہے ایمان کا لغوی مفہوم جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

ایمان کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

اصطلاح شریعت میں ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تو یہ مسئلہ حدیث جبریل سے واضح ہوا، مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں: کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے اچانک ایک آدمی آیا۔

"شَدِیْدُ بِیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَایُریٰ عَلَیْہِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَایَعْرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ (الخ)

بہت سفید لباس والا، بہت کالے کالے بالوں والا، زلفیں بھی کالی داڑھی بھی کالی، اس پر سفر کا کوئی اثر نہیں تھا، لیکن نہ وہ مکے والوں سے تھا نہ مدینے والوں سے تھا صورت بشری تھی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا "فَاَسْنَدَ رُکْبَتَیْہِ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ" اس نے اپنے دونوں گھٹنے حضور کے گھٹنوں سے ملا دیئے تشہد کی حالت میں بیٹھ گیا، اس نے حضور سے تین سوال پوچھے ان میں سے ایک سوال یہ تھا "اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ" یہ بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَآئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ (اِلٰی آخِرِہٖ)" فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو مانے اللہ کے رسولوں کو مانے، اللہ کے فرشتوں کو مانے، آخرت کے دن کو مانے اور تقدیر کو مانے، یہ ایمان ہے۔ تو اس نے سر ہلایا اور تصدیق کی کہ ہاں آپ نے ٹھیک فرمایا جب وہ چلا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ صحابہ تم جانتے ہو یہ کون تھا؟ تو صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ آپ جانیں آپ کا خدا جانے، ہمیں کیا معلوم! لیکن ہم سوچ رہے ہیں کہ اگر یہ مسافر ہوتا، دور سے آیا ہوتا تو اس کے قدموں پر گرد ہوتی، کپڑوں پر غبار ہوتا، چہرے پر سفر کے آثار ہوتے، لیکن یہ تازہ بہ تازہ، نو بہ نو، پیکر نور، سراپا سرور، چہرہ پر

بہار لباس شاندار زلفیں تابدار ہم نے اس کو نہ مکے میں دیکھا نہ کبھی مدینے میں دیکھا پتہ نہیں کون تھا؟

حضور ﷺ نے فرمایا اے صحابہ! یہ جبرائیل امین تھا صرف اسلئے آیا تھا کہ تمہیں دربار نبوت کے آداب سکھائے اور تمہیں بتائے کہ ایمان کیا چیز ہے۔ وہ پوچھتا مجھ سے تھا سناتا تمہیں تھا تاکہ تم ایمان کا مفہوم سمجھ جاؤ۔

تو حضرات گرامی! یہ ہیں ایمان کے بنیادی امور جو حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں بیان ہوئے۔ "والحمدللہ علیٰ ذالک"

ایمان کے شعبے اور حیاء

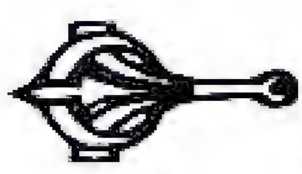
"قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ"

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں ایمان کا سب سے افضل شعبہ توحید ورسالت کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے اور حیا ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ایمان کے بیشمار شعبے ہیں اور ان سے مراد وہ تمام اعمال واخلاق احوال ومعاملات ہیں جو ایمان حاصل ہونے کے بعد ہر مومن کے دل میں نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح موسم بہار میں جب درخت سرسبز وشاداب ہوتے ہیں تو ان میں سے خود برگ وبار نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

حدیث کے آخر میں حیا کو خصوصی طور پر ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایمان لانے کے بعد انسانی اخلاق میں شرم وحیا کا مقام بہت بلند ہے۔ ہمیں



شرم و حیا صرف انسانوں سے ہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ سب سے زیادہ حیا اپنے خالق و مالک سے ہونی چاہیے۔ سب سے بڑا بے حیا اور بد بخت وہ انسان ہے جو اپنے خدا سے بھی نہ شرمائے۔ حیا جب انسانی سیرت میں داخل ہو جائے تو انسان بہت سارے گناہوں سے باز آ جاتا ہے کیونکہ وہ اس یقین کے درجے پر ہوتا ہے کہ میرا خدا جلوت و خلوت میں مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

"اِسۡتَحۡیُوۡا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الۡحَیَاءِ"

یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی حیا کرنے کا حق ہے۔

صحابہ نے پوچھا۔ حضور! حق حیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ برے خیالات سے سر اور دماغ کی حفاظت کرو اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو اور موت اور قبر کی حالت کو یاد رکھو۔

حسن اخلاق

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اَکۡمَلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِیۡمَاناً اَحۡسَنُہُمۡ خُلُقاً (رواہ ابوداؤد)

یعنی مسلمانوں میں کامل الایمان وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس انسان کا اخلاق اچھا ہو گا اس کا ایمان بھی زیادہ کامل ہو گا کیونکہ حسن اخلاق، کمال ایمان کا لازمی ثمرہ ہے۔

ہمسایوں کے حقوق

حضرت ابوشریح خذاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا:

وَاللّٰہِ لَا یُؤۡمِنُ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں؟ فرمایا!

"اَلَّذِیْ لَا یَاْ مَنْ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ" (رواہ البخاری)
یعنی وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور اذیتوں سے خائف رہتے ہوں۔
دوسری حدیث میں ہے:
"وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِناً" (رواہ الترمذی)
یعنی اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو تب تم اچھے ایماندار ہو گے۔
❁ ایک حدیث میں ہے:
"لَیْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ" (رواہ البیہقی)
یعنی حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔
حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خود غرضی، سنگدلی اور خواہش نفس کا مرتکب انسان حقیقت ایمان سے بے نصیب اور بے خبر رہتا ہے اور ایمان کے ثمرات سے فیضیاب نہیں ہو سکتا۔

اما[نتدا]ری اور عہد کی پابندی

حضرت انس سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا:
لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَلَہٗ (رواہ البیہقی)
[تر]جمہ: جس میں امانت کی عادت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں وعدے کی [پا]بندی نہیں اس میں دین نہیں۔
[ا]س حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ امانت کی حفاظت اور وعدے کی پابندی [ا]یمان کے لوازمات سے ہے اور جو شخص ان خصلتوں سے خالی ہو وہ ناقص الایمان [ہو]تا ہے۔

[مع]صیت و ظلم ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"انّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيْمَانَ كَمَايُفْسِدُالصَّبْرُ الْعَسَلَ"
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: غصہ ایمان کو اس طرح ضائع کر دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں غصے کی مذمت کا سبب ظاہر ہے کہ غصے کا غلبہ اور تسلط بندے کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز پر ابھار دیتا ہے اور انسان شرافت کی حدود و شرائط سے بھی باہر نکل آتا ہے۔ **"العیاذ باللہ"**

اسی طرح ظالم کے متعلق فرمایا:

"مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامُ" (رواہ البیہقی)

ترجمہ: حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص ظالم کی مدد اور تقویت کے لیے اسکا ساتھ دینے کی خاطر چلا اور اس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم شخص ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

اس حدیث میں واضح طور پر ظالموں کے انجام اور ان کی بدبختی کی نشاندہی فرمادی گئی ہے اور صاف بتادیا گیا ہے کہ ظالم لوگ مومن اور مسلمان کے مرتبے سے خارج ہیں اور ان کا دعوائے ایمان و اسلام صرف رسمی اور خیالی ہے۔

قارئین کرام مومن کہلانے کا حقدار صرف وہی ہوسکتا ہے جو ایمان کے مضمرات سے واقف ہو ایمان کے لوازمات سے آشنا ہو ایمان کے ثمرات سے آگاہ ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ آپ کو مختلف احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ تمام اخلاق حسنہ اور پسندیدہ عادات' ایمان کے ثمرات ہیں اور تمام اخلاقِ رذیلہ وعاداتِ خبیثہ مثلاً جھوٹ' چوری' زنا' شراب نوشی' قتل و غارت گری' خیانت' ظلم' وعدہ خلافی' خود غرضی' دھوکہ دہی' اشیائے خورد ونوش میں ملاوٹ' فحش گوئی' اور بدکلامی' گالی گلوچ' غیبت' حسد' تکبر' غرور و تمرد' منافقت وغیرہ یہ سب حرکتیں ایمان و اسلام کے

قطعاً منافی ہیں اوران حرکات خبیثہ کے ارتکاب کے وقت اس شخص کا دل، نور ایمان سے بالکل محروم اور خالی ہو جاتا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ**

دوسری حدیث میں ایک شخص نے محبوب خدا ﷺ سے پوچھا "مَا الْاِیْمَان" ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :

"اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ"

(مسند امام احمد)

ترجمہ: یعنی جب تو اپنے اچھے عمل پر خوشی محسوس کرے اور برے عمل سے رنجیدہ اور نادم ہو تو بس سمجھ لے تو مومن ہے

معلوم ہوا کہ اگر نیکی اور بدی، چھائی اور برائی کے درمیان حد فاصل قائم رہے تو یہی احساس، ایمان کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

محبت رسول ثمرات ایمان کی جان ہے

ایمانی ثمرات کی جو آخری معراج تمام ثمرات کی جان ہے اور وہ ہے محبت رسول ﷺ ۔ بخاری و مسلم کی حدیث پیش خدمت ہے۔

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَایُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن" (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی انسان کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور ساری کائنات سے زیادہ میرے ساتھ محبت نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ حب رسول کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث کی تائید میں چوتھی حدیث بھی ملاحظہ ہو!

تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا

"ذَاقَ طُعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰہِ رَبّاً وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً"۔

ترجمہ: یعنی ایمان کی لذت اس کو ملی جو اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جس شخص کے دل میں اللہ اور اسکے رسول کی محبت تمام ماسوا سے زیادہ ہو اسے لذت ایمان نصیب ہو گئی۔

قارئین کرام ایک ہے ایمان اور ایک ہے ایمان کی لذت' یوں سمجھیں کہ جس طرح مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے اسی طرح ایمان میں بھی ایک خاص حلاوت اور لذت ہے۔ دیکھئے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ایمان میں اگر لذت ہے تو کبھی محسوس کیوں نہیں ہوتی۔ تو میں کہتا ہوں کہ ایمان کی لذت ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ غذا کی لذت بھی ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتی جو آدمی بیمار ہو جس کی قوت ذائقہ ماؤف ہو' جس کا مزاج صفراوی ہو اور جس کا معدہ سوداوی ہو وہ میٹھی چیزوں کی لذت کو کما حقہ' محسوس نہیں کر سکتا۔

جس طرح مادی غذاؤں میں لذت کے باوجود وہ شخص لذت کا احساس نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا جسم بیمار ہے تو اسی طرح ایمان میں بھی لذت تو ہوتی ہے مگر جس کی روح بیمار ہو ایمان کی لذت کا احساس وہ بھی نہیں کر سکتا۔ ایمان کی لذت وہ محسوس کر سکتا ہے جس کا تعلق اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محض رسمی اور عقلی نہ ہو بلکہ قلبی اور روحی تعلق ہو' شیفتگی اور گرویدگی ہو عشق اور جنون ہو جو شخص کلمہ بھی پڑھے پھر مزا نہ آئے نماز بھی پڑھے اور دل نہ لگے' قرآن بھی پڑھے اور سرور نہ آئے بات یہ ہے کہ اس نے ایمان کا مزہ چکھا ہی نہیں کیونکہ ایک ایمان کی صورت ہے اور ایک ایمان کی حقیقت۔ صورت کا نام ایمان نہیں حقیقت کا نام ایمان ہے۔ جس طرح ایک ہے میری صورت اور ایک ہے میری حقیقت میری صورت کا نام محمد سعید احمد مجددی نہیں

بلکہ میری حقیقت کا نام محمد سعید احمد مجددی ہے۔ یہ میری صورت قبر میں جائے گی' خاک میں مل جائے گی لیکن محمد سعید احمد مجددی کبھی خاک میں نہیں ملے گا یہ ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اس کی روح زندہ ہے۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جان مرتی نہیں مرگِ بدن سے

بدن مرتا ہے روح نہیں مرتی میں انسان ہوں' انسانیت میرے جسم کا نام نہیں بلکہ انسانیت میری حقیقت کا نام ہے جو روح بن کر میرے اندر سمائی ہوئی ہے۔ اسی طرح ایمان صرف زبانی کلمہ کا نام نہیں' ایمان صرف اقرار کر لینے کا نام نہیں' ایمان صرف قال کا نام نہیں بلکہ حال کا نام ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے ایمان کیفیت روحانی کا نام ہے۔ ایمان غلبہ عشق کا نام ہے' ایمان ہمارے عمل اور عقیدے کی جان کا نام ہے اور یہی ایمان کی حقیقت ہے جنہیں ایمان کی حقیقت مل جائے وہی ایمان کی لذت محسوس کر سکتے ہیں۔

اللہ اللہ! جنہیں ایمان کی لذت نصیب ہو جائے پھر وہ ایمان کے سارے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان عزیز تک بھی قربان کر دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہیں اور عشق کی مستی سے سرشار ہو کر خوں آشام تلواروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ایمان والو! خوش نصیبو! ایمان کی لذت کے متعلق کیا پوچھتے ہو

ع پچھ اونہاں نوں جنہاں پیتی اے

ع ذوق ایں مۓ نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

ایمان کی لذت پوچھتے ہوتو کسی مومن سے پوچھو' ایمان کی لذت پوچھتے ہوتو کسی عاشق سے پوچھو' ایمان کی لذت پوچھتے ہوتو کسی عارف سے پوچھو' ایمان کی لذت پوچھتے ہو' تو کسی ولی سے پوچھو' مہر علی سے پوچھو' جماعت علی سے پوچھو' سرہند کے ولی سے پوچھو' پاکپتن کی گلی سے پوچھو' داتا مخدوم علی سے پوچھو' خواجہ ہندالولی سے پوچھو' یا پھر غوث جلی سے پوچھو' یا پھر مولیٰ علی (کرم اللہ وجہہ) سے پوچھو! یا پھر میرے نبی ﷺ سے پوچھو! جس نے بتادیا کہ

"ذَاقَ طُعْمَ الْایمانِ مَن رَّضِی بِاللّٰہ رَبّاً وبِالْاِسْلامِ دِیْناً وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً" (الخ)

لذتِ ایمان کیا ہے؟

باتیں دو ہیں ایک ہے کہ ایمان ہم میں آجائے' ایک ہے کہ ہم ایمان میں آجائیں۔ اکثر مسلمان وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان ہم میں آ گیا لیکن پتہ نہیں کس وقت چلا جائے (اَلْاَمَانُ بِاللّٰہ) ایمان کی لذت اس خوش بخت کو حاصل ہوتی ہے جو ایمان میں آجائے' ایمان میں سما جائے' ایمان میں گم ہو جائے' ایمان میں فنا ہو جائے' اور ایمان کی مستی میں اپنی ہستی کو بھول جائے' خود نہ رہے صرف ایمان ہی رہ جائے۔

حضرت میاں محمد عارف کھڑی رحمتہ اللہ علیہ نے ایمان کی اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے

ے تن حویلی تے توں وچ بیلی جان مکان تمہارا
میں مرچکی آں سچ کرمنیں سیف ملوکا یارا

یہ ہے لذت ایمان اور یہ کب حاصل ہوتی ہے جب تیرا یہ عقیدہ ہو جائے

"قُلْ اِنَّ صَلاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحیا یَ وَمَماتِیْ لِلّٰہ رَبّ الْعالمِیْن"

جب تجھے اس بات پر یقین آ جائے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا' میرا مرنا' میرا سونا' میرا جاگنا' میرا کھانا' میرا پینا' میرا آنا' میرا جانا' میرا حسن' میری جوانی' میرا جمال' میرا کمال' میرا منصب' میری دولت' میری دوکان' میرا مکان' میرا جسم' میری جان' سب کچھ خدا کے لیئے ہے اور میرا اس میں کچھ نہیں سب کچھ اسی کا ہے اس کو کہتے ہیں لذت ایمان۔

آیئے ہمارا پیغام یہ ہے کہ:

اے ایمان کی صورت کے عاشقو! ایمان کی حقیقت کے عاشق بنو "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا" ایمان کی صرف صورت پر فریفتہ ہونے والو! اگر ایمان صرف صورت میں ہوتا تو فرقے نہ بنتے۔ یہ جتنے فرقے بن گئے ہیں یہ سب ایمان کی ضرورت کے پجاری ہیں' ایمان کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اگر تم سچے مومن بننا چاہتے ہو تو تفرقہ بازی سے نکل کر ایمان کی حقیقت میں آ جاؤ۔ تقلیدی ایمان میں پھرنے والو! آؤ تحقیقی ایمان حاصل کریں۔ اجمالی ایمان والو! آؤ تفصیلی ایمان حاصل کریں۔ ایمان کی صورتوں کے پجاریو! آؤ ایمان کی حقیقت حاصل کریں۔ رسمی اور عقلی ایمان والو! آؤ اصلی اور حقیقی ایمان حاصل کریں۔ ظاہری ایمان والو! آؤ باطنی ایمان حاصل کریں اوپر اوپر سے مسلمان کہلانے والو! آؤ اندر سے بھی مسلمان بنیں اور اگر یہ دعوت تمہیں منظور نہیں تو پھر یاد رکھو صرف زبان سے اسلام اسلام کی رٹ لگانا منافقت کے سوا کچھ نہیں۔ علامہ اقبال بھی اسی حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں ۔

گر نداری از محمد رنگ و بو
بر زبان خود میالا نام او

اقبال کہتا ہے کہ اے مسلمان اگر تو اپنے نبی کا رنگ اور بو اپنے اندر نہیں پاتا تو پھر تو ان کا امتی کہلانے اور ان کا پاک نام اپنی گندی زبان پر لانے کی جسارت ہرگز نہ کر۔

ایمان جاننے کا نام نہیں ماننے کا نام ہے۔اس فرق کو سمجھنے کے لیے دو جملے کہتا ہوں کہ پروانہ شمع کو صرف جانتا نہیں مانتا ہے۔ اگر جانتا ہوتا تو شمع یہاں ہوتی پروانہ وہاں ہوتا۔ پروانہ شمع کو صرف جانتا نہیں، مانتا ہے۔ مانتا ہے تو شمع کا طواف کرتا ہے، حریم شمع کے گرد رقص بسمل کا تماشا کرتا ہے۔

کسے پروانے نوں پچھیا تینوں سڑکے کیہہ لبھدا

اوہنے کہیا اوئے بے سمجھا جمالِ یار دی خاطر

پروانہ شمع کو صرف جانتا نہیں بلکہ پروانہ شمع کو مانتا ہے بلبل، پھول کو صرف جانتی نہیں بلکہ مانتی ہے۔ چکور، چاند کو جانتا نہیں بلکہ مانتا ہے۔ مومن خدا و رسول (ﷺ) کو صرف جانتا ہی نہیں بلکہ مانتا ہے ایمان جاننے کا نام نہیں ایمان تو ماننے کا نام ہے۔اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتا ہوں

"یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَ هُمۡ" (البقرة)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ یہودی اور عیسائی میرے نبی ﷺ کو اس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں لیکن مومن نہیں کیونکہ مانتے نہیں۔معلوم ہوا کہ جاننا اور پہچاننا ایمان نہیں بلکہ ماننا ایمان ہے تو پھر ماننا کیا ہوا؟ ماننا یہ ہے کہ جب تو مان لے تو بس پھر مان لے۔

ایک صحابی حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہنے لگے۔

"قُلۡ لِیۡ فِی الۡاِسۡلَامِ قَوۡلًا لَا اَسۡئَلُ عَنۡهُ اَحَدًا بَعۡدَکَ"

مجھے دین اسلام کے بارے میں کوئی ایسی جامع بات بتائیں تاکہ مجھے آپ کے بعد کسی کوئی بات پوچھنے کی ضرورت نہ رہے تو حضور ﷺ نے فرمایا،

"قُلۡ اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسۡتَقِمۡ" (رواہ مسلم)

یعنی تو پہلے کہہ کہ میں نے اللہ کو مانا پھر ڈٹ جا۔ یعنی استقامت پذیر ہو جا۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے ان دو لفظوں میں ایمان کا مکمل خلاصہ موجود ہے ایمان اور استقامت ہی صراط مستقیم ہے۔

صوفیاء کے نزدیک "اَلْاِسْتِقَامَۃُ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ کَرَامَۃٍ" یعنی استقامت ہزار کرامت سے بہتر ہے۔ قرآن پاک میں اسی حقیقت پر زور دے کر فرمایا گیا ہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"

یعنی جن لوگوں کو اللہ پر ایمان اور پھر استقامت حاصل ہوگئی انہیں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔

ایمان کا مفہوم زبان رسالت کی معرفت پیش کر رہا ہوں کہ جب مان لیا بس پھر مان لیا اسطرح مانا کہ کوئی تجھے ہٹائے مگر تو ہٹ نہ سکے۔ کوئی روکے تجھے تو رک نہ سکے ایمان یہ ہے کہ تو جب مان لے بس پھر حد ہو جائے۔ پھر ماننے میں کوئی کمی اور کجی نہ رہے۔ کوئی تجھے دبانا چاہے تو دب نہ سکے تو پہاڑ بن جائے مضبوط چٹان بن جائے۔ استقامت کا کوہ گراں بن جائے ایماں کی عظمت کا نشان بن جائے اور پھر جرأت ایمانی کے ساتھ یہ اعلان کرے کہ

جفا و جور کی آندھی چلے طوفان آ جائیں
مٹانے کو میرے شداد اور ھاہان آ جائیں
خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا
یہ بت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

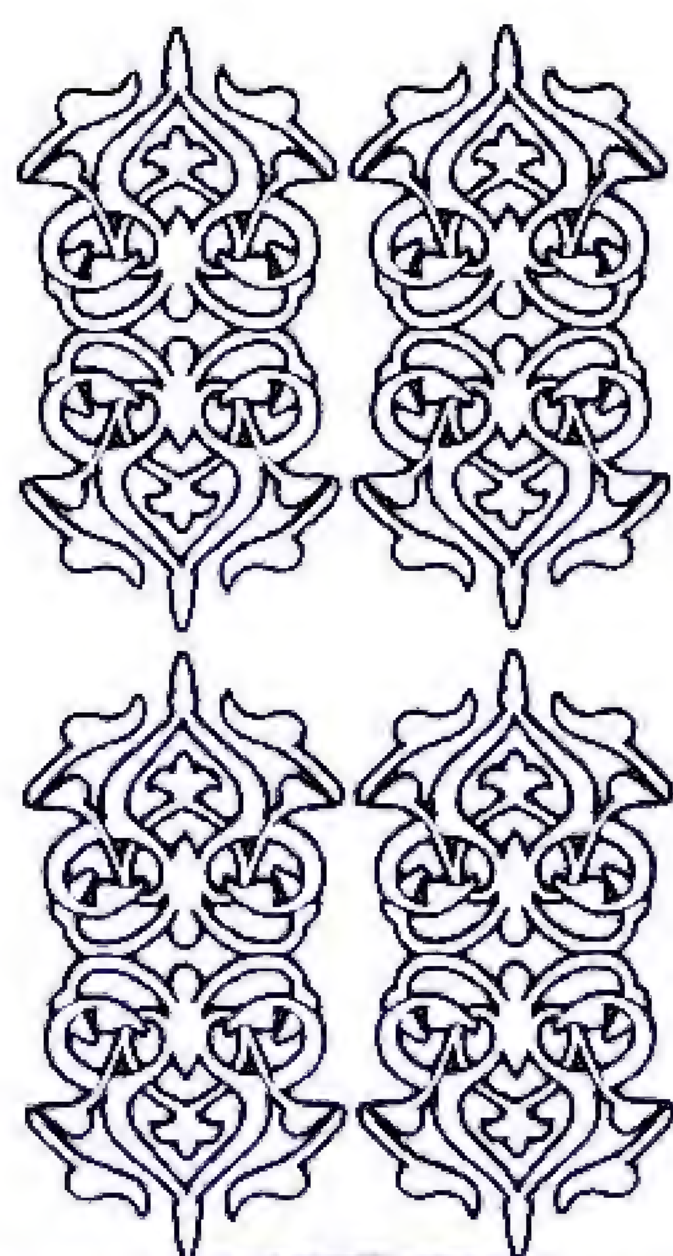
اور کوئی فریب، کوئی طمع، کوئی سیاست، کوئی الیکشن، کوئی رعب، کوئی خوف تجھے اللہ کے راستے سے پیچھے نہ ہٹا سکے۔ بیوی، بچے، اولاد، کاروبار، دنیاوی ساز و سامان

تجھے اللہ کے کاموں سے پیچھے نہ ہٹا سکیں اور اگر تیری یہ کیفیت نہیں تو تو نے خدا کو نہیں مانا۔ تو نے رسمی طور پر خدا کو مانا ہے' تو نے صرف عقلی طور پر خدا کو مانا ہے۔ قلبی طور پر ماننا یہ ہے کہ جب تو مان لے پھر ساری دنیا ایک طرف ہو جائے تب بھی تیرے پائے استقلال میں لرزش اور لغزش نہ آئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ کو صرف جانتے نہیں بلکہ مانتے تھے۔ چونکہ مان لیا تھا اس لئے ان کو آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا' ان کو سولی کے تختوں پر چڑھایا گیا' ان کو ملک سے جلاوطن کر کے دربدر پھرایا گیا' ہر مصیبت آئی ہر تکلیف آئی' یگانے بیگانے ہو گئے' دوست دشمن بن گئے' وفادار جفاشعار بن گئے' پھولوں کے ہار خاردار بن گئے لیکن زمین گواہ ہے' آسمان گواہ ہے' خدائی گواہ ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمع رسالت ﷺ کے پروانے تھے انہوں نے ہر حال میں یہی اعلان کیا ہم جان دے سکتے ہیں ایمان نہیں دے سکتے کیونکہ ایمان کی لذت اور اس کے ثمرات کی حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بے نقاب تھی' بے غبار تھی اور وہ ایمان کی حقیقی منزلوں پر شاد کام اور فائز المرام تھے۔ وہ توحید و رسالت کی بے پناہ جلوہ سامانیوں سے بامراد اور فیض یاب تھے۔ ان کا ایمان' ایمان حقیقی تھا۔ ان کا یقین حق الیقین تھا۔ ان کے دل' دنیا کی محبت سے سرد اور خدا اور رسول ﷺ کی محبت سے گرم تھے

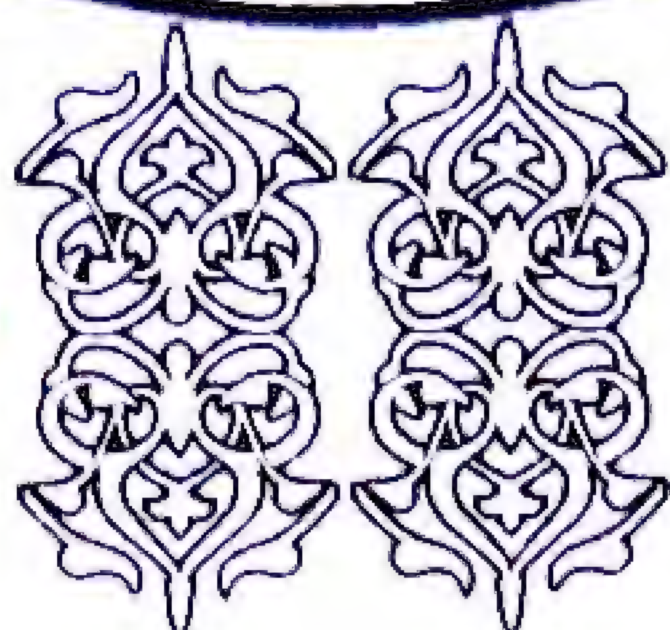
انہوں نے میدان بدر سے لے کر میدان کربلا تک ایمان و یقین اور عشق و محبت کے وہ لاثانی اور لافانی نقوش ثبت کئے ہیں جو سینہ گیتی پر تا ابد جگمگاتے رہیں گے اور آنے والی نسلوں کو مینارہ نور بن کر فکر و عمل اور علم و فضل کی روشنی دیتے رہیں گے۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را





قرآنیات



حقیقت وحی

سب سے پہلے حقیقت وحی کے بارے میں کچھ ابتدائی باتیں پیش خدمت ہیں۔

وحی کا لغوی معنی

لفظ وحی قرآنی اصطلاح ہے۔قرآن پاک میں متعدد آیات مبارکہ میں لفظ وحی کا استعمال ہوا ہے۔وحی کا لغوی معنی ''اَلْکلامُ الْخفیُّ'' ہے یعنی پوشیدہ کلام جس کو سرگوشی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔کسی کے کان میں خفیہ بات کرنا یہ وحی ہے۔ مفردات امام راغب میں ہے۔اَصلُ الْوحیِ الْاِشارۃُ السَّریعۃُ یعنی وحی کے اصلی معنی ہیں وہ اشارہ جو تیزی کے ساتھ ہو۔خواہ وہ اشارہ لفظی ہو یا محض آواز، اعضاء و جوارح کے ساتھ یا بصورت تحریر۔یہ چاروں شکلیں لغۃً وحی کے مفہوم میں داخل ہیں۔لہذا وحی اس علم قطعی اور یقینی کو کہتے ہیں جو جبریل امین کے ذریعے انبیاء و مرسلین پر نازل کیا جائے اور ان کو اس کلام الہی کی حقیقتوں سے کماحقہ آگاہ کیا جائے۔اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

نَزل بِهِ الرّوحُ الْاَمینُ o علٰی قلبِکَ......الخ (الشعرآء)

ترجمہ: یہ قرآن وہ وحی ہے جو روح الامین نے آپ کے دل پر نازل کی ہے۔

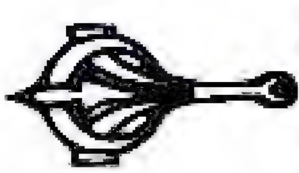
اصطلاحی مفہوم

وحیُ اللہ الیٰ انبیآء لہ' ھوما یُلقیہِ اِلیھِم من الْعلم الضُّروریُّ الّذی یُخفیہِ عن غیرِ ھم بعدَ ان یّکون اَعدَّاَرُو احَھم لِیُلقیہ' بواسطۃ الْملک اوبغیر واسطہ (المنار)

ترجمہ: وحی اس علم یقینی وضروری کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ پوشیدہ طور پر اپنے نبیوں کے دلوں میں القاء فرماتے ہیں جن کے ارواح پہلے سے اس علم کو قبول کرنے کیلئے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ القاء کبھی بذریعہ فرشتہ ہوتا ہے اور کبھی بلاواسطہ۔

لفظ وحی کا لغوی اور شرعی مفہوم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے بذریعہ جبریل امین' بوساطت انبیاء ومرسلین جو پیغام' مخلوق تک پہنچتا ہے اس کو وحی کہتے ہیں اور یہی حقیقت وحی ہے۔

وحی کی اس حقیقت کو عوام الناس پر واضح کرنے کیلئے جنات کے وجود سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جبکہ جنات کا وجود نص قرآنی سے ثابت ہے۔ آپ نے اکثر مشاہدہ کیا ہوگا کہ بعض انسانوں پر جنات مسلط ہو جاتے ہیں اور ان پر اپنا کلام اور اپنا علم القاء کرتے ہیں اور وہ لوگ جن پر جنات مسلط ہو جاتے ہیں وہ دور دراز کی عجیب وغریب باتیں بتاتے ہیں جو ہمارے ذہن، عقل اور فکر میں بھی نہیں ہوتیں اور ان میں اکثر باتیں درست ثابت ہوتی ہیں۔ بظاہر وہ باتیں بندے کے منہ سے نکلتی ہیں حالانکہ وہ جن کا کلام ہوتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ سمجھ میں آجائے تو وحی کا مسئلہ بھی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ دیکھئے جس بندے پر جن مسلط ہوا اس کے منہ سے جنوں والی کلام نکلتی ہے اور جس بندے پر تجلیات ذات وصفات کا تسلط وغلبہ ہو جائے تو اس کے منہ سے خدا کا کلام نکلتا ہے۔ آیت قرآنی وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔



ضرورتِ وحی

ضرورت وحی کے متعلق چند امور نذر قارئین ہیں۔

اولاً آیت قرآنی بطور استشہاد ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى" (الانعام)

ترجمہ: اور انہوں (یہود) نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا، تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے۔

یہودیوں کا "حِبرُ الْاَحبار" مالک بن صیف، حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ قدس پناہ میں بغرضِ مناظرہ حاضر ہوا اور بالآخر ناکامی کے باعث مبہوت ہوکر بولا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر کوئی (وحی) چیز نازل نہیں فرمائی جس پر خود اس کی قوم بھی اس پر ناراض ہوگئی کہ تو نے ہمارے مذہب کا حلیہ بھی بگاڑ دیا جب کہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے۔

آیت بالا میں لفظ قدر کا اصلی معنی کسی چیز کی مقدار معلوم کرنا ہے لیکن عام طور پر اس لفظ کا اطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سمیت پہچان لینے پر ہوتا ہے اب کثرت استعمال کی وجہ سے یہی مفہوم اس کا حقیقی معنی بن گیا ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

"وَاَصْلُ الْقَدْرِ مَعْرِفَةُ الْمِقْدَارِ بِالسَّبْرِ ثُمَّ اسْتُعْمِلَ فِيْ مَعْرِفَةِ الشَّيْئِ عَلٰى اَتَمِّ الْوُجُوْهِ حَتّٰى صَارَ حَقِيْقَةً فِيْهِ"

مقصود آیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کرام (علیہم السلام) پر وحی نازل

ہونے کا انکار کیا ہے انہوں نے صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں اور نہ ہی اس کی رحمت اور مغفرت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ ان سے پوچھنا چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ دراصل کفار مکہ وحی کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔ اور نہ ہی نبوت کی اہمیت سے واقف تھے۔ ان کے لیے وحی کی اصطلاح ایک ناقابل فہم اور انوکھی چیز تھی۔ جب یہودیوں کے عالم نے بھی یہی بات کہہ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں ارشاد فرمایا کہ اگر موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل ہو سکتی ہے تو حضور ﷺ کی ذات اقدس پر قرآن کے نازل ہونے میں تمہیں کیا شک ہے؟ گویا یہ آیت وحی کی اہمیت وضرورت پر صریحاً دلالت کر رہی ہے۔

ثانیاً اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے حصولِ علم کے ذرائع اور وسائل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ کم وبیش چار ذرائع ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حصولِ علم کے چار ذرائع

۱۔فطرت ۲۔حواس ۳۔عقل ۴۔ وحی

۱۔ علم بذریعۂ فطرت

فطرت کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو علم جبلت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اسی کو الہام فطری یا الہام نوعی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں اسی ذریعہ علم کو ہدایت (فطری) کہا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

"رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی" (طٰہٰ ۵۰)

ترجمہ: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلقت (صورت) عطا کی پھر ہدایت عطا فرمائی (یعنی ضرورت کے مطابق ہدایت کا فطری علم بھی دیا)

چنانچہ ہر جاندار کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطری طور پر حاصل

ہو جاتا ہے۔

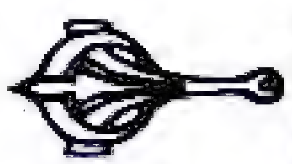
فطری علم کی مثالیں

پرندے کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی دانے چننے لگ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اڑنے لگ جاتا ہے۔ شیر کا بچہ درندگی (چیر پھاڑ) کے سبق سے ابتداًء ہی واقف ہوتا ہے، بطخ کا بچہ پہلے دن سے ہی پانی میں تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ غور فرمائیں یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کو جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی تعلیم کس نے دی؟ انسانی بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا' ہنسنا' دودھ پینا' ماں کے پستان کو چوسنا کس نے سکھا دیا؟

ان تمام باتوں کا جواب صرف یہی ہے کہ معلّم فطرت نے یہ سارے انتظامات ماں کے پیٹ کے اندر ہی شروع کر دیئے تھے اور یہ فطری الہامات بھی انہیں ودیعت کر دیئے تھے۔

۲۔ علم بذریعہ حواس

انسانی ضروریات کے سارے تقاضے فطری علم سے پورے نہیں ہوتے اس لیے انسان کو مزید علم حاصل کرنے کے لیے کسی اور ذریعے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مادی اشیاء کے حسی علوم کے لئے انسان کو حواس خمسہ ظاہرہ عطا فرما دیئے اور وہ باصرہ' سامعہ' ذائقہ' شامہ' لامسہ ہیں۔ جن کے کام بالترتیب دیکھنا' سننا' چکھنا' سونگھنا' چھونا یا ٹٹولنا ہے۔ انسان کے پاس یہی پانچ آلات (جسمانی قوتیں) آنکھ' کان' زبان' ناک' ہاتھ ہیں جن کے ذریعے وہ مادی اور حسی اشیاء کے متعلق علم حاصل کرتا ہے۔ ہم آنکھوں سے دیکھ کر مختلف صورتیں اور ان کے امتیازات حاصل کرتے ہیں۔ کانوں سے سن کر آوازیں پہچانتے ہیں۔ زبان سے چکھ کر کڑوی اور میٹھی اشیاء کا فرق معلوم کرتے ہیں ناک سے سونگھ کر خوشبو اور بدبو کا احساس پاتے ہیں اور



ہاتھ سے چھو کر سختی و نرمی دریافت کرتے ہیں۔

ان حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے جو علم ہم کو حاصل ہوتا ہے وہ بسا اوقات یقینی اور کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے کیونکہ التباس حواس کے وقت دھوکے اور غلطی سے بچنا مشکل ہوتا ہے جیسے کہ صفراوی امراض میں انسان کی قوت ذائقہ بدل جاتی ہے' میٹھی چیزیں کڑوی معلوم ہونے لگتی ہیں یا تیز حرکت کے دوران قوت باصرہ دھوکہ دے جاتی ہے جیسے چلتی ریل گاڑی میں ہمیں ٹھہری ہوئی چیزیں دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہمیں آگ کی لکیر دکھائی دیتا ہے اور تیز گول حرکت میں آگ کا دائرہ نظر آتا ہے۔

قوت سامعہ کبھی معطل اور کبھی مضمحل ہو جاتی ہے جیسے بہرا یا نیم بہرا کبھی مرد اور عورت کی آواز میں امتیاز نہیں کر سکتا اور کبھی آواز کی ہم آہنگی اور کبھی کسی عارضے کی بناء پر آواز کی تبدیلی' متکلم کی شخصیت کے تعین کے بارے میں شک اور التباس پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ روزمرہ کے حالات گواہ ہیں۔

قوتِ شامہ کی حس کبھی درست اور کبھی خراب ہو جاتی ہے جیسے نزلے کا مریض خوشبو اور بدبو کے احساس سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ چھوتے وقت قوت لامسہ کا فیصلہ کبھی صحیح اور کبھی غلط ہو جاتا ہے جیسے چند اندھوں کے پاس ایک ہاتھی کھڑا کر کے ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ ہاتھی کیسا ہوتا ہے؟ تو جس کا ہاتھ اس کی دم پر پڑا اس نے کہا ہاتھی مور چھل کی طرح ہوتا ہے جس نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اس نے بتایا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے تخت یا دیوار جس نے ہاتھ سے اس کے پاؤں کو چھوا وہ کہنے لگا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے کھمبا' جس نے کان ٹٹولے اس نے کہا ہاتھی تو چھج کی طرح ہوتا ہے۔

غرضیکہ قوت لامسہ بھی ہمیشہ یقینی علم کا فائدہ نہیں دے سکتی اور اس میں اکثر غلطی کا امکان رہتا ہے۔

۳۔علم بذریعہ عقل

حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے علوم کی ایک حد ہے یہاں پہنچ کر حواس تھک جاتے ہیں اور حقیقت کائنات کا راز معلوم نہیں کر سکتے۔اس سے آگے عقل کی پرواز شروع ہوجاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کے حواس خمسہ باطنہ عطا فرمائے جن کو قوائے عقلی یا دماغی بھی کہا جاتا ہے۔اور وہ یہ ہیں

۱۔حسِّ مشترک ۲۔ متخیّلہ ۳۔ متوھّمہ ۴۔ حافظہ ۵۔متصرّفہ

حواس خمسہ باطنہ یا قوائے عقلیہ

حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے جو معلومات اور محسوسات حاصل ہوتے ہیں وہ سیدھے جاکر حسِ مشترک میں جمع ہوجاتے ہیں۔وہاں سے متخیلہ میں جاکر محفوظ ہوتے رہتے ہیں ۔قوت متوہمہ انہی گزشتہ محفوظ معلومات ومحسوسات اور مدرکات کا جائزہ لے کر احکام جاری کرتی رہتی ہے۔قوت حافظہ میں قوت متوہمہ کے مخزونات جمع ہوتے رہتے ہیں اور قوت متصرفہ یا مفکرہ، دماغ کی اس قوت کا نام ہے جو خیالات کی ترکیب وتحلیل کرتی رہتی ہے اور عجیب وغریب نت نئی صورتیں ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے اور مختلف قسم کے جلوے دکھاتی اور ہنگامے برپا کرتی رہتی ہے۔

عقل کی ناکامی

کارخانہء کائنات کے اسرار ورموز معلوم کرنے میں گو عقل نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے لیکن پھر بھی عقل حقائق کائنات کے چہرے سے پردے نہیں اٹھا سکتی اور محدود پرواز کے بعد مرغِ عقل تھک جاتا ہے رک جاتا ہے اور عقل اپنی ناکامی ونا تمامی کا اعتراف کرلیتی ہے اور بزبان اقبال رحمۃ اللہ علیہ

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے — بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے — خرد بیزار دل سے دل خرد سے

٤۔ علم بذریعہ وحی

خداوند قدوس نے عقل کے علاوہ ایک اور ذریعہ علم ایجاد فرمایا ہے جو ظنی نہیں قطعی ہے جس میں التباس حواس اور تخمین نہیں وجدان اور یقین ہے۔جس میں تشکیک نہیں تحقیق ہے۔جس میں اضطراب نہیں اطمینان ہے اور وہ ذریعہ ''وحی'' ہے اسی ذریعہ علم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

o...... تِلْکَ مِنْ اَنبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ (هود)

o...... وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم)

o...... اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْآنَ (یوسف)

یہ ذریعہ علم ہر شخص کو میسر نہیں آ سکتا اور نہ ہی ہر کس و ناکس اس علم کے حصول کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

اس مخصوص ذریعہ علم کے لیے انبیاء کرام اور مرسلین عظام کو (علیہم الصلوات والتسلیمات) مختص کیا جاتا ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (الجمعہ)

البتہ انبیاء و مرسلین کی تبعیت و وراثت کے طور پر اولیاء کاملین پر بھی اس علم کا فیضان وارد ہوتا ہے لیکن اولیاء کرام کے لیے اس علم کا نام وحی کی بجائے الہام' القاء' کشف' فراست وغیرہ رکھا جاتا ہے علم کلیتہً غیر مادی اور روحانی ہوتا ہے' معقولات اور محسوسات سے پاک ہوتا ہے۔اس علم کی ابتداء انشراح صدر سے ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے ایک نور مسلسل اس علم کے حامل افراد کی راہنمائی کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

''افمنْ شرحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِ سْلامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّه'' (الزمر)

تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

حدیث پاک میں اسی علم کے متعلق فرمایا گیا۔

''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُوْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ'' (ترمذی)

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس علم کے سوتے انسان کے اندر سے پھوٹتے ہیں اور وہ باطنی حواس ہیں جو جسم انسانی میں ودیعت کیے گئے ہیں جن کا تعلق عالم امر سے ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں ان کو لطائف خمسہ کہا جاتا ہے وہ بھی پانچ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ جن نفوس قدسیہ کے لطائف خمسہ، ذکر الٰہی اور آتش عشق ومحبت کی تاثیر اور گرمی سے روشن وجاری ہوجاتے ہیں ان پر علوم غیبیہ منکشف ہونے لگتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المنقذ من الضلال میں وضاحت فرماتے ہیں کہ:

''وَرَاءُ الْعَقْلِ طَوْرٌ اٰخَرٌ تَفْتَحُ فِیْهِ عَیْنٌ اُخْرٰی یَبْصِرُ بِهَا الْغَیْبَ''

ترجمہ: عقل کے علاوہ ایک اور رستہ وذریعہ ہے جس میں دوسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے غیب کا ادراک ہونے لگتا ہے۔ اسی باطنی استعداد کو امام غزالی نے ذوق اور مشاہدہ کے نام سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ صلاحیت صرف طریق صوفیاء سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

؎ ذوق ایں مئے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

وحی...... حصولِ علم کا یقینی ذریعہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (محمد)

کائنات کی حقیقت کا علم ایک ایسا مخفی راز اور معمہ ہے جس کو علم وحی کا سہارا لیے بغیر حل نہیں کیا جا سکتا۔

- یہ وسیع و عریض کائنات کیا ہے اور کیوں ہے؟
- اس کی ابتداء کب سے ہوئی اور انتہاء کہاں جا کر ہوگی؟
- اس تمام کائنات ہست و بود کا اصل مقصد کیا ہے؟
- انسان کن حقیقتوں کا مجموعہ ہے اور اس کی اصل کیا ہے؟

کچھ عرصہ قبل لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام ''قاموس جہالت'' رکھا گیا اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں مختلف شعبوں کے اہل علم نے حصہ لیا۔ یہ کتاب دراصل اس واقعہ کا علمی اعتراف ہے کہ کائنات کے متعلق ہمارا علم نامکمل ہے۔ پروفیسر جان مینارڈ اسمتھ نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ ہمارا نظریہ ارتقاء ناقابل حل اندرونی مسائل سے دوچار ہے کیونکہ ہمارے پاس نظریات ہیں مگر وہ ذرائع نہیں کہ ہم اپنے نظریات کی حقیقی واقعات سے تصدیق کر سکیں۔ اس اعتراف سے ثابت ہوا کہ سائنس دانوں کا نظریہ ارتقاء لازمی منطقی خلاء سے دوچار ہو کر بے توجیہہ ہو جاتا ہے جب کہ قرآن (وحی) کے نظریہ ارتقاء میں کوئی منطقی خلاء نہیں۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق انسان اور حیوان دونوں ایک مشترکہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیوانات کی ایک نسل ترقی کرتے کرتے بندر تک جا پہنچی پھر

بندر کی یہ نسل مزید ترقی کرتے کرتے انسان بن گئی لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ ہے تو حیوان اور انسان کی درمیانی کڑیاں کہاں ہیں؟ علمائے ارتقاء کا خیال ہے کہ ایسی کڑیاں موجود ضرور ہیں لیکن ابھی تک ان کا سراغ نہیں مل سکا۔

(دراصل ان مفروضہ کڑیوں کو غلط طور پر گم شدہ کڑیوں کا نام دے دیا گیا ہے)

1912ء میں لندن کے اخبارات نے یہ خبر دی تھی کہ بندر اور انسان کے درمیان ایک گم شدہ کڑی دریافت ہوگئی ہے جس کو ارتقاء کی تاریخ میں "PILT Down Man" پلٹ ڈاؤن انسان کہا جاتا ہے کیونکہ لندن کے برٹش میوزیم کو قدیم زمانہ کا ایک جبڑا ملا تھا جس کا ڈھانچہ بندر جیسا تھا مگر اس کا دانت انسان کے مشابہ تھا۔ اس ہڈی کے ٹکڑے کی بنیاد پر ایک پوری تصویر بنائی گئی جو دیکھنے والوں کو بندر نما انسان یا انسان نما بندر دکھائی دیتی تھی چونکہ وہ پلٹ نامی مقام سے حاصل ہوا تھا اس لیے اس کو پلٹ ڈاؤن انسان کا نام دیا گیا۔

ابتداء میں بڑے بڑے علماء مفکرین نے اس کو جدید علمی فتوحات میں شمار کیا۔ تقریباً نصف صدی تک جدید علماء اس دریافت سے مسحور ومتأثر رہے لیکن 1953ء میں بعض علماء کو شبہ ہوا تو انہوں نے برٹش میوزیم کے آہنی فائر پروف بکس سے مذکورہ جبڑا نکالا۔ اس کو سائنسی طریقے سے جانچنے پر آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ایک مکمل فریب تھا جس کو حقیقت سمجھ لیا گیا۔ اس داستان سے ڈارون کا نظریہ ارتقاء دجل وفریب ثابت ہوا لیکن دوسری طرف اس کے مقابلے میں قرآن مجید سے اسی نوعیت کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔

فرعون کا مجسمہ

تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا جو بادشاہ غرق ہوا وہ رعمسیس دوم کا فرزند تھا اس کا خاندانی لقب فرعون اور ذاتی نام مرنفتاح (Merneptah) تھا نزول قرآن کے وقت اس فرعون کا ذکر صرف بائبل کے مخطوطات میں تھا اس میں بھی صرف یہ لکھا تھا کہ "خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ وبالا

کر دیا اور فرعون کے سارے لشکر کو سمندر میں غرق کر دیا'' (خروج ۱۴:۲۸)

اس وقت تک فرعون کا مجسمہ محفوظ ہونے کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا لیکن قرآن نے حیرت انگیز طور پر یہ اعلان کر دیا کہ فرعون کا جسم محفوظ ہے اور وہ دنیا والوں کے لیے درس عبرت بنے گا۔

فَالْیَوْ مَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً (یونس۹۲)

ترجمہ: آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی بنے۔

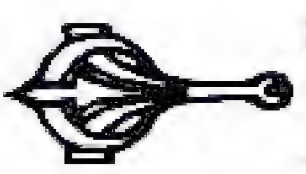
اس آیت کے نزول پر اسی حالت میں تقریباً چودہ صدیاں گزر گئیں تو پروفیسر لاریٹ وہ پہلا شخص ہے جس نے 1898ء میں مصر کے ایک قدیم مقبرہ میں داخل ہو کر دریافت کیا کہ یہاں فرعون کی لاش ممی کی ہوئی موجود ہے۔

۸ جولائی 1907ء کو ایسٹ اسمتھ نے اس لاش کے اوپر لپٹی ہوئی چادر کو ہٹایا' اس کی باقاعدہ ریسرچ کی اور پھر 1912ء میں ایک کتاب بنام شاہی ممیاں (The Royal Mummies) شائع کی اور ثابت کیا کہ یہ لاش اسی فرعون کی ہے جو تین ہزار سال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں غرق ہوا تھا۔

قارئین غور فرمائیں! ...... قرآن نے ساتویں صدی عیسوی میں کہا کہ فرعون کا جسم لوگوں کی نشانی کے لیے محفوظ ہے اور وہ انیسویں صدی کے آخر میں پوری صحت کے ساتھ برآمد ہو گیا۔

ڈاکٹر موریس بکائی نے 1970ء میں اپنی کتاب ''بائبل اور قرآن اور سائنس'' میں لاش کے معائنہ کے بعد تسلیم کیا کہ جو لوگ مقدس آسمانی کتابوں کی سچائی کے لیے جدید ثبوت چاہتے ہیں وہ قاہرہ کے مصری میوزیم میں شاہی ممیوں کے کمرہ کو دیکھیں وہاں وہ قرآن کی ان آیات کی شاندار تصدیق پالیں گے جو کہ فرعون کے جسم سے بحث کرتی ہیں۔

دوسری طرف موجودہ زمانے کے علماء سائنس نے پلٹ ڈاؤن کے مقام پر



ایک قدیم انسان کا ڈھانچہ دریافت کیا جو علماء سائنس کی اگلی معلومات کے تحت بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ کیا اس عملی شہادت کے بعد وحی کے علم یقینی ہونے اور قرآن کے خدائی کتاب ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

حقیقت کائنات کا علم بغیر وحی کے ناممکن ہے

دنیا میں بیشمار ایسے لوگ گزرے ہیں جو ساری زندگی راز کائنات پانے کی جستجو کرتے رہے مگر ناکام ہو کر خودکشی کر بیٹھے اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جن کو راز تو نہ ملا البتہ اپنی اٹکل سے من گھڑت فلسفے تیار کیے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ راز کائنات کے حقیقی علم سے محروم رہے۔

انسانی علوم ہم کو بہت کچھ دیتے ہیں مگر زیادہ سے زیادہ جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ''کائنات کیا ہے'' اور وہ بھی کائنات کا ایک دھندلا سا تصور مگر علمائے سائنس آج تک یہ نہ بتا سکے کہ جو کچھ ہے وہ کیوں ہے؟۔ چند گیسیں، چند دھاتیں، اور چند نمکیات وعناصر کی ترکیب سے ایک جسم انسانی یا حیوانی وجود میں آتا ہے، مٹی میں بیج ڈالنے سے ہرے بھرے پھل دار درخت اور پودے نکلتے ہیں، دو گیسوں کے ملنے سے پانی تیار ہوتا ہے، پانی سے بخارات اٹھتے ہیں، بادل بنتے ہیں، اور بھاپ بنتی ہے جو دیو پیکر انجنوں کو حرکت دیتی ہے۔ ایٹم کے حقیر برقی ذرات کے انتشار سے بے پناہ قوت بنتی ہے جو چٹانوں کو پاش پاش کر دیتی ہے مگر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے فلسفہ اور سائنس کے علوم ان کے بارے میں ہماری کوئی راہنمائی نہیں کرتے۔

کائنات کی وسعت کے بارے میں آئن سٹائن یوں رقم طراز ہے کہ یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کی مانند ایک انتہائی تیز اڑنے والا جہاز جس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہو وہ کائنات کے گرد گھومے تو اس کائنات کے گرد چکر لگانے میں تقریباً ایک ارب سال لگیں گے۔

لیکن آئن سٹائن کا یہ صرف خیالی پلاؤ ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں وسعت کائنات اس کے قیاسی نظریئے سے کہیں بالا ہے ؎

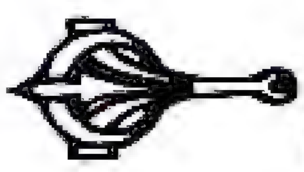
انجام خرد ہے ناصبوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
ہیگل کا صدف گہر سے خالی ہے اس کا طلسم سب خیالی

علماء فلسفہ وسائنس انہی غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں کو اپنا علمی کمال سمجھتے ہیں لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ حقائق کائنات کا اصل راز صرف علم وحی کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے اور ان تمام سوالوں کا شافی جواب صرف قرآن ہی دے سکتا ہے۔ قرآن مابعد الطبیعاتی حقیقتوں کی قطعی خبریں دیتا ہے اور صرف خبروں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کا ایسا حیرت انگیز نقشہ کھینچتا ہے کہ غیوب، شہود معلوم ہونے لگتا ہے اور اذعان، ایقان کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور قال، حال کا روپ دھار لیتا ہے اور علوم عقلیہ، شعور قلبیہ بن جاتے ہیں اور ہر حقیقت کی اتنی کامیاب منظر کشی کرتا ہے کہ قلب ونظر اور ہوش وخرد میں انقلاب آ جاتا ہے اور مستقبل، حال کی یقینی صورت میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک

فلسفہ وسائنس کی بے بسی

حقیقت کائنات کا معمہ حل کرنے میں فلسفہ اور سائنس عاجز و بے بس ہیں کیونکہ فلسفہ اور سائنس کا سارا زور مادیات، محسوسات اور مشاہدات پر جا کر ختم ہو جاتا ہے ملسلے نے کہا تھا کہ سائنس ابھی تک اشیائے کائنات کا راز معلوم کرنے کے لیے نقطہ آغاز پر متحیر اور دم بخود کھڑی ہے اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکی تو پھر کائنات کے نقطہ آخر تک اس کی رسائی کیسے ممکن ہے؟۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جہاں سائنس اور فلسفہ کی تحقیقات ختم ہو جاتی ہیں



وہاں سے وحی کا پہلا درس شروع ہوتا ہے۔

غرضیکہ فلسفہ اور سائنس محسوسات اور مشاہدات سے آگے قدم رکھتے ہی لرزہ براندام ہو جاتے ہیں وہ نہیں بتا سکتے کہ ان سے آگے کیا ہے؟ لیکن وحی یہیں سے انسان کا ہاتھ پکڑ کر آگے لے جاتی ہے اور غیب کے سارے اسرار و رموز کو بے نقاب کرتی چلی جاتی ہے۔ سائنس یہ بتانے سے قاصر ہے کہ انسان کی ابتداء کیسے ہوئی؟ مگر وحی نے صاف صاف بتا دیا کہ انسان کی ابتداء کیا ہے؟ انتہاء کیا ہے؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟ اس پر قبر میں کیا گزرتی ہے؟ سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ کائنات کس لیے ہے لیکن آج تک یہ نہ بتا سکی کہ خود انسان کس لیے ہے؟

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سائنس کے ذریعے آفتاب کو ناپا جا سکتا ہے، ہوا کو تولا جا سکتا ہے، آسمان کے ستاروں کو گنا جا سکتا ہے، سورج اور چاند پر کمندیں پھینکی جا سکتی ہیں۔ ''جزء لا یتجزّی'' سے ایٹم بنایا جا سکتا ہے، بعد مسافت کے مسئلہ کو درجہ صفر تک پہنچایا جا سکتا ہے، مون سون کی ہواؤں پر قبضہ کر کے پانی برسایا جا سکتا ہے۔

بلکہ ممکن ہے کہ مستقبل میں ''اِحیاء موتیٰ'' یعنی مردوں کو زندہ کرنے کی تدبیر بھی معلوم ہو جائے (جیسا کہ دجال کی بعض ایسی خصوصیات احادیث مبارکہ سے ثابت بھی ہیں)۔

سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم نے تخم حیات (پروٹو پلازم) کا پتہ چلا لیا ہے، کیمیا گر کہتے ہیں کہ تخم حیات کاربن، آکسیجن اور نائٹروجن کی باہمی ترکیب سے تیار ہوتا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ سائنس یہ سب کچھ کر سکتی ہے اور ہم منتظر ہیں کہ وہ ایسا کرے کیونکہ بہت سارے قرآنی دعووں کی تصدیق و توثیق انہیں انکشافات پر موقوف ہے لیکن بایں ہمہ ہمارے مذہبی سوالات کے حل میں سائنس پہلے کی طرح

اب بھی عاجز ہے اور ہمیشہ عاجز رہے گی۔

مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ سائنس نے کیمیائی عناصر کی ترکیب سے زندگی پیدا کرلی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ان عناصر کی ترکیب سے زندگی کیوں اور کیسے پیدا ہوگئی؟

زندگی کا راز کسی دور میں یوں حل کیا گیا تھا کہ نر اور مادہ کے اختلاط سے زندگی پیدا ہوجاتی ہے لیکن اس پر بھی یہ سوال اسی طرح آج تک قائم ہے کہ اس اختلاط سے یہ نتیجہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ تخم (بیج) کو مٹی میں ملانے اور پانی دینے سے پودا پیدا ہوجاتا ہے لیکن جب ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ پودا کیسے اور کیونکر پیدا ہوتا ہے تو اس کے پاس قطعاً کوئی جواب نہیں ہوتا اسی طرح مادہ پرست فلسفی جو وحی اور مذہب کے تصور کے منکر ہیں اور مادے کو علت کائنات قرار دیتے ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ جس مادہ پر تم نے کائنات کی عمارت کھڑی کی ہے خود وہ مادہ کیا چیز ہے؟ کیا رنگ مادہ ہے یا روشنی؟ مقدار مادہ ہے یا شکل؟ اور پھر ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہیں مادے کے وجود کا علم کیسے ہوا؟ کیا تمہیں تمہارے احساسات نے دھوکہ نہیں دیا کہ تم اس فرضی وہم میں مبتلا ہوگئے؟ تو وہ مادے کے وجود پر بھی کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ ملحد فلسفیوں کے خود تراشیدہ وہم اور وسوسہ کے علاوہ مادہ کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک خواب، وہم یا سراب ہے ؎

پر وہی گر پڑا کبوتر کا
جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

الغرض کائنات کے آغاز اور انجام تک پہنچنا اور اسکی کنہ دریافت کرنا فلسفہ اور سائنس کی رہنمائی میں قطعاً ناممکن ہے یہ معمہ صرف وحی خدا کے ذریعے ہی حل ہوسکتا ہے (اس کا ثبوت انشاء اللہ آگے چل کر پیش کیا جائے گا)۔

سر دست وحی کے یقینی ذریعہ علم ہونے پر چند عقلی دلائل وشواہد پیش کیے جارہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اثبات وحی کے عقلی دلائل

منکرین وحی اپنے مرغوبہ خیالات کے لیے ادلہ شرعیہ کی بجائے اپنی عقل ناتمام پر انحصار کرتے ہیں اور وہ عقلیات' مادیات اور حسیات کو اولیت دیتے ہیں اور امور الٰہیہ شرعیہ اور امور نبوت کو معاذ اللہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم مادہ پرستوں کے عقلی دلائل کی تردید کرتے ہوئے اپنی طرف سے ایسے بدیہی عقلی دلائل پیش کرتے ہیں جن سے وحی کا اثبات ہو چنانچہ دلائل ملاحظہ ہوں۔

پہلی دلیل

عمل تنویم :۔ (نیم مدہوشی یا مصنوعی نیند) ہپناٹزم

جرمنی کے ایک ڈاکٹر مسمر المانی نے اٹھارہویں صدی میں اس تجربے کا انکشاف کیا۔ اس نے اور اس کے پیروکاروں نے طویل عرصہ تک اس سلسلے میں کوششیں جاری رکھیں اور دلائل کے ذریعے علماء کو اس کے اعتراف پر مجبور کیا اور وہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے عمل تنویم یا ہپناٹزم کے ذریعے جن چیزوں کا کھوج لگایا ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

الف۔ انسان میں ایک باطنی عقل ہے جو اس کی ظاہری عقل سے زیادہ قوی ہے۔

ب۔ یہ کہ انسان نیند یا نیم مدہوشی کی حالت میں دور دراز کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور آوازوں کو سن سکتا ہے اور عبارات کو پردے کے پیچھے سے پڑھ سکتا ہے اور ہونے والے واقعات کے بارے میں وقت سے پہلے آگاہ کر سکتا ہے۔

ج۔ نیم مدہوشی کے مختلف درجات و مراحل ہیں جن میں باطنی شعور گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

د۔ نیم مدہوشی میں ایک ایسا درجہ بھی ہے کہ جسم سے روح خارج ہو کر غیر مرئی شکل اختیار کر لیتی ہے لیکن جسم و روح کا رابطہ بدستور قائم رہتا ہے۔ اگر جسم اور روح کے درمیان خفیہ رابطہ نہ ہو تو جسم پر موت طاری ہو جائے۔

ر۔ ہپناٹزم والوں نے ثابت کیا ہے کہ اس اصل روح سے ماوراء بھی ایک روح ہے

ز۔ روح جسم کے علاوہ ایک مستقل وجود ہے۔

ل۔ جسم کے تغیر پذیر ہونے سے روح پر تغیر اور فنا طاری نہیں ہو سکتی۔

ہ۔ روح جسم سے جدا ہو کر ان ارواح میں شامل ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے دوسرے جسموں سے جدا ہو چکی ہوتی ہیں جس پر مختلف تجربات شاہد ہیں۔

دوسری دلیل

دور حاضر کی محیر العقول ایجادات مثلاً ٹیلی فون وائرلیس، مائیکرو فون، ریڈیو وغیرہ جن کے ذریعے انسان پیغام رسانی اور مکمل راہنمائی کا کام کر سکتا ہے، دور دراز کی آوازوں کو سن سکتا ہے اور جس طرح چاہے دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان حیرت انگیز اختراعات اور عصری ایجادات کے بعد ہر عاقل، آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو چاہے وحی کے ذریعے القاء کر سکتا ہے اور یہ بات ہرگز بعید از عقل نہیں ہے۔

تیسری دلیل

دور حاضر کی سائنسی ایجادات نے بے جان اور جامد اجسام کے ذریعے سے مختلف آوازوں، نغموں، اقوال و حکایات کو کمال مہارت سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے جن سے انکار کا ہمیں چارا نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں میں سے بعض نفوس قدسیہ بشریہ کو براہ راست یا فرشتے (وحی) کی وساطت سے مقدس کلمات القاء کر کے مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ بنا دے؟۔

چوتھی دلیل

ہم دور حاضر میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بعض حیوانات کو سدھا کر یا ان حیوانات کے شعور پر انسانی شعور کو مسلط کر کے ان سے کئی عجیب وغریب اور منظّم افعال واعمال صادر کرائے جا رہے ہیں۔ اکثر جانوروں میں ارادی یا غیر ارادی طور پر ایسی شعوری قوت معلوم ہوتی ہے جیسے وہ القائی والہامی علم وشعور رکھتے ہیں اور ان کے افعال واعمال میں ایک خاص نظم وضبط اور فکر واحساس پایا جاتا ہے جیسے شہد کی مکھی وغیرہ۔

میلن ادوار جو فرانس میں سوربون کی یونیورسٹی میں مسندِ تدریس پر فائز ہے اس نے ایک عجیب وغریب جانور اکسیکلیوب کے بارے میں تحقیق پیش کی ہے کہ یہ جانور الگ تھلگ زندگی بسر کرتا ہے اور انڈا دینے کے بعد مر جاتا ہے۔ اس انڈے سے چھوٹے چھوٹے کیڑے نکلتے ہیں جن کی ٹانگیں وغیرہ نہیں ہوتیں اور اپنی حفاظت کرنے سے بھی عاجز ہوتے ہیں اور غذا بھی حاصل نہیں کر سکتے اور اس کے ساتھ ان کی زندگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایک عرصہ تک کسی محفوظ ومقفل جگہ پر زندگی گزاریں ورنہ ان کے بہت جلد ہلاک ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

اکسیکلیوب کی مادہ لکڑی کا ٹکڑا لیتی ہے اور کھود کر اس میں سوراخ نکال لیتی ہے اس میں خوراک جمع کرتی رہتی ہے جو طویل مدت کے لیے اس کے لیے کافی ہوتی ہے اور یہ خوراک پھولوں، پتوں اور گھاس پھوس پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ کونسی قوت ہے جو اس کمزور جانور کو یہ تکنیک سکھاتی اور اس کے دل میں اس مشقت کا القاء کرتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو قوت ایک حقیر جانور کو اس قسم کے شعور سے بہرہ یاب کرتی ہے وہی قوت اگر اپنے معزز اور مکرم بندوں انبیاء واولیاء پر اس سے اعلیٰ ترین غیبی علوم منکشف فرمادے اور وحی یا الہام کے طریقے سے مخلوق کی ہدایت کا بندوبست فرمادے تو کیا استحالہ ہے؟۔

پانچویں دلیل

عبقریت :-افلاطون نے عبقریت کی تعریف میں کہا کہ یہ ایک ایسی ماوراء الفطرت حالت کا نام ہے جو انسان کے لیے علوی انکشافات وارتقائی الہامات کا باعث بنتی ہے

دیگر فلاسفہ کے نزدیک عبقریت ایک ایسی بلند ترین کیفیت کا نام ہے جس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

ماہرین طبعیات کا کہنا ہے کہ عبقریت ‘علوم طبیعیہ کا ایک ایسا تحفہ ہے جو تخمین وظن سے حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی غور وفکر سے اسکا وجود منظر عام پر آ سکتا ہے۔

عبقریت کی ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو وحی کے موضوع پر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کی مانند اکناف عالم میں ظہور پذیر ہیں اور حیرت واستعجاب کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ مثلاً

ا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے پروفیسر میرس نے اپنی ضخیم کتاب ''اَلشَّخصِیَّۃُ الاِنسَانِیَّۃُ'' میں تحریر کیا ہے کہ مسٹر بیدلر کو ایک خاص قسم کی کیفیت حاصل تھی جو معجزہ کے مشابہ معلوم ہوتی تھی چنانچہ وہ بدیہی طور پر ایسے عوامل کی تعیین کرتا تھا جن میں اگر بعض ہندسوں کو بعض ہندسوں سے ضرب دی جائے تو نتیجہ سات یا آٹھ اعداد کی صورت میں برآمد ہوتا تھا۔

مثلاً جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ اعداد کون سے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کو دوسرے سے ضرب دی جائے تو نتیجہ 17861 کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تو اس نے فوری طور پر جواب دیا کہ وہ اعداد 337,53 ہیں اسی طرح وہ اکثر سوالوں کا فی البدیہہ اور فوراً جواب دیتا تھا وہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ جواب کس طرح اور کہاں سے آتا ہے؟

گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ اس کی افتادِ طبع یا عادتِ ثانیہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

قارئین کرام!

ا...... سائنس کے اصول عبقریت کی روشنی میں غور فرمائیں کہ اگر اللہ اپنے مخصوص بندوں (انبیاء و مرسلین) کو ایسے خفیہ عوامل کی تعیین و اظہار پر بطریق وحی والہام مامور فرمادے اس کے لیے یہ امر کیا مشکل ہے؟

اور کیا یہ استشہادات، علم وحی کے یقینی ہونے کا عقلی ثبوت مہیا نہیں کرتے؟

۲...... فرانسیسی شاعر کبیر سوللی برودوم سے منقول ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے بلاغور و تامل آناً فاناً عجیب و غریب حقائق وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور علم جیومیٹری کے حتمی فارمولے حقیقت بن کر متشکل ہوتے رہتے ہیں حالانکہ میں نے ان حقائق پر کبھی ذراسی بھی توجہ مبذول نہیں کی ہوتی۔

۳...... ایک اور فرانسیسی شاعر المسیو (رینہ) کہتا ہے کہ میں نیند کی آغوش میں محو استراحت ہونے کے قریب ہوتا ہوں اور کسی شعر کی تکمیل کے لیے ادھیڑ بن کر رہا ہوتا ہوں اچانک نیند غالب آجاتی ہے تو پھر بیداری کے بعد یکایک اس شعر کو مکمل صورت میں موجود و تیار پاتا ہوں مجھے پتہ نہیں چلتا کہ یہ شعر کیسے مکمل اور موزوں ہوجاتا ہے۔

۴...... ایک اور فرانسیسی شاعر موسیہ نامی کا کہنا ہے کہ میں کوئی کدوکاوش نہیں کرتا لیکن کسی غیر مرئی طاقت کی بازگشت سنتا ہوں تو فوراً اسے شعر کی صورت میں بیان کردیتا ہوں تو گویا کوئی انجانا انسان مرے ساتھ سرگوشیاں کررہا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا مثالیں جو قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کی ہیں بعض افراد میں روحانی اور باطنی استعداد کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور انسان کے لیے علم وہدایت کی غیر معتاد راہوں کی طرف نشاندہی کرتی ہیں اور انسان کو وحی کا مفہوم سمجھانے میں ممد ومعاون ثابت ہوسکتی ہیں۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ!

تجربات کی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے یہ عوامل اوہام باطلہ کو نیست ونابود کرنے اور وحی کو حصول علم کا یقینی ذریعہ ثابت کرنے کے لیے کتنی اہمیت کے حامل ہیں۔

چھٹی دلیل

بُرھان حسی :۔ موجودہ علم سائنس کی رو سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ بعض لوگوں کو مظاہر روحانیہ کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ مظاہر ان خوارق سے زیادہ معتبر ہیں جنھیں علم سائنس کے ماہرین منظر عام پر لاتے رہتے ہیں۔ ان ماہرین سائنس نے مادی تعلیلات کو حسیات کے قریب تر کر کے یہ ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ روحانی تسخیرات مسلمہ حقیقت ہیں اور ان میں محض انسانی مہارت یا حذاقت کا کوئی عمل دخل نہیں۔

دور حاضر کے سائنسدانوں نے بعض انسانوں پر ذہول کی کیفیات طاری کر کے روحانی انکشافات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس علمی کشف کی رو سے یہ حقیقت ہرگز بعید از عقل وفہم نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ بعض نفوسِ قدسیہ کو بطریق وحی علمی انکشافات سے بہرہ ور فرمادے۔

بحمدہ تعالیٰ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اہلِ بصیرت کی چشم بینا کے لیے وحی کا وجود صبح کے اجالے کی مانند پایہ ثبوت تک پہنچا۔ وباللہ التوفیق

کیفیّاتِ وحی

صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں بلکہ انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک، عقل اور مشاہدے سے ہوجائے بلکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس وقت آتی ہے جب عقل کام نہیں دیتی۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

انسان کی مکمل اور جامع رہنمائی کے لیے قدرت نے جو مؤثر اور مربوط نظام بنایا ہے۔ اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی الٰہی ہے۔ وحی محض ایک دینی اور اعتقادی نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک فطری، فکری اور عقلی ضرورت بھی ہے اور اصحابِ فہم وبصیرت کے لیے اس حقیقت کا انکار قطعاً ناممکن ہے۔

حکمت کیفیات

وحی کی مختلف کیفیات کے ظہور سے کما حقہ، پردہ اٹھانا تو اس رب علیم وحکیم کی شان ہے تاہم اس کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ یہ امر حکمت الٰہیہ سے خالی نہیں۔

۱...... ہوسکتا ہے کہ ان کیفیات سے مقصود اپنے محبوب کے دل کو برقرار وثابت رکھنا ہو جیسا کہ فرمایا۔

"لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ"

۲...... احوال وکیفیات میں تبدیلی کے ذریعے قلب وذہن میں تفریح وتبدیلی منظور ہو "فَاِنَّ الْوَحْیَ اِذَا كَانَ یَتَجَدَّدُ فِیْ كُلِّ حَادِثَةٍ كَانَّهٗ اَقْوٰی بِالْقَلْبِ

وَاَشَدُّ عِنَايَةً بِالْمُرْسَلِ اِلَيْهِ ''(الاتقان)

ترجمہ: کیونکہ ہر واقعہ میں جب تازہ کیفیت کے ساتھ وحی کا تازہ نزول ہوتا رہے گا تو قلب مبارک کے لیے زیادہ تقویت اور ذاتِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کا اہتمام ظاہر ہوگا جس کے نتیجے میں جدا جدا کیفیات کا ظہور موجبِ کیف وسرور ہوگا۔

۳...... اس امر کا ثبوت مہیا ہو جائے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ضرور ہے جو بار بار نئے انداز میں نئے پیغام بھیج رہا ہے ''تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ''(السجدہ) اور ذات کی تجلیات جلالیہ و جمالیہ کے پرتو سے اس کی ہر آن نئی شان ظاہر ہوتی ہے ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ''(الرحمٰن) اور صفاتِ بشریہ صفاتِ ملکیہ سے اور صفاتِ ملکیہ صفاتِ حقیہ سے متصف و متخلق ہوتی رہیں۔

علماء مفسرین نے نزول وحی کی متعدد قسمیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند کیفیات نذر قارئین ہیں۔

1...... مکالمت

مِنْهُ مَايَكُوْنُ مُكَالَمَةً بَيْنَ الْعَبْدِ وَرَبِّهٖ

یعنی کبھی تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے باہمی مکالمے کی صورت میں وحی نازل ہوتی تھی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر شرف ہم کلامی حاصل کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ''(النسآء) شب معراج سرور عالم ﷺ بحالت بیداری صرف ایک بار ذات باری کے ساتھ بلا واسطہ ہمکلام ہوئے اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں۔ ایک مرتبہ خواب میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ (الاتقان)

2...... الہام 'القاء یا نفث فی الروع

''مِنْهُ مَايَكُوْنُ اِلْهَامًا''

یعنی کبھی الہام کی صورت میں وحی نازل ہوا کرتی تھی بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے دل پر ایک یقینی اور ضروری علم القاء کرتا تھا جس میں کوئی شک والتباس نہیں ہوسکتا تھا۔اس کیفیت میں جبریل امین علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی کلام القاء کر دیتے۔اس کو مفسرین کی اصطلاح میں " نفث فی الروع " کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا '' ان روح القدس نفث فی روعی ''یعنی روح القدس (جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں پھونک ماردی۔ (الاتقان)

3...... مناماتِ صادقہ یا رویائے صالحہ

''مِنۡهُ مَايَكُوۡنُ مَنَا ماً صَادِقاً''

یعنی نیند کی حالت میں ایسی سچی خواب نظر آتی جو بلا تاخیر صبح کی سفیدی کی طرح پوری اور ظاہر ہو جاتی یا بعض اوقات نیند کے عالم میں فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔اکثر علماء نے سورۃ الکوثر کو اسی قسم کی وحی میں شمار کیا ہے۔(الاتقان) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی میں بیٹے کی قربانی کا حکم ملا تھا۔(فافہم) اسی طرح معراجِ منامی کے واقعات بھی اس امر کے مؤید ہیں۔

4...... براہ راست نزول جبریل علیہ السلام

مِنۡهُ مَايَكُوۡنُ بِوَاسِطَةِ اَمِيۡنِ الۡوَحۡيِ جِبۡرِيۡلَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ

یعنی جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے بالمشافہ احکام وکلام کا نازل ہونا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ''نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ عَلٰى قَلۡبِكَ......'' (الشعراء)

واضح ہو تمام قرآنی وحی اسی قبیل سے ہے۔(مناہل العرفان)

5...... صَلۡصَلَةُ الۡجَرۡسِ

''وَقَدۡ يَكُوۡنُ وَقۡعَ الۡوَحۡيُ عَلَى الرَّسُوۡلِ كَوَقۡعِ الۡجَرۡسِ

اِذَا صَلْصَلَ فِی اُذُنِ سَامِعِہٖ"

یعنی کبھی وحی کی آواز' سننے والے کے کان میں گھنٹی بجنے کی طرح سنائی دیتی۔ یہ کیفیت آپ پر زیادہ سخت اور بوجھل ہوتی تھی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پر (اسطرح) وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس مبارک رکنے لگتا' چہرہ اقدس متغیر ہوکر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا' سامنے کے دانت مبارک سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو سردی کے موسم میں بھی پسینہ آجاتا جس سے پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہوجاتی اور اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے۔ (الاتقان)

وحی کی یہ کیفیت بعض اوقات اس قدر شدید ہوجاتی کہ آپ جس جانور پر سوار ہوتے وہ جانور ایسے وقت میں آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا جیسا کہ یوم عرفہ کو آپ کی اونٹنی مبارکہ کی کمر (نزولِ وحی کے بوجھ سے) زمین کے ساتھ مس ہونے لگی اور ایک مرتبہ آپ حضرت زید بن ثابت کے زانوں پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمارہے تھے کہ اچانک وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ حضرت زید بن ثابت کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ (بخاری شریف' زاد المعاد)

بعض مفسرین کے نزدیک یہ کیفیت اس وقت ہوتی تھی جبکہ کسی عذاب سے ڈرانے یا دھمکی دینے کی آیت نازل ہونے والی ہوتی۔

6 ...... جبریل کا حقیقی صورت میں نازل ہونا

فَتَارَۃً یَظْھَرُ لِلرَّسُوْلِ فِیْ صُوْرَتِہِ الْحَقِیْقِیَّۃِ الْمَلَکِیَّۃِ

یعنی بعض اوقات جبریل امین علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوتے آپ کی حیات مبارکہ میں تین بار ایسا ہوا پہلی مرتبہ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر دوسری مرتبہ معراج شریف کے موقع پر جیسا کہ ارشاد ہے "وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی" تیسری مرتبہ جب آپ ﷺ نے خود جبریل امین (علیہ

السلام) کو اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ (فتح الباری)

7...... جبریل کا انسانی صورت میں نازل ہونا

''فَتَارَۃً یَظْھَرُ فِیْ صُوْرَۃِ اِنْسَانٍ یَرَاہُ الْحَاضِرُوْنَ وَیَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْہِ''

یعنی گاہے جبریل امین کسی انسانی شکل میں ظاہر ہوتے جس کو حاضرین بھی دیکھتے اور سنتے جیسا کہ مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں عموماً تشریف لاتے نیز مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان' حدیث جبریل میں موجود ہے ''اِذَا طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَایُریٰ عَلَیْہِ اَثَرُ السَّفَرِ'' بعض اوقات کسی سائل یا اعرابی کی صورت میں بھی تشریف لایا کرتے یہ نزول وحی کی سب سے زیادہ آسان کیفیت تھی۔ (الاتقان)

8...... دوِیُّ النّحل

''وَرُبَمَا سَمِعَ الْحَاضِرُوْنَ صَوْتاً عِنْدَوَجْہِ الرَّسُوْلِ کَاَنَّہٗ دَوِیُّ النَّحْلِ''

اکثر اوقات وحی کی ہلکی ہلکی آواز حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھنے والے حاضرین بھی سنا کرتے تھے۔اس کیفیت کے موقعہ پر آپ کے چہرہ اقدس کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیتی تھی لیکن حاضرین اس آواز سے کوئی کلام یا مفہوم اخذ نہیں کر سکتے تھے۔یہ صرف ذات رسالت مآب ﷺ کی ہی خصوصیت تھی کہ آپ اس وحی کے کلام اوراس کے مفہوم کو کماحقہٗ سمجھ لیتے اور بغیر کسی اخفاء والتباس کے ایسی صورت میں وحی کے الفاظ و معانی اپنے قلب و نظر میں حاضر ونقش کالحجر پاتے گویا وہ سب کچھ آپ کی لوح دل پر لکھا جاتا تھا۔ (مناہل العرفان فی علوم القرآن)

9...... خفیہ طریقہ سے وحی کا نازل ہونا

''وَتَارَۃً یُھْبِطُ عَلَی الرَّسُوْلِ خُفْیَۃً فَلَا یُریٰ''

یعنی بعض اوقات خفیہ طریقے سے وحی نازل ہوتی جس کا اظہار صرف آپ کے چہرہ مبارک کے متغیر ہونے سے ہوتا تھا۔ایسی کیفیت کے وقت آپ ﷺ اس طرح خراٹے بھرتے جیسے کوئی گہری نیند سونے والا خراٹے لیتا ہے یا نیم مدہوشی کی کیفیت طاری ہوجانے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ حالت فرشتہ نازل ہونے کی وجہ ہوئی تھی جس کو نیند یا نیم مدہوشی کی بجائے استغراقی حالت کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایسے موقعہ پر آپ کا رابطہ عالم ملکوت ولاہوت سے قائم ہوجاتا تھا اور آپ ﷺ حالت بشریہ عادیہ سے یکسر مختلف ہوجاتے تھے نتیجتاً آپ ﷺ کا جسم اقدس یہ بوجھ اور ثقل محسوس کرتا تھا۔ (مناہل العرفان)

كَما لَا يَخْفٰى عَلَى اَهْلِ الْبَصِيرَةِ الرُّوحَانِيَّةِ

10...... وحی بواسطۂ اسرافیل علیہ السلام

اعلان نبوت سے لے کر تین سال تک بحکم رب جلیل حضرت اسرافیل علیہ السلام ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ایک روایت کے مطابق آپ کو کچھ باتیں سکھایا کرتے تھے۔لیکن واضح رہے کہ اسرافیل علیہ السلام کی زبان سے ختمیٔ مرتبت علیہ التحیۃ والثناء پر قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اسرافیل علیہ السلام کو آپ پر نگران مقرر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ صور اسرافیل اور بعثت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات جو قیام قیامت اور قربِ قیامت کی علامات سے ہیں دونوں میں باہمی مماثلت سے سلسلہء وحی کا انقطاع ظاہر ہوجائے یا عادت الٰہیہ اسی طرح جاری ہے۔جیسا کہ ذوالقرنین پر ریافیل کو موٴکل مقرر کیا گیا تھا اور خالد بن سنان پر مالک داروغہ دوزخ کو نگران بنایا گیا تھا اسی طرح ملائکہ مقربین کو امور کائنات پر موٴکل بنایا گیا ہے۔ (الاتقان وغیرہ)

(واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

نُزولِ قرآن

لفظ نزول کا معنی ہے ''نَقْلُ الشَّیْءِ مِنَ الْاَعْلٰی اِلَی الْاَسْفَلِ''یعنی کسی چیز کا اوپر سے نیچے اترنا ''نزول'' کہلاتا ہے۔

یہ نزول اگر **دفعةً واحدةً** (یکبارگی) ہوتو ''اِنْزَالْ'' کہلاتا ہے۔اگر تدریجاً (آہستہ آہستہ) ہوتو ''تَنْزِیْل'' کہلاتا ہے۔

قرآن حکیم کا نزول یکبارگی بھی ہوا ہے اور تدریجاً بھی۔قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے پھر وہاں سے باقتضائے حکمت ایزدی مختلف مراتب نزول سے گزرتا ہوا قلب محمدیہ (علی صاحبها الصلوٰت والتسلیمات) پر جلوہ گر ہوا۔

تنزلاتِ قرآن

پہلا تنزل:- اولاً دائرہ اصل اور مرتبہ وجوب سے لوح محفوظ میں نازل ہوا جیسا کہ فرمایا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ٥ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں) پھر وہاں سے الفاظ و معانی کی صورت میں اس کا نزول ہوا۔

دوسرا تنزل:-لوح محفوظ سے آسمان دنیا (بیت العزت) میں نازل ہوا۔

۱...... ''اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ'' (القدر)

۲...... ''اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ'' (الدخان) میں اس کی صراحت موجود ہے

بیت العزت کعبہ شریف کے محاذات میں آسمان پر ملائکہ کی عبادت گاہ ہے۔ یہ نزول (یکبارگی) لیلۃ القدر میں ہوا۔جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے ''اُنزِلَ الْقُراٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً اِلٰى سَمَآءِ الدُّنيَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ ''
(نسائی والحاکم والبیہقی)

تیسرا تنزل :- بیت العزت سے بواسطہ جبریل امین علیہ السلام حضور سرور عالم ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوا جس کی دلیل یہ آیت ہے۔نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ......الخ (الشعراء)

تدریجی نزول کی حکمتیں

قرآن مجید سرور کائنات ﷺ پر ایک ہی مرتبہ پورے کا پورا نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیئس سال کے عرصہ میں اتارا گیا۔

بعض اوقات ایک چھوٹی سی آیت یا اس کا کوئی ایک جزو نازل ہوتا اور بعض اوقات کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں ۔مثلاً قرآن کا سب سے مختصر حصہ جو مستقل طور پر نازل ہوا وہ ''غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ''(النساء) ہے جو ایک لمبی آیت کا جزو ہے اور دوسری طرف پوری سورۃ الانعام ایک ہی بار نازل ہوئی ہے (ابن کثیر)

پورے قرآن کو ایک ہی بار نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟

اس کی مندرجہ ذیل حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی حکمت :- یک دم پورا قرآن نازل ہونیکی صورت میں تمام احکام قرآنیہ کی تعمیل و پابندی ہر مسلمان پر فوراً لازم ہو جاتی اور یہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) کی ان حکیمانہ مصلحتوں کے خلاف ہوتا جو اس میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

دوسری حکمت :- قریش مکہ کی طرف سے سرور عالم ﷺ کو روزانہ نت نئی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں اس لیے بار بار آیات قرآنیہ کا نازل ہونا آپ ﷺ کے دل مبارک کی تقویت کا سبب بنتا تھا جس سے ان اذیتوں کا مقابلہ آسان ہو جاتا تھا۔

تیسری حکمت :- قرآن کا اکثر حصہ لوگوں کے مختلف سوالات اور ان کے جوابات اور مختلف واقعات پر مشتمل ہے لہذا ان آیات کا نزول انہی اوقات میں زیادہ مناسب تھا جن میں وہ سوالات کئے گئے تھے یا جب کہ وہ واقعات وحالات رونما ہوتے تھے۔ اس طریقہ سے اہل اسلام کے جذبہ استقامت اور بصیرت وہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا اور قرآن کی حقانیت پر اور زیادہ یقین ہو جاتا تھا۔

چوتھی حکمت:- امت کے امی (ناخواندہ) ہونے کی بناء پر یہی مناسب تھا کہ قرآن تدریجی مراحل میں نازل کیا جاتا تاکہ حفظ قرآن اور فہم قرآن، امت پر آسان ہو جائے نیز عادات جاہلیہ ایک ایک کر کے دور ہو جائیں اور عبادات وطاعات کی عادات فطری طریقہ سے ان کے قلب ونظر میں جگہ پکڑ لیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مشرکین مکہ کے اس اعتراض (قرآن تدریجاً کیوں اترا) کا جواب قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذَالِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان)

شانِ نزول یا سبب نزول

قرآن پاک کی تفسیر وتشریح کے لیے متعلقہ آیتوں یا سورتوں کا ''شان نزول'' نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسکے بغیر آیات قرآنی کا مفہوم ومعنی صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے۔ خاص کر قرآن مجید کی وہ آیتیں جو کسی خاص واقعہ، حالت یا سوال کے موقع پر نازل ہوئیں وہ اپنے سیاق وسباق (پیش منظر یا پس منظر) کے آئینہ میں ہی پڑھی اور سمجھی جا سکتی ہیں یہی پس منظر اصطلاح مفسرین میں شان نزول یا سبب نزول کہلاتا ہے۔

مدت نزول

آغاز وحی : سرور عالم ﷺ پر قرآن کی جو سب سے پہلی آیات نازل ہوئیں وہ سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔

صحیح بخاری کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی اس کے بعد آپ کو خلوت میں رہ کر عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہاں مصروفِ ذکر و عبادت رہتے۔ اسی حالت میں ایک دن حضرت جبریل حاضر ہوئے اور سب سے پہلے یوں کہا ''اِقْرَاء'' (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا ''مَااَنَا بِقَارِیٔ'' (میں پڑھنے والا نہیں) تین مرتبہ ایسا ہوا۔ جب تیسری بار کہا ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ ...... '' الخ، تو حضور ﷺ نے ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک پانچ آیتیں تلاوت فرمادیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ بعد ازاں چند روز کے لیے وحی آنا بند ہوگئی یہ فترتِ وحی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد نزول وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا اور سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں نزول قرآن کا پہلا دور بارہ سال پانچ ماہ اور بارہ یا تیرہ دن کے عرصہ پر مشتمل ہے۔

نزول وحی کی ابتداء سترہ رمضان المبارک اکتالیس سن ولادت نبوی سے ہوئی اس زمانہ کا اختتام یکم ربیع الاول ۵۴ سن ولادت پر ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں نزول قرآن کا دوسرا دور ہجرت نبوی ﷺ کے بعد شروع ہوا اور یہ کل نو سال نو ماہ اور نو دن کا عرصہ ہے۔ اس کا آغاز یکم ربیع الاول ۵۴ سن ولادت سے ہوا اور ۹ ذوی الحجہ تریسٹھ سن ولادت اور دس ہجری پر اختتام پذیر

ہوگیا۔اس حساب سے نزول قرآن کی کل مدت بائیس سال دو ماہ اکیس دن بنتی ہے۔

مندرجہ بالا تحقیق سے اس بات کو تائید ملتی ہے کہ مکہ معظمہ میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت تقریباً تیرہ برس ہے اور مدینہ منورہ میں دس برس ہے اور کل مدت وحی تقریباً تئیس برس ہے۔(واللہ اعلم)

انقطاع وحی: تئیس برس کا عرصۂ نزول قرآن ختم ہونے پر حجۃ الوداع کے تاریخی دن کو عرفات کے میدان میں آخری وحی نازل ہوئی

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ''(المائدہ)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کر لیا ہے۔

اس کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہوگیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا:

''اِنَّ الْوَحْیَ قَدْ اِنْقَطَعَ ''(بخاری، ابن ماجہ)

ترجمہ: تحقیق وحی کا سلسلہ بند ہوگیا۔

بعض مفسرین کا اس میں اختلاف بھی منقول ہے۔ان کے نزدیک قرآن کی آخری آیت سورۃ بقرہ کی درج ذیل آیت ہے۔

''وَاتَّقُوْا یَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ''(البقرہ)

باختلاف روایات آپ ﷺ کے وصالِ مبارک سے چار دن، نو دن، بارہ دن، چوبیس دن، اٹھائیس دن یا اکاسی دن قبل نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہوا اور اس طرح انسانیت کی مکمل ہدایت کا آخری باب مکمل ہوگیا۔ والحمد للہ علی ذالک

حروفِ سبعہ پر قرآن کا نزول

اور اس کا مفہوم

صحیح بخاری، کتاب فضائل قرآن کی ایک حدیث میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اِنَّ هٰذَا الْقُرآنَ اُنْزِلَ علیٰ سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ"

ترجمہ: تحقیق یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس پڑھو اس میں سے اس طریقے پر جو تمہارے لیے آسان ہو۔

اس حدیث میں سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟

علماء مفسرین و محققین کا اس میں شدید اختلاف ہے اور یہ مسئلہ علوم قرآنیہ میں مشکل ترین مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن عربی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ میں پینتیس اقوال نقل کیے ہیں۔ (الزرکشی البرہان فی علوم القرآن ص ۲۱۲ جلد نمبر ۱)

مذکورہ حدیث، علماء کے نزدیک معنی کے اعتبار سے متواتر ہے جیسا کہ مشہور محدث امام ابوعبید قاسم بن سلام اور معروف امام علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہما نے اس کے تواتر کی تصریح فرمائی ہے اور یہ واقعہ بھی متعدد محدثین نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی ﷺ پر اعلان فرمایا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے زبان رسالت مآب ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے چنانچہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جس کو شمار بھی نہ کیا جا سکا۔ (ابن الجزری النشر فی قرأت العشر)

سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت کا فلسفہ

سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت کا اصل فلسفہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے لیے تلاوت میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس امت کو یہ سہولت عطا فرمائی ہے تاکہ جو شخص ایک طریقہ سے کوئی لفظ نہیں پڑھ سکتا تو دوسرے طریقے سے پڑھ لینے پر قادر ہو جائے۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت صحیح مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں سرور عالم ﷺ بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری امت یہ طاقت نہیں رکھتی پھر جبرائیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری امت میں اس قدر طاقت نہیں پھر وہ تیسری مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو تین حروف پر قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے آپ ﷺ نے معافی اور مغفرت طلب کی کہ میری امت میں اس کی طاقت نہیں حتیٰ کہ:۔

"ثُمَّ جَآءَهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکَ اَنْ تَقْرَءَ اُمَّتُکَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاَیَّمَا حَرْفٍ قَرَؤُوْا عَلَیْهِ فَقَدْ اَصَابُوْا" (مناہل العرفان)

پھر وہ چوتھی بار آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن حکیم کو سات حرفوں پر پڑھے پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قرأت درست ہوگی۔

قول راجح

ہمارے علماء محققین کے نزدیک ''قرآن کے سات حروف'' کی سب سے بہتر تشریح یہ ہے کہ حدیث پاک میں حروف کے اختلاف سے مراد قرأتوں کا اختلاف ہے یعنی قرآن پاک کی جو قرأتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں جو باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات قسموں پر مشتمل ہیں اور یہ قول سب سے پہلے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

سات اقسام کی تشریح

1۔۔۔۔ **اسماء کا اختلاف:** جس میں مفرد تثنیہ جمع اور مذکر و مؤنث کا اختلاف داخل ہے جیسا کہ ''تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ'' جس کو ایک قرأت میں ''تَمَّتْ كلماتُ رَبِّكَ'' بھی پڑھا گیا ہے۔

2۔۔۔۔ **افعال کا اختلاف:** جیسا کہ کسی قراءت میں صیغہ ماضی ہو کسی میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً ایک قرأت میں ''رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا'' ہے۔

اور دوسری میں ''رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا'' ہے

3۔۔۔۔ **وجوہ اعراب کا اختلاف:** ''جس میں اعراب یعنی زبر زیر پیش کا فرق ہو۔ مثلاً ''لَايُضَارَّ كَاتِبٌ'' کی جگہ ''لَايُضَارُّ كَاتِبٌ'' اور ''ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ'' کی جگہ ''ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ''

4 **الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف** کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو۔

مثلاً ایک قرأت میں ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى'' ہے اور دوسری میں ''وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى'' ہے اور ''وَمَا خَلَقَ'' نہیں ہے۔

اسی طرح ایک قراءت میں ''تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ'' اور دوسری

میں ''تَجْرِیْ تَحْتَهَاالْاَنْهٰرُ '' ہے

5...... **تقدیم وتاخیر کا اختلاف:** کہ ایک قرأت میں ایک لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً ''وَجَآءَ تْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ '' اور ''جَآءَ تْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ''

6...... **بدلیت کا اختلاف:** کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرات میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً ''نُنْشِذُهَا'' اور ''نُنْشُذُهَا'' اسی طرح ''فَتَبَيَّنُوْا'' اور ''فَتَثَبَّتُوْا'' نیز ''طَلْحٍ'' اور ''طَلْعٍ''۔

7...... **لهجوں کا اختلاف:** جس میں اظہار' ادغام' تفخیم' ترقیق' اماله' قصر' مد' همزه' وغیرہا کے اختلاف شامل ہیں مثلاً موسیٰ ایک قرأت میں امالہ کے ساتھ ہے اور اسے موسٰی کی طرح پڑھا جاتا ہے اور دوسری قرأت میں بغیر امالہ کے پڑھا جاتا ہے۔

o...... مندرجہ بالا تحقیق حضرت امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کے استقراء کے عین مطابق ہے کیونکہ ان کے استقراء میں تمام اختلافات وضاحت کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تیس برس سے زائد غور وفکر کرنے کے بعد سات حرفوں کو سات وجوہ اختلاف پر محمول کیا ہے اور امام ابوالفضل رازی کا قول نقل کر کے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ (النشر فی القرآت العشر)

اختلافِ قرأت

واضح رہے کہ اختلاف قرائت سے یہ سمجھنا کہ قرآن کریم معاذ اللہ ''مختلف فیه'' ہوگیا ہے ہرگز درست نہیں۔ یہ امر بلا شبہ متفق علیہ ہے کہ قرآن حکیم جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور قرأت اختلاف لفظی ہے مفہوم ومعنی کے لحاظ سے تمام حروف متحد ہیں۔ معانی میں ہرگز ایسی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوئی جس سے جائز وناجائز یا حلال و حرام یا بالعکس ہوجائے یہ تمام متواتر قرائتیں رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر ان سے تابعین اور ان سے تبع تابعینؒ نے حاصل کیں اور ہر دور میں یہ قرائتیں کتابت وادائیگی نقل متواتر کے ساتھ علٰی حالہٖ قائم رہتے ہوئے ہم تک پہنچیں لہٰذا تمام متواتر قرائتیں حق، درست، واجب العمل اور واجب الاعتقاد ہیں اور ان کا منکر کافر ہے۔

آئمہ قرأت

تمام قرائتیں تواتر کے ساتھ سرور عالم ﷺ سے منقول ہیں اس کے بعد ہر زمانے میں کچھ بزرگوں کو اس فن میں خصوصی شغف واختصاص کی بناء پر امامت کا درجہ حاصل رہا ان میں سے بعض حضرات نے کسی خاص قرأت کی تعلیم واشاعت سے شغف اختیار کیا اور ان سے ایک خاص قرأت تواتر کے ساتھ روایت کی گئی جس کی وجہ سے وہ قرأت ان کے نام سے منسوب ہوئی ورنہ ہر قرأت کا مصدر ومرجع ذات رسالت مآب ﷺ ہے۔

صحابہ کرام میں سات اکابر تعلیم قرأت میں زیادہ مشہور ہوئے۔

۱۔ حضرت عثمان غنی ۲۔ حضرت علی المرتضیٰ ۳۔ حضرت ابی بن کعب

۴۔حضرت زید بن ثابت ۵۔حضرت عبداللہ بن مسعود
۶۔حضرت ابوالدرداء ۷۔حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کی ایک عظیم جماعت نے قرأت سیکھی جو مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام میں ممتاز شہرت کی حامل ہوئیں پھر ان حضرات سے آئمہ سبعہ کو اس فن میں عالمگیر شہرت ملی اور درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ ان ساتوں اماموں کی قرائتیں متواتر ہیں ان میں بھی احادیث کے سلسلہ اسناد کی طرح قرأت کا سلسلہ اسناد موجود ہے۔آئمہ سبعہ (رحمۃ اللہ علیہم) کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

سات قراء (قراء سبعہ)

۱۔ عبداللہ بن کثیر الداری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۰ھ)
۲۔ نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی (۱۶۰ھ)
۳۔ ابوعمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۴ھ)
۴۔ عبداللہ الحصبی رحمۃ اللہ علیہ جو ابن عامر کے نام سے مشہور ہیں (متوفی ۱۱۸ھ)
۵۔ حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۸ھ)
۶۔ عاصم بن ابی النجود الاسدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷ھ)
۷۔ ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۹ھ)

ان سات کے علاوہ تین قراء

۱۔ ابوجعفر یزید بن القعقاع رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰ھ)
۲۔ یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۵ھ)
۳۔ خلف بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۵ھ)

کی قرائتیں بھی متواتر ہیں اور یہ حضرات قراء عشرہ کہلاتے ہیں اور حسب ترتیب ان کی قرأتیں قرأت سبعہ وقرأت عشرہ کہلاتی ہیں۔

ان کے علاوہ بعض حضرات نے چودہ قاریوں کی قرائتیں بھی جمع کی ہیں لیکن وہ شاذ ہیں۔ (مناہل العرفان)

جمع وتدوین قرآن

علمائے سلف کے نزدیک جمع وترتیب کو تالیف کہا گیا ہے لیکن علماء متاخرین جمع وترتیب کو تدوین کا نام دیتے ہیں۔

ترتیب توقیفی

قرآن کی ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت میں واضح فرق موجود ہے۔قرآن کی موجودہ ترتیب تلاوت، ترتیب نزول نہیں بلکہ یہ ترتیب رسول کریم ﷺ کی معین فرمودہ ترتیب تلاوت کے عین مطابق ہے اور یہ ترتیب بلاشبہ توقیفی ہے۔توقیف کا معنی ہے آگاہ کرنا، واقف کرنا اور بتانا وغیرہا۔مراد یہ ہے کہ اس ترتیب سے خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو آگاہ و واقف فرمایا تھا اور یہ ترتیب وتدوین دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اس میں حضور ﷺ کی اپنی ذاتی رائے یا کسی دوسرے فرد کی رائے یا قیاس واجتہاد کو کوئی دخل نہیں اور اس امر پر پوری امت کا اجماع ہے۔

جمع قرآن کا سلسلہ تین ادوار پر مشتمل ہے۔

پہلا دور......عہد نبوی

دوسرا دور......عہد صدیقی

تیسرا دور......عہد عثمانی

جمع قرآن عہد نبوی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو یہ خصوصی امتیاز بخشا ہے کہ اس کی حفاظت

وصیانت کا خود ذمہ اٹھایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّالَهٗ لَحَافِظُوْنَ" (الحجر)

ترجمہ: بیشک ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے لیے اہل علم کے سینوں کو منتخب فرمایا ہے اور حفظ قرآن کی یہ شان' خود قرآن کریم میں بیان فرمادی ہے۔

"بَلْ هُوَ اٰیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ"

ترجمہ: بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو اہل علم (حفاظ کرام) کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں ہے۔

وَمُنَزِّلٌ عَلَیْکَ کِتَابٌ لَایَغْسِلُهُ الْمَآءُ

ترجمہ: اور اللہ آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہے جسے پانی نہ دھو سکے گا۔

یعنی قرآن کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائیگا کہ عام کتابوں کی طرح آفات وحادثات کی وجہ سے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔

○...... ابتدائے اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لیے سب سے موثر ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حافظہ ثابت ہوا۔ اہل عرب دنیا بھر میں حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ایک ایک آدمی ہزار ہا اشعار وابیات کا حافظ ہوتا تھا اور معمولی معمولی قسم کے عام دیہاتیوں کو بھی افراد' خاندان کے شجروں کے علاوہ اپنے گھوڑوں کے نسب نامے تک یاد ہوتے تھے۔

اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی مناسب تھا کہ صحابہ کرام حفاظت قرآن کے لیے قرآن کو یاد کر لیتے کیونکہ اس زمانے میں کاغذ بے حد کمیاب تھا اور کتابت کا سلسلہ بھی محدود تر تھا نیز کتابوں کی نشر واشاعت کے لیے پریس وغیرہ جیسے لیے دوسرے وسائل وذرائع بھی موجود نہ تھے۔

○...... چنانچہ حفظ قرآن کا سلسلہ حضور سرور عالم ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری سے

ہی شروع ہو چکا تھا اور حفظ قرآن کی یہ نعمتِ عظمیٰ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کی خصوصیات سے ہے جیسا کہ فرمایا گیا

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّكْرِ...... " الخ

حفاظ صحابہ کرام: عہد رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات میں قرآن حکیم کے حفاظ صحابہ کی تعداد اس قدر کثیر ہو چکی تھی کہ ایک ایک بستی میں چالیس سے لے کر ستر تک حفاظ وقراء، تعلیم قرآن کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

چنانچہ غزوہ بیر معونہ کے موقع پر ستر حفاظ شہید ہوئے اور اتنی ہی تعداد میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے بلکہ ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں سات سو قراء و حفاظ شہید ہوئے۔ مجموعی طور پر روایات کی ترتیب و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی جن میں سینتیس حضرات کو خصوصی شرف و امتیاز حاصل تھا۔ ان حفاظ صحابہ کرام میں سات حضرات ایسے تھے جن کی سند تمام عالم میں مسلم و معتمد رہی اور انہی سے سلسلہء حفظ قرآن کی اشاعت ہوئی، وہ سات حضرات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان بن عفان ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب ۳۔ حضرت ابی بن کعب ۴۔ حضرت زید بن ثابت ۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود
۶۔ حضرت ابوالدرداء ۷۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حفاظ قرآن کی اس جماعت میں مذکورہ سات حضرات کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوحلیمہ معاذ، حضرت مجمع بن جاریہ، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت انس بن مالک، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت تمیم داری، حضرت ابوزید رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر حضرات شامل تھے۔

قرآن حفظ کرنے والی چار صحابیات

جس طرح حفظ قرآن کی دولت صحابہ کرام میں مردوں کو حاصل ہوئی اسی طرح بعض صحابیات کو بھی پورا قرآن حفظ کرنے کی سعادت میسر آئی تھی۔ چنانچہ ان بعض صحابیات کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

1...... ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

2...... ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

3...... ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

4...... ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہا

کتابت قرآن حفاظت قرآن کا اصل ذریعہ تو اگرچہ حافظہ ہی تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ سرور عالم ﷺ نے اپنی نگرانی میں قرآن حکیم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا ہوا تھا جیسا کہ زید بن ثابت اور دیگر صحابہ کی روایات سے واضح ہے۔

"کُنَّاعِندَ النَّبِیِّ (ﷺ) نُؤَلِّفُ الْقُرآنَ فِی الرِّقَاعِ وَالْاَکْتَافِ"

ترجمہ: ہم نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہی قرآنی آیات کپڑے کے ٹکڑوں، بکری کے دست و شانوں وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔

o...... اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِذَا نَزَلَتْ عَلَیْہِ سُوْرَۃٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ یَّکْتُبُ فقال ضَعُوْا ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ فِی الْمَوْضَعِ الَّذِیْ یُذْکُرُفِیْہِ کَذَاوَکَذَا" (مناہل العرفان)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی کو بلا کر فرماتے کہ یہ سورت فلاں جگہ پہ رکھو جہاں یہ آیات و مضامین ہیں۔

چنانچہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے آیات قرآنیہ سن کر حفظ بھی کر لیتے اور اپنے

پاس پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، بانس کے ٹکڑوں، کھجور کی شاخوں اور جانوروں کی ہڈیوں اور گاہے گاہے کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔

چالیس سے زائد نفوس پر مشتمل صحابہ کرام، جمع و کتابت قرآن کی خدمت میں مصروف و مامور تھے ان میں زیادہ مشہور حضرات یہ ہیں۔

کاتبین وحی

۱۔حضرت ابو بکر صدیق ۲۔حضرت عمر ۳۔حضرت عثمان ۴۔حضرت علی ۵۔حضرت ابی بن کعب ۶۔حضرت عبداللہ بن ابی سرح ۷۔حضرت زبیر بن عوام ۸۔حضرت حنظلہ بن الربیع ۹۔حضرت خالد بن سعید بن العاص ۱۰۔حضرت ابان بن سعید بن العاص ۱۱۔حضرت معقیب بن ابی فاطمہ ۱۲۔حضرت عبداللہ بن ارقم الزہری ۱۳۔حضرت شرجیل بن حسنہ ۱۴۔حضرت عبداللہ بن مسعود ۱۵۔حضرت عبداللہ بن رواحہ ۱۶۔حضرت عامر بن فہیرہ ۱۷۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ۱۸۔حضرت ثابت بن قیس بن شماس ۱۹۔حضرت مغیرہ بن شعبہ ۲۰۔حضرت خالد بن ولید ۲۱۔حضرت معاویہ بن ابی سفیان ۲۲۔حضرت جہم بن الصلت ۲۳۔حضرت زید بن ثابت ۲۴۔ حضرت حذیفہ بن الیمان ۲۵۔حضرت سعید بن جبیر ۲۶۔حضرت محمد بن مسلمہ ۲۷۔حضرت علاء رضوان اللہ علیہم اجمعین (بحوالہ فتح الباری، زاد المعاد، طبری وغیرہا)

جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے مسجد نبوی میں ایک صندوق رکھوا دیا تھا جس میں قرآن کا ہر نیا نازل شدہ حصہ لکھوا کر رکھ دیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضور ﷺ کے وصال تک قرآن کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو تحریری شکل میں مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو۔ اسی طرح عہد رسالت میں قرآن کا ایک مکمل نسخہ تو وہ تھا جو حضور ﷺ نے اپنی نگرانی میں مرتب کروایا تھا۔ وہ اگرچہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ متفرق ٹکڑوں کی شکل میں تھا اس کے علاوہ بعض صحابہ نے بھی قرآن کے

لکھے ہوئے صحیفے اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے۔

o ...... جامعین و کاتبین قرآن میں ایک صحابیہ خاتون کا بھی ذکر آتا ہے جن کا نام زبان رسالت نے شہیدہ رکھا تھا۔ جو زمانہ خلافت فاروقی میں شہید ہوگئیں تھیں (الاتقان) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی علیحدہ علیحدہ مصحف قرآن کامل (کتابت شدہ) موجود تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی نے بھی خود ایک مصحف لکھا تھا۔ مصحف ابوالدرداء اور مصحف معاذ بن جبل، مصحف زید بن ثابت اور مصحف ابی بن کعب وغیرہا تو بروایت امام بخاری ثابت ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن عمر، ابوموسیٰ اشعری، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن مسعود اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف کا تذکرہ، تو کئی کتب میں موجود ہے۔

الغرض عہد رسالت میں قرآن کی جمع و حفاظت و حفظ و کتابت کا ثبوت واضح ہوا

والحمد لله علی ذالک

جمع قرآن عہد صدیقی میں

حضور ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ آپ کا عہد خلافت تقریباً دو سال اور تین ماہ ہے۔ آپ کو اپنے زمانہ خلافت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کئی فتنوں نے سر اٹھایا، کفر و الحاد کے طوفان برپا ہوئے، ان میں فتنہ ارتداد سرفہرست ہے جس کا سرغنہ جھوٹی نبوت کا مدعی مسیلمہ کذاب تھا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف اعلان جہاد فرما دیا جس کے نتیجے میں مسیلمہ کذاب کے حامیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ذوالحجہ ۱۱ھ جو یمامہ کے مقام پر جنگ یمامہ ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے سالار لشکر حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ عنہ تھے اس جنگ میں (باختلاف روایات) بارہ سو کے قریب صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن اور ستر قاری شامل تھے۔ ان میں بہترین قاری وحافظ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے یہ شہداء نہ صرف قرآن کے حافظ وقاری تھے بلکہ جلیل القدر صحابی وعالم تھے۔ان کے پاس سرور عالم ﷺ کی زبان اقدس سے براہ راست سن کر لکھے ہوئے قرآن کریم کے تحریری اجزاء بھی تھے جن کا کھوجانا ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ہم سے ضائع نہ ہو جائے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ قرآن کو مرتب کتاب کی شکل میں جمع کرلیا جائے۔ پہلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جو کام حضور ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں نہیں کیا میں اس بدعت کا ارتکاب کیوں کروں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وَاللّٰهِ هٰذَا خَيْرٌ خدا کی قسم یہ اچھا کام ہے۔ (بخاری، مشکوۃ ۱۹۳)

چنانچہ تھوڑے تامل کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر شرح صدر ہو گیا اور آپ اس امر پر رضامند ہو گئے۔

کتابت قرآن : چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کتابت قرآن کی اہم خدمت پر مامور فرمایا۔ آپ عہد رسالت میں بھی کاتب وحی رہ چکے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے پہاڑ اپنی جگہ سے ہلانے کا حکم فرماتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جس قدر جمع قرآن کے کام کا ہوا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قرآنی آیات کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور صحابہ کے سینوں سے جمع کیا۔ آپ نے کتابت کے دوران خود سرور عالم ﷺ کے خاص اہتمام سے لکھوائے گئے تمام مسودات کو پیش نظر رکھا اور پوری احتیاط

کے ساتھ ایک ایسا مستند نسخہ تیار کر لیا جس کی نقلیں تمام اسلامی علاقوں میں بھیجی گئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے اس کتاب کا نام مصحف تجویز فرمایا۔ کتاب اللہ کا یہ نسخہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہا پھر ان کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں آیا ان کے بعد یہ نسخہ ان کی صاحبزادی اما المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا گیا۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت دیار مصر، شام، یمن، عراق میں قرآن کریم کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

ترتیب کتابت واحتیاط

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کا جو نسخہ تیار کیا وہ ترتیب وتہذیب کے لحاظ سے وہی قرآن تھا جو سرور کائنات ﷺ پر نازل ہوا تھا اور آپ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا کیونکہ حضرت زید نے حضور ﷺ کی زبان اقدس سے سن کر سارا قرآن اپنے پاس لکھا ہوا تھا اور انہوں نے اس کتابت شدہ قرآن کا عظیم حصہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کر کے تصدیق کروالی تھی۔ کتابت قرآن کے سلسلہ میں حضرت زید بن ثابت نے بہت دقیق اور سخت طریقہ اختیار کیا تھا۔ جب کوئی شخص قرآن حکیم کی لکھی ہوئی آیات لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تحقیق وتصدیق فرماتے۔

1...... خود حافظ قرآن تھے اسلئے سب سے پہلے اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے۔

2...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظ قرآن تھے وہ سب سے پہلے اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو یہ ذمہ داری تفویض فرمائی تھی۔

3...... لکھی ہوئی آیات اس وقت تک قابل قبول نہ ہوتیں جب تک دو عادل

اور صادق گواہ اس بات کی گواہی نہ دیتے کہ یہ آیات حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی ہیں۔
سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو آدمی دو گواہوں کے ساتھ قرآن کی کوئی آیت لے کر آئے اسے لکھتے جاؤ۔امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے مراد حفظ اور کتابت ہیں۔(مناہل العرفان)

4 لکھی ہوئی آیات کا ان مسودات کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا جو متعدد صحابہ کرام نے بکمال محنت تیار کر رکھے تھے۔امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد احتیاط کے علاوہ یہ بھی تھا کہ حافظہ پر اکتفا کرنے کے بجائے حضور ﷺ کے سامنے لکھے گئے مسودات پر اعتماد کیا جائے۔

"وَانما طلبَ القرآنَ متفرِقا لیعارض بالمجتمع عند عن بقی ممن جمعَ القرآنَ لیشترکَ الجمیعُ فی علم ماجمع" (البرہان فی علوم القرآن)

مصحف ابوبکر کی خصوصیات

حضرت زید بن ثابت نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق پوری احتیاط کے ساتھ آیات قرآنیہ کو کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا "عنْ سالمْ قال جمعُ ابوبکر القرآنَ فی قراطیس (الاتقان)

ایک روایت میں ہے کہ یہ نسخہ چمڑے کے پارچوں پر لکھا گیا تھا لیکن حافظ ابن حجر نے اس بات کی تردید کی ہے (الاتقان)

- حضرت زید نے ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی تھی اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا یہی وجہ ہے کہ اس نسخہ کو اصطلاح میں "ام" کہا جاتا ہے۔
- اس نسخہ میں آیات قرآنیہ تو حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورۃ علیحدہ علیحدہ لکھی ہوئی تھی۔(الاتقان)

- یہ نسخہ سات حرفوں پر جمع کیا گیا (مناہل العرفان)
- یہ نسخہ خط حیری میں تحریر کیا گیا (تاریخ القرآن)

اس نسخے میں صرف وہی آیات لکھی گئی تھیں جو غیر منسوخ التلاوت تھیں۔ اس نسخے کی تحریر وتسوید کا واضح مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا مستند اور قطعی الیقین نسخہ مرتب ہو جائے جس پر تمام امت کی اجماعی اور اجتماعی تصدیق وتوثیق ہو تا کہ امت فتنے میں مبتلا ہو اور بوقت ضرورت اس نسخہ کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

جمع وتدوین قرآن کا مقصد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے منتشر اجزاء کو کھجور کے پتوں، پتھر کی تختیوں، چمڑے کے پارچوں اور ہڈیوں سے نقل کر کے کاغذ کے صحیفوں پر لکھ دیا جائے تا کہ آئندہ کے لیے کلام اللہ کے کسی حصہ کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی باقی نہ رہے۔

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع قرآن سے مقصود یہ تھا کہ امت میں اختلاف قرائت کی وجہ سے فساد پیدا نہ ہونے پائے اور تمام مسلمان صرف قرائت قریش پر متحد ومتفق ہو جائیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصحف ابوبکر، حضور ﷺ کے لکھوائے ہوئے قرآن کے عین مطابق تھا اور امت کے ہاتھ میں موجودہ قرآن وہی ہے جو حضور ﷺ نے امت کو دیا تھا۔ (والحمد لله على ذالک)

پہلا جامع قرآن: عہد صدیقی میں جمع قرآن بہ صورت کتاب، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ دراصل آپ ہی پہلے جامع قرآن ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بہ سند صحیح منقول ہے۔

"اَعْظَمُ النَّاسِ اَجرًا فِی الْمَصَاحِفِ اَبُوْبَکْرٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَبِی

بکرٍ ھُو اَوَّلُ مَنْ جَمعَ کِتَابَ اللّٰہِ"

ترجمہ: حفاظت قرآن کے سلسلے میں ابوبکر اس امت میں سب سے زیادہ اجرو ثواب کے مستحق ہیں' اللہ کی رحمت ہو، ابوبکر پر' وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔ (ابن ابی داؤد وغیرہ)

جمع قرآن عہد عثمانی میں

اختلاف قراءت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ آبادی میں کافی اضافہ ہوا تھا اور مسلمان دوردور تک مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ اب غیر عرب اقوام بھی رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئیں تھیں۔ مختلف قوموں سے اختلاط کے باعث ایک نئی ثقافت نے جنم لے لیا تھا۔ لہذا سابقہ خلفاء کی نسبت اس دور میں درس وتدریس قرآن کی زیادہ ضرورت پیش آرہی تھی اسلامی حکومت کے ہر صوبے کے لوگ علیحدہ علیحدہ کسی مشہور صحابی کی قراءت کے مطابق قران پڑھنے لگے۔ عرب میں قرأت (بولیوں) کے اختلاف کے لحاظ سے سات بڑے گروہ تھے۔ اس لئے ہر قبیلہ کو اپنی قرأت کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت تھی کیونکہ اختلاف قرأت سے معانی میں کوئی بنیادی فرق نہیں آتا تھا۔ شام کے رہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق تلاوت کرتے، کوفہ کے مسلمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پر عمل کرتے' باقی مسلمان حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے حروف کوادا کرنے اور قرأت کے طریقے ان تینوں اصحاب کے مختلف تھے۔ اس چیز نے قرأت قرآن کے بارے میں ایک عجیب اور نئی صورت حال کو جنم دیا۔ عرب میں اختلاف قرأت کی وجہ سے نومسلم قوموں میں بھی اس کا اثر رونما ہوا۔ اس فرق میں

بنیادی لحاظ سے کوئی قباحت نہ تھی لیکن سیدھے سادھے عوام بعض چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھی بنیادی سمجھ کر اڑ جاتے۔ بعض دفعہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرائت کو غلط قرار دے دیتے، کبھی کبھار شدید تکرار کی وجہ سے سر پھٹول تک نوبت آجاتی۔ لوگوں کے ذہنوں میں قرآن پاک کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے اور ممکن تھا کہ اس فتنہ کی وجہ سے جنگ شروع ہو جاتی اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذر بائیجان کے محاذ پر جہاد کے بعد واپس لوٹے تو گھر جانے سے پہلے المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"یَا اَمِیْرَ الْمُوْمِنِیْنَ اَدْرِکِ النَّاسَ"

ترجمہ: اے امیر المومنین لوگوں کو تھامیئے۔

فرمایا کیا بات ہے؟ کہا میں آرمینیا کی لڑائی میں شریک تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام اور عراق والے قرائت قرآن پر باہمی اختلافات کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب وتکفیر کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری، ارشاد الساری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خود بھی اس خطرے کا احساس ہو چکا تھا اور خود مدینہ طیبہ میں بھی ایسے واقعات پیش آرہے تھے چنانچہ آپ نے اکابر اور ممتاز اہل بصیرت صحابہ کرام کا اجلاس بلا کر خطبہ دیا اور صورت حال کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ پوری مجلس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ پوری امت کو ایک مصحف اور ایک لغت پر جمع کردیا جائے اور مصحف صدیقی کی روشنی میں تمام صحابہ مل کر ایک ایسا نیا نسخہ مرتب ومدون کریں جو اختلاف قرأت کے اثرات سے محفوظ ہو اس کے علاوہ باقی تمام نسخے

جلا دیئے جائیں تا کہ انتشار کے امکانات ختم ہو جائیں۔

تدوین ثالث : حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو نافذ کرنے کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے کے جو صحیفے آپ کے پاس موجود ہیں وہ ہمیں بھجوائے جائیں ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ام المومنین نے فوراً وہ صحیفے بھیج دیئے ۔حضرت عثمان نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ،عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ' سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو نقل قرآن کی خدمت پر مامور فرمایا۔بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ حضرات کے ذمے لگایا گیا تھا لیکن بعد میں چند دوسرے صحابہ کو بھی ان کی امداد کے لیے مقرر کیا گیا۔

کتاب المصاحف ابن ابی داوٗد میں بطریق محمد بن سیرین روایت ہے کہ تدوین ثالث میں بارہ حضرات صحابہ نے نقل واملاء کی خدمات انجام دیں۔

مصحف عثمانی کی خصوصیات

ان حضرات نے تدوین ثالث کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور سر انجام دیئے۔

۱ تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا گیا (مستدرک حاکم)

۲ آیات قرآن کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سمودی گئیں' اسی لیے آیات پر نقطے اور حرکات نہ لگائے گئے تا کہ تمام متواتر قرأ توں کے مطابق پڑھا جا سکے مثلاً ''نـنشذها'' لکھا تا کہ اسے ''نَـنْشُزُ هَا ''اور'' نُـنْشِزُهَا'' دونوں طرح پڑھا جا سکے کیونکہ دونوں قراءتیں درست ہیں۔ (مناہل العرفان جلد اول)

۳ مشہور یہ ہے کہ عالم اسلام میں بھیجنے کے لئے پانچ مصاحف تیار کرائے گئے تھے لیکن ابن ابی داوٗد نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا ہے کہ کل سات نسخے لکھے گئے تھے جن میں سے ایک نسخہ مکہ مکرمہ' ایک نسخہ شام اور ایک

یمن، ایک بصرہ، ایک بحرین اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھ لیا گیا۔ (الاتقان جلد اول)

۴...... مزید احتیاط کے پیش نظر وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا چنانچہ وہ متفرق تحریریں اور مختلف مسودات جو عہد نبوی ﷺ سے صحابہ کے پاس محفوظ تھے انہیں دوبارہ طلب کیا گیا۔ ہر آیت کے لیے دو شاہد بھی طلب کئے گئے۔ حسب ضرورت حفاظ اور قراء سے بھی رجوع کیا گیا۔ اسی طرح اطمینان اور تنقیح کے لیے تمام ذرائع تحقیق، عمل میں لانے کے بعد یہ نئے نسخے مرتب کئے گئے۔

صرف ان آیات پر اعتبار کیا گیا جو تواتر کے ساتھ ثابت تھیں۔

۶...... منسوخ التلاوت آیات کو شامل نہ کیا گیا۔

۷...... بعض صحابہ کے خصوصی مصاحف میں آیات کے ساتھ جو الگ تشریحات لکھی ہوئی تھیں انہیں نئے نسخوں میں شامل نہ کیا گیا۔ (مناہل العرفان)

احراق مصاحف کی روایت

تدوین ثالث کی تفصیل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی منقولہ روایت کا آخری جملہ یہ ہے۔

"وَاَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِیْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ يُّحْرَقَ"

ترجمہ: اس کے علاوہ کسی صحیفے یا مصحف میں جو کچھ قرآن تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو نذرِ آتش کرا دیا۔

❁ ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہما نے شعیب سے روایت کی ہے۔

وَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّحَرِّقُوْا كُلَّ مُصْحَفٍ يُّخَالِفُ الْمُصْحَفَ الَّذِیْ اُرْسِلَ بِهٖ

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر وہ مصحف نذر آتش کرنے کا حکم دیا جو ان

مصاحف کے خلاف تھا جنہیں بلاد اسلامیہ میں بھیجا گیا۔

بعض روایات میں ان کو پھاڑ دینے یا دھوڈالنے کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔

جواز احراق: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ مسودے نذر آتش کروائے جو قرآن نہ تھے یا قرآن سے اس طرح خلط ملط ہو گئے تھے کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ جیسا کہ حضرت ملا علی قاری نے لکھا ہے۔

ضَیَّعَهُ کَانَ بِمَا ثَبَتَ اَنَّهُ لَیْسَ مِنَ الْقُرْآنِ اَوْمِمَّا اِخْتَلَطَ بِهٖ اِخْتِلَاطاً لَایُقْبَلُ الْاِنْفِکَاکَ"

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نذر آتش اسے کرایا جو قرآن نہ تھا یا قرآن سے اسطرح خلط ملط ہو گیا تھا کہ جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ (مرقات جلد۲ص۶۳۱)

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"غَسَلُوْ هَا بِالْمَآءِ ثُمَّ اَحْرَقُوْهَا مُبَالَغَةً فِیْ اِذْهَابِهَا"

ترجمہ: انہوں نے پہلے پانی سے دھولیا پھر جلایا تا کہ اچھی طرح تلف ہو جائے۔

مسلک احناف: قرآن جلانا جائز ہے یا نہیں اس کے متعلق حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْ وَرَقِ الْمُصْحَفِ الْبَالِیْ اِذَالَمْ یَبْقِ فِیْهِ نَفْعٌ اَنَّ الْاَوْلٰی هُوَ الْغَسْلُ اَوِالْاِ حْرَاقُ فَقِیْلَ الثَّانِیْ لِاَنَّهٗ یَدْفَعُ سَائِر صور الامتهان بِخَلَافِ الْغَسْلِ فَاِنَّهٗ تداس غسالته وقیل الغسل وتصب الغسالة فی مکان طاهر لان الحرق فیه نوع اهانة (مرقات جلد۲ص۶۳۱)

ترجمہ: قرآن کا بوسیدہ ورق جس سے کوئی فائدہ نہ رہے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اسے دھوڈالنا بہتر ہے یا جلادینا ایک قول یہ ہے کہ جلانا بہتر ہے کیونکہ دھونے میں ایک قسم کی اہانت یہ ہوگی کہ غسالہ پاؤں سے روندا جائے گا اور جلانے میں

ایسی کوئی اہانت نہیں دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا بہتر ہے غسالہ کو کسی پاک جگہ میں بہادیا جائے گا کیونکہ جلانے میں ایک طرح کی اہانت ہے۔

علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"قیل ھذا کان فی ذالک الوقت واما الان فالغسل اولیٰ اذارعت الحاجة الی ازالته وقال اصحابنا الحنفیة ان المصحف اذابلی بحیث لاینتفع به یدفن فی مکان طاھر بعیدعن وطاء "

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ' جلانا اس وقت تھا لیکن اب اگر ایسی ضرورت ہوتو دھونا ہی بہتر ہے۔ ہمارے علماء حنفیہ نے فرمایا کہ جب قرآن اتنا بوسیدہ ہوجائے کہ تو اس سے فائدہ حاصل نہ کیا جاسکے تو لوگوں کی پامالی سے دور کسی پاک جگہ دفن کردیا جائے۔

بہرحال اس سلسلے میں قرآن کریم کی عظمت کا احساس غالب رہنا چاہیے اور سب احترام کے تقاضوں اور اہل اسلام کے جذبات کو پیش نظر رکھ کر دفن کرنا یا جلانے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے جلانے کا اہتمام اس لیے کرایا تھا کہ فتنہ ءاختلاف بالکل معدوم ہوجائے اور آئندہ کوئی شخص مسلمانوں میں انتشار پیدا نہ کرسکے اور اس سلسلے میں ہر قسم کا وہم اور شک دور ہوجائے۔

صحابہ کرام کی تائید: بخاری نے باب خلق افعال العباد میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری نے مصاحف میں مصعب بن سعد سے روایت کی ہے۔

"قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ مُتَوَافِرِیْنَ حِیْنَ حَرَّقَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِف فَاَعْجَبَهُمْ ذَالِكَ وَلَمْ یُنْكِرْ ذَالِكُمْ مِنْهُمْ اَحَدٌ "(کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۱)

ترجمہ: میں نے بھاری تعداد میں ایسے لوگوں کو اس وقت پایا جب حضرت عثمان نے مصاحف کو نذرآتش کرایا سب نے اسے پسند کیا اور کسی نے اسکا انکار نہ لیا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تائید

ابن ابی داؤد نے بسند صحیح حضرت زید بن غفلہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا

''قَالَ عَلِیٌّ لَاتَقُوْلُوْا فِیْ عُثْمَانَ اِلَّا خَیْرًا فَوَاللّٰہِ مَافَعَلَ الَّذِیْ فَعَلَ فِی الْمَصَاحِفِ اِلَّا عَنْ مَلَاءٍ مِنَّا''

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلمہ خیر ہی کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا صرف اپنی رائے سے نہیں بلکہ ہمارے مشورے سے کیا ہے۔ (الاتقان)

انہی سے ایک روایت میں ہے

لَوْ وُلِّیْتُ لَعَمِلْتُ بِالْمُصْحَفِ الَّذِیْ عَمِلَہٗ عُثْمَانُ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اس وقت میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو عثمان نے کیا۔ (مناہل العرفان وغیرہ)

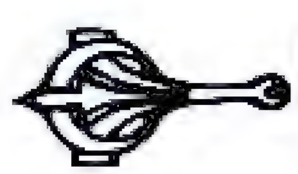
تدوین ثالث کا مقصد

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تدوین قرآن کا مقصد اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کتابی شکل میں مقید کرنا تھا جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تدوین قرآن کا مقصد تمام امت کو ایک نسخہ پر متفق کرنا اور اختلاف قرأت کی بناء پر پیدا ہونے والے فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا تھا۔

اعراب قرآن

خط عربی میں پہلے حرکات،سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا اس لیے قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے۔تَعْلَمُوْنَ ، یَعْلَمُوْنَ، فَتَحَ ،فُتِحَ، سَمَرَ ،شَمَرَ سب کی شکلیں یکساں ہوتیں مگر یہ عرب کی قدرتی زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا کہ وہ ان سب کے بغیر اصلی حرف وحرکت کی تعیین کر لیتے اور صحیح پڑھتے ۔مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریبا پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے۔ جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب وعجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قرأت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہم شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لیے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ حضرت نصر بن عاصم لیثی نے نقطے ایجاد کئے جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا سب سے پہلے باء اور تاء پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لیے نور اور رونق ہیں ۔انہوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کو سب سے پہلے ایجاد کرنے والے ابوالاسود دئلی تابعی بصری ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طریقہ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی انہوں نے ایک شخص کو ''اِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلِهٖ '' (بکسرۂ لام) پڑھتے سنا (جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ بیشک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انہوں نے فرمایا ''مَعَاذَ وَجْهِ اللّٰهِ اَنْ یَّبْرِیْٓءَ مِنْ رَسُوْلِهٖ '' (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انہیں اعراب



کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کیا مگر اس وقت زبر، زیر اور پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

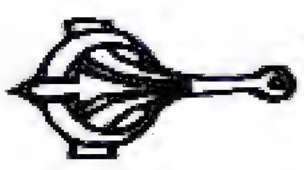
فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لیے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا بلکہ اس کے لیے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے۔ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کے لیے حرف کے اندر ایک نقطہ اور تشدید کے لیے دو نقطے مقرر کئے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید مد ہمزہ جزم وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور کسرہ، فتحہ، ضمہ (زبر، زیر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بھی لوگوں نے قرأت میں غلطیاں دیکھیں تو اس کے حل پر بھی غور کیا مگر سوائے اس کے کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قراء، علماء اور حفاظ سے زبانی طور پر اصلاح اور تعلیم و تلقین حاصل کریں۔

پھر علماء امت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید اور علم قرأت مختلفہ میں باقاعدہ کتابیں لکھیں، تمام امور کی توضیح و تنقیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرمادیا۔

قرآن الگ الگ سورتوں میں تو شروع ہی سے منقسم تھا۔ سابق مضمون میں ایک حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ سات منزلوں کی تعین و تقسیم بھی عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ پاروں کی تقسیم، حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) لگی ہوتی ہے اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رکوع کیا کرتے اس



کے اختتامی کنارے پر یہ علامت (ع) لگادی گئی۔

(تفسیر روح البیان از علامہ اسماعیل حقی م ۱۱۳۷ھ ج۹ ص۹۹ آخر سورۃ حجرات مطبع عثمانیہ استنبول ۱۹۲۶ء تفسیر نعیمی از مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ م ۱۳۹۱ھ مقدمہ)

قرآن کی سورتوں، آیتوں اور کلمات وحروف کی تعداد

تمام معتبر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ آیتوں کے بارے میں ابوعمر دوانی ارشاد فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع، سب کہتے ہیں زائد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن الضریس نے سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں اور تین لاکھ تیئس ہزار چھ سو اکہتر حروف ہیں۔ ایک جماعت نے کلمات قرآن ستتر ہزار نو سو چونتیس شمار کیے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

(الاتقان ج ۱ نوع ۱۹ ص ۶۹، ۷۲ مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ فی موضوعات العلوم احمد بن مصطفیٰ طاشکبری زادہ ج ۲ ص ۳۹۴ تا ۳۹۶)

اعجاز قرآن

اعجاز قرآن کا مسئلہ امت میں ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے اور اس موضوع پر ہر دور میں علمائے محققین، مختلف کتابیں تصنیف فرماتے رہے ہیں چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانی' الزملکانی' خطابی' الزمانی' ابن سراقہ' امام رازی' امام جلال الدین سیوطی' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کی کتابیں اس مسئلہ پر بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

معجزہ کی تعریف

قرآن کے کلام معجز ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ معجزہ کا لفظ اعجاز سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ''عاجز کر دینا'' اصطلاح شرع میں ہر اس خارق عادت امر کو معجزہ کہا جاتا ہے جو پیغمبر کے ذریعے اس طرح ظاہر ہو کہ قدرت بشریہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے تاکہ لوگوں کو وہ چیز' انسانی' مادی قوت سے بالاتر اور اسباب ظاہری سے خارج جان کر یقین آ جائے کہ یہ لامحالہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہی ہے جو انبیاء و مرسلین کی صداقت و حقانیت کا واضح اور ٹھوس ثبوت مہیا کرتا ہے۔

معجزات دو قسم پر ہیں ١۔ معجزات حسیہ ٢۔ معجزات عقلیہ (معنویہ)

انبیاء کرام کو بالعموم معجزات حسیہ دیئے گئے جو محسوس و مشاہد تھے اور آنکھوں سے دکھائی دیتے تھے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار کا گلزار ہو جانا' موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا' سمندر میں عصا مارنے سے راستے بن جانا' پتھروں سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہونا' عیسیٰ علیہ السلام کا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا' مردوں کا زندہ کرنا' پرندوں کی صورتیں بنا کر ان میں جان پھونک کر اڑا دینا' داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہے کا موم کی طرح نرم ہو جانا وَغیرَ ذالکَ

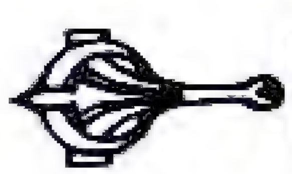
کیونکہ امم سابقہ میں اکثریت بلید الذہن لوگوں کی تھی جن پر حماقت وجہالت کا غلبہ اور فہم وفراست اور نور بصیرت کا فقدان تھا اس لیے ان کے سامنے انبیاء کے ایسے معجزات پیش کیے گئے جو آنکھوں سے نظر آسکیں اور معمولی سمجھ والے کو بھی اپنی طرف کھینچ سکیں۔

معجزات عقلیہ

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے سامنے زیادہ تر معجزات عقلیہ (معنویہ) ظاہر کئے گئے جن کا غالب تعلق فہم وفراست اور عقل وبصیرت سے تھا کیونکہ عرب کے وہ سردار جو وحی کے اولین مخاطب تھے ان میں اکثریت اہل فکر وتدبر کی تھی اس لئے ان کو باطنی، معنوی اور روحانی معجزات دکھائے گئے لیکن چونکہ ان اہل عرب میں کچھ کم فہم، احمق اور موٹے ذہن کے افراد بھی تھے ان کے لیے عقلی معجزات کے ساتھ ساتھ حسی معجزات بھی جمع کر دیئے گئے تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ (وللہ الحمد)

قرآن عقلی معجزہ ہے

معجزات، دلائل نبوت ہوا کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ تمام نبیوں کو معجزات دے کر مبعوث فرماتا ہے چونکہ سرور عالم ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے اس لیے آپ کو ایسے معجزات دیئے گئے جو آپ کی رسالت اور شریعت کے مناسب تھے اور آپ کی وفات پر انبیائے سابقین کی طرح منقطع ہونے والے نہ تھے بلکہ ان کی معجزانہ شان قیامت تک کے لیے باقی اور قائم رہنے والی تھی اس طرح آپ کی نبوت کے دلائل، زیادہ تر معجزات عقلیہ بنائے گئے جن میں سب سے بڑا اور مہتم بالشان معجزہ قرآن کریم ہے، معجزات حسیہ چونکہ وقتی تھے اس لیے حضرات انبیاء کے زمانوں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اب عصا، ید بیضا، احیاء موتیٰ جیسے معجزات کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا لیکن قرآن حکیم حضور ﷺ کا ایسا ب



مثال عقلی معجزہ ہے جو کسی زمانے کے ساتھ کبھی ختم نہ ہوگا اور آنے والے لوگ ہر دور میں آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لاتے رہیں گے ؎

خدا کا منحرف امی نبی کی شان کو دیکھے
نبوت کو پرکھنا ہو تو اس قرآن کو دیکھے

اُمہات معجزات

معجزہ کا مقصد مخلوق کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دینا ہے اس اعتبار سے معجزے کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہوتی ہے جو تحت قدرت ہو لیکن پھر بھی لوگ اس کام کے کرنے سے عاجز رہ جائیں ان کو عاجز کر دینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے صدق پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ یہود کا دل موت کی تمنا کرنے کی جانب سے پھیر دینا اور کفار مکہ کا قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہ جانا وغیرہما۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی قدرت سے خارج ہے اور وہ ان کی مثل لانے پر قادر ہی نہیں ہو سکتے جیسے چاند کو دو ٹکڑے کرنا' درختوں اور پتھروں کا کلام کرنا' انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا وغیرہم۔ یہ ایسے کام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ نبی کے ہاتھ پر ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کا اپنا فعل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ انکار کرنے والوں کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ تم بھی اس کی مثل پیش کرو یہ ان کا عجز دکھانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا" (بنی اسرائیل)

ترجمہ: فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جنات اکٹھے ہو کر اس قرآن جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو اس کی مثل پیش نہ کر سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی امداد کیوں نہ کریں۔

o...... سرور عالم ﷺ کے معجزات لاتعداد ہیں جن کا شمار احاطہ بشری سے خارج ہے تاہم آپ کے معجزات عقلیہ میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی مثل ایک سورۃ بلکہ ایک آیت بھی آج تک ساری دنیا مل کر پیش نہیں کرسکی۔ کفار و مشرکین عرب جب قرآن کے اعلان صداقت کے خلاف کوئی آواز بلند کرنے پر قادر نہ ہوسکے تو یہ پراپیگنڈہ شروع کردیا کہ:

"لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِ"

ترجمہ: یعنی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتیں؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

ترجمہ: یعنی کیا ان کو یہ سب سے بڑی نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا جو ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔

یعنی یہ لوگ قرآن سے بڑھ کر اور کیا معجزہ و نشانی تلاش کرتے ہیں قرآن ہی تو سب سے بڑا معجزہ ہے۔

اسی طرح آپ کے معجزات حسیہ میں سب سے بڑا معجزہ "شق القمر" ہے جس کا ذکر اس آیہء کریمہ میں فرمایا گیا۔

"اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ"

ترجمہ: یعنی قیامت قریب آ گئی اور چاند ٹکڑے ہوگیا۔

یہ وہ عظیم الشان معجزہ ہے جس کا انکار کوئی پرلے درجے کا بدبخت اور بے دین ہی کرسکتا ہے کیونکہ قرآن کے علاوہ احادیث بھی اس معجزے کی صداقت پر گواہ ہیں۔

وجوہ اعجاز

علماء محققین اور مفسرین امت نے وجوہ اعجاز پر مستقل کتابیں تالیف فرمائی

ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اعجازی خصوصیات علوم ومعارف کا وہ بحر ناپیدا کنار ہیں جن کا احاطہ کرنا بشری طاقت سے باہر ہے تاہم آئمہ مفسرین نے اپنی بصیرت کے مطابق اعجازی خصوصیات کے کچھ ایسے چند اصول وکلیات کا بیان فرمایا ہے جو بہت سے وجوہ اعجاز کو حاوی وشامل ہیں۔ان خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ اعجاز الفاظ ۲۔ اعجاز ترکیب ۳۔ اعجاز اسلوب ۴۔ اعجاز نظم

اعجاز الفاظ

پورے قرآن پاک میں الحمد سے لے کر والنّاس تک کوئی ایک لفظ بھی غیر فصیح نہیں بلکہ ہر لفظ جس مقام پر آیا ہے وہ فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ایسا اٹل ہے کہ اسے بدل کر اس کی جگہ اسی فصاحت وبلاغت کے ساتھ دوسرا لفظ لانا ممکن ہی نہیں ہے۔قرآن اپنے مقصد کی ادائیگی کے لیے وہی لفظ یا کلمہ منتخب فرماتا ہے جو معنی کی ادائیگی' مقصد کی وضاحت' عبارت کے سیاق وسباق اور اسلوب کے بہاؤ کے لحاظ سے ایسا موزوں ترین ہو کہ اس مراد کے ادا کرنے کے لیے اس سے زیادہ جامع اور بلیغ کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا' یہ حقیقت چند مثالوں سے واضح ہوسکتی ہے۔

مثال اول :- لغت عرب میں موت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے متعدد الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔مثلاً'' الموت' الحتف' الحمام' الھلاک' المنون' الشعوب' السام' الفناء' المنیۃ القاضیۃ' الطلاطل' الخالج' القیتم' الجبار' الشجب '' وغیرہا مگر قرآن نے ان تمام الفاظ کی بجائے موت کے لیے لفظ توفی استعمال فرمایا ہے جس کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا'' کیونکہ موت کی حقیقت' روح حیوانی کے اجزاء کو جسم سے سمیٹ کر نکال لینے کا نام ہے اس لیے حقیقت موت کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ تُوَفّی سے زیادہ جامع وبلیغ کوئی لفظ نہیں ہوسکتا تھا نیز اس کلمہ کے استعمال نے دور جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی رد کردیا کہ موت' فنائے محض اور عدم مطلق کا نام ہے۔

قرآن نے تُوَفّٰی کا لفظ استعمال کر کے یہ حقیقت واضح فرمادی کہ موت فنائے محض اور اعدام مطلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح قبض کر لینے کا نام موت ہے اور ہر انسان کی روح' اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ اور موجود ہے وہ جب چاہے گا جسم کے منتشر اجزاء کو یکجا کر کے ان میں روح دوبارہ لوٹا دیگا۔

"وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْر" (الآیہ)

موت کے لئے یہ لفظ قرآن حکیم سے پہلے کسی نے استعمال نہیں کیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ" (السجدہ)

لفظ تُوَفّٰی نے جہاں موت کی حقیقت واضح کی اس کے ساتھ **مسئلہ بعث بعد الموت** کو بھی واضح کر دیا۔ **والحمد لله علی ذالک**

مثال دوم : عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے بھی مستعمل ہیں جو مفرد ہونے کی حالت میں تو زبان پر سہل' سبک اور فصیح ہوتے ہیں لیکن ان کی جمع ثقیل معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ ارض (زمین) پر سہل اور سبک ہے اس کی جمع ارضون اور اراضی ہے جس کے الفاظ ثقیل اور بوجھل محسوس ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے کلام کی سلاست میں بھی فرق واقع ہو جاتا ہے۔ جمع کا مفہوم ادا کرنے کے لیے فصحاء اور ادبائے عرب جمع کے صیغے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں خواہ کلام میں کتنا ہی ثقل واقع ہو جائے۔ اس کے برعکس قرآن نے متعدد مقامات پر سماوات کو بصیغہ جمع اور ارض کو بصیغہ مفرد استعمال کیا ہے ایک مقام پر سات زمینوں کا ذکر (بصیغہ جمع) مطلوب تھا لیکن قرآن نے صیغہ جمع سے احتراز کر کے ایسی حسین اور دلکش تعبیر اختیار فرمائی کہ مفہوم بھی ادا ہو گیا اور کلام کے حسن میں اضافہ دراضافہ ہو گیا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰات وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ"

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین سے بھی ان کی مثل۔

اس آیت کریمہ میں سماء (آسمان) کی جمع سماوات تو لائی گئی مگر ارض کی جمع لانے کی بجائے ''مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ'' کی تعبیر استعمال فرمائی جس کے مفہوم ومعانی میں فصاحت و بلاغت کے دریا موجزن ہیں۔

مثال سوم:- ہر لغت میں بعض الفاظ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو صوتی اعتبار سے پسندیدہ نہیں سمجھے جاتے لیکن ان کا مفہوم ادا کرنے کے لئے ان کے پاس متبادل لفظ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال پر مجبور ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی میں تعمیر مکان کے لیے پکی ہوئی اینٹوں سے متعلق جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سب ثقیل اور ناپسندیدہ ہیں جیسے کہ ''اجر، قرمد، طوب''

قرآن میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کرنے کے لیے اینٹیں پکاؤ، اس واقعے کو بیان کرنے کے لیے اینٹ کا لفظ استعمال کرنا ناگزیر تھا قرآن نے اس مفہوم کو ایسے معجزانہ انداز سے بیان کیا ہے کہ مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ثقیل الفاظ کے استعمال کی قباحت بھی پیدا نہیں ہونے دی چنانچہ ارشاد فرمایا:

''فَاَوْقِدْ لِیْ یَا هَامَانُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحاً''

ترجمہ: پس اے ہامان گیلی مٹی پر آگ روشن کر کے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو۔

اس آیت میں اینٹیں پکانے کا مفہوم ادا کرنے کے لیے ثقیل الفاظ کی بجائے ''اَوْقِدْ لِیْ عَلَى الطِّیْنِ'' کے الفاظ کی خوبصورت تعبیر اختیار کرنے پر ذوق سلیم اور طبع فہیم کو وجد آجاتا ہے اور قرآن کے اعجاز لفظی کی خصوصیات پر یقین اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

اعجاز ترکیب

قرآن حکیم کے اعجاز کا ایک پہلو آیتوں اور جملوں کی ترکیب کا اعلیٰ اور بے

مثال معیار ہے۔قرآن ایک ایسی خاص ترکیب اختیار کرتا ہے کہ اس مقام پر مراد کو ادا کرنے کے لیے وہی سب سے زیادہ بلیغ اور جامع ہوتی ہے اگر اس ترکیب میں معمولی سا ردوبدل یا تقدم وتأ خر کردیا جائے تو بلاغت میں وہ حسن اور سلاست میں وہ شیرینی نہیں رہتی جو قرآن کی اعجازی شان کے لائق ہے۔

یہاں اس حقیقت کو تین مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال اول: -لغت عرب میں قاتل سے قصاص لینے کے لیے کئی مقولے مشہور اور رائج تھے۔مثلاً ''اَکْثِرُوا الْقَتْلَ لِیُقِلَّ الْقَتْلَ ''(قتل زیادہ کروتا کہ قتل کم ہو جائے' اسی طرح ''اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ '' (قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے)اس قسم کے جملے قصاص کا مفہوم ادا کرنے کے لئے زبان زدعام تھے اور اہل عرب ان جملوں کو فصیح سمجھتے تھے لیکن قرآن نے قصاص کے مفہوم کو جس انوکھی شان سے ادا فرمایا ہے لغت عرب کے تمام جملے اس کی معنویت' جامعیت اور سلاست وفصاحت کے آگے سربسجود نظر آتے ہیں ملاحظہ ہو:

''وَلَکُمْ فِیْ الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِیْ الْاَلْبَابَ''(البقرہ)

ترجمہ: اورتمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو!

غور فرمائیں ! یہ جملہ کس قدر بلاغت کا شہکار معلوم ہوتا ہے۔

مثال دوم:- حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں زلیخا(امراۃ العزیز) کا ان کو اپنی طرف مائل کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔جس انداز میں قرآن نے اس واقعہ کو ادا کیا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا انداز یا دوسری تعبیر وترکیب اس مفہوم کو ادا نہیں کرسکتی تھی۔مثلاً فرمایا گیا

''وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَفِیْ بَیْتِھَا عَنْ نَّفْسِہٖ ''

ترجمہ: اور پھسلایا یوسف علیہ السلام کو ان کے نفس سے اس عورت نے کہ جس کے گھر میں وہ تھے۔

اپنی طرف مائل کرنے اور پھسلانے والی عورت کے لیے اور بھی کئی تعبیریں اور ترکیبیں ممکن تھیں اس کا نام یا لقب (زلیخا' امراۃ' سیدۃ البیت) بولا جا سکتا تھا۔ لیکن قرآن نے باقی تمام عنوانات چھوڑ کر ''اَلَّتِی ھُوَفِیْ بَیْتِھَا'' کا عنوان اختیار کر کے جو مقصد ادا فرمایا ہے وہ کسی دوسرے عنوان سے ادا ہونا ممکن نہ تھا اور وہ مقصد مخاطب کو یہ بتانا اور سمجھانا تھا کہ اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے والی عورت محض ایک عام عورت نہ تھی جو صرف جنسی تقاضوں اور طبعی خواہشوں کی بناء پر ایسا کہہ رہی تھی بلکہ وہ اس گھر کی مالکہ تھی یوسف علیہ السلام اس کے انعامات و اکرامات کے سامنے ممنون تھے خلوت بھی حاصل تھی اور دروازے بھی بند کر رکھے تھے اور یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں رہتے تھے اور وہ تحکم و تنبیہ کے لہجے میں کہہ رہی تھی ''ھَیْتَ لَکَ'' جلدی کر۔ غور فرمائیں! کہ ان تمام اسباب و احوال کے جمع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نبی برحق کا جواب یہ تھا۔

''مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ...... '' الخ

ترجمہ: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) میرا مربی اور محسن ہے' اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے میں اس کی امانت میں خیانت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ ایسا کرنا ظلم ہے اور بے شک ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔

اس جگہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی عصمت و عفت اور پاک دامنی واضح ہو جائے۔ مذکورہ بالا دونوں مقاصد جس شان کے ساتھ ان آیتوں کی حسن ترکیب اور کمال ترتیب سے بیاں و عیاں ہو رہے ہیں وہ کسی دوسری ترکیب لفظی اور ترتیب معنوی سے ہرگز ادا نہیں ہو سکتے تھے۔

قرآن کا یہی وہ اعجاز ترکیب ہے جس کے متعلق امام رازی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔

''اِنَّ الْقُرْاٰن کَمَا اَنَّہٗ مُعْجِزٌ بِحَسْبِ فَصَاحَۃِ اَلْفَاظِہٖ وَشَرْفِ مَعَانِیْہِ فَھُوَ اَیْضًا مُعْجِزٌ بِحَسْبِ تَرْتِیْبِہٖ وَنَظْمِ اٰیَاتِہٖ'' (تفسیر کبیر جلد دوم)

ترجمہ: قرآن کریم جس طرح اپنے الفاظ کی فصاحت اور معانی کے شرف کے اعتبار سے معجزانہ شان رکھتا ہے وہ اسی طرح کلمات کی ترتیب اور آیات کے نظم و ربط کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔

مثال سوم:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب فرعونی فوجوں کو اپنے تعاقب میں دیکھا تو پکار اٹھی ''اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ'' ہم تو پکڑے گئے۔اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جلال کے لہجے میں فرمایا''كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ...... '' الخ

ترجمہ: خبردار! ایسا نہیں بیشک میرے ساتھ تو میرا رب ہے وہ مجھے راہ دیتا ہے۔

اسی مفہوم سے ملتے جلتے وہ الفاظ ہیں جو سرور عالم ﷺ نے غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا''

ترجمہ: غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے

یہ دونوں آیتیں ظاہری لحاظ سے قریب المعنیٰ ہیں۔

یعنی دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کے شامل ہونے کا بیان ہے لیکن جس جگہ جو تعبیر و ترکیب لفظی اختیار کی گئی ہے وہی اس مقام کی غرض وغایت صحیح طور پر بیان کر سکتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی قوم سے فرمایا اس میں ''كَلَّا'' حرف تنبیہ ہے اور ''مَعِيَ'' میں ضمیر واحد متکلم ہے اور معیت خداوندی کا صرف اپنے حق میں اظہار فرمایا ہے کیونکہ آپ کے مخاطبین پر مایوسی کا غلبہ تھا اور رحمت الٰہی اور معیت خداوندی کے شامل حال ہونے کا انہیں کوئی یقین نہ تھا اس لیے آپ نے بطور تنبیہ یہ عنوان اختیار کرتے ہوئے ضمیر واحد متکلم استعمال فرمائی کہ خبردار! میرا رب تو میرے ساتھ ہے۔

دوسری آیت ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' میں ضمیر جمع متکلم استعمال ہوئی ہے کیونکہ یہاں متکلم (سرور کائنات ﷺ) اور مخاطب (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

دونوں رحمت الٰہی اور معیت خداوندی کے ساتھ ہونے پر کامل یقین رکھتے تھے۔ اس لیے یہاں جمع متکلم کا عنوان ہی مناسب تھا۔ ذرا سا تامل کرنے کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر مندرجہ بالا ترکیب اختیار نہ کی جاتی تو دونوں جگہ عبارت اپنا مقصد ادا کرنے سے قاصر رہتی۔

یہی قرآن کا اعجاز ترکیب ہے جو اس کے کلام اللہ ہونے پر صراحۃً دلیل ہے۔

اعجاز نظم

قرآن کریم کا ایک خاص اعجاز اس کی آیات کا باہمی ربط و تعلق اور نظم الفاظ و ترتیب کلمات میں ہے۔ سرسری نظر سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے بظاہر یہ محسوس ہوگا کہ اس کی ہر آیت جدا مضمون کی حامل ہے اور ان کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے اسی وجہ سے نظم قرآن کے بارے میں مفسرین کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ قرآن کریم چونکہ تیئس سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے اس لیے ہمیں کوئی ربط و ترتیب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اس کی ہر آیت ایک مستقل مضمون کی حامل ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے۔ وہ شروع سے آخر تک باہم مربوط ہے اور اسی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ کسی کتاب کا بے ربط ہونا اس کے نقص کی دلیل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام لازماً اس نقص سے بری ہے۔ مگر پہلا گروہ اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ جس طرح کائنات کے قدرتی مناظر میں کوئی ربط اور ترتیب نہیں ہوتی بلکہ ان کا حسن ہی اس بے ترتیبی میں ہوتا ہے کہ کہیں بل کھاتا ہوا دریا ہے اور کہیں ناہموار پہاڑ ہیں کہیں اونچی نیچی وادیاں ہیں اسی طرح قرآن کریم کا حسن بھی اس کی اس مستقل حیثیت میں ہے۔ غزل کے ہر شعر کا موضوع جدا ہوتا ہے اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتا، پس (بلاشبہ) اسی طرح قرآن کریم میں بھی بے ترتیبی کوئی عیب نہیں بلکہ یہ اس کا قدرتی حسن و جمال ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کے درمیان نہایت لطیف ربط پایا جاتا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ورنہ اگر کوئی ترتیب ملحوظ نہ ہوتی تو ترتیب نزول اور ترتیب کتاب کی چنداں ضرورت نہ تھی، جس ترتیب سے قرآن حکیم نازل ہوا تھا اسی ترتیب سے لکھ لیا جاتا۔ یہ جو کتابت میں آنحضرت ﷺ نے ایک الگ ترتیب فرمائی ہے وہ اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے کہ قرآنی آیات میں ربط موجود ہے البتہ یہ ربط قدرے دقیق ہوتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے بڑے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس ربط کو اتنا دقیق اور غامض رکھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ ہر آیت کی ایک مستقل حیثیت باقی رہے اور اس کے الفاظ کا عموم ختم نہ ہونے پائے تا کہ ''اَلْعِبرَۃُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ'' پر عمل کرنا آسان ہو۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں اہل عرب کے خطبات و قصائد کا اسلوب عموماً یہی ہوتا تھا کہ ان کے مضامین مرتب اور مربوط ہونے کے بجائے مستقل حیثیت رکھتے تھے لہذا یہ طریقہ اس دور کے ادبی ذوق کے عین مطابق تھا چنانچہ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو قرآن کریم کی ہر آیت مستقل معلوم ہوگی لیکن جب آپ ذرا غور کی نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ پورا کلام مسلسل اور مربوط ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے اپنے نظم میں جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ اس کا دقیق ترین اعجاز ہے اور اس کی تقلید، بشری طاقت سے بالکل باہر ہے۔ بہت سے علماء نے قرآن کریم کے نظم کی توضیح کے لیے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں کے ضمن میں اسے بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اس معاملے میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر شاید سب سے زیادہ قابل تعریف کاوش ہے۔ انہیں اللہ نے نظم قرآن کی تشریح کا خاص سلیقہ اور خاص توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان کے بعد قاضی ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نظم قرآن کی خصوصیات کو بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ بعد کے بیشتر مفسرین اس معاملے میں انہی دو حضرات کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔

نظم قرآن کی ایک ہلکی سی جھلک اس مثال میں دیکھی جاسکتی ہے کہ سورہ حجر میں ایک جگہ ارشاد ہے

نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ o وَاِنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْعَلِیْمُ o

ترجمہ: میرے بندوں کوخبر دے دو کہ میں غفور اور رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔

اسکے بعد فوراً ارشاد ہے۔

"وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرَاهِیْمَ"

ترجمہ: اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دے دو

اور اس کے بعد فرشتوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے کا مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا لیکن ذرا غور سے دیکھئے تو درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پہلے جملے کی تائید ہے اس لیے جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے انہوں نے دو کام کئے ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے صالح بیٹے کی خوش خبری دی دوسری انہی فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی پر جا کر عذاب نازل کیا۔ پہلا کام "اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" کا مظاہرہ تھا اور دوسرا کام "عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْعَلِیْمُ" کا اس طرح یہ دونوں جملے باہم نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں لیکن الگ الگ دیکھئے تو ان کی مستقل حیثیت بھی ہے۔

اعجاز اسلوب

اعجاز قرآن کا سب سے روشن پہلو اعجاز اسلوب ہے۔ قرآن کا یہ عجیب وغریب اسلوب، لغت عرب کے نظم ونثر کے معارف، اور معتاد طریقے سے جدا اور ہر اسلوب سے ممتاز نظر آتا ہے عرب کے شعراء، فصحاء، بلغاء اور خطباء، قرآن کے اسلوب کو ہر نظم ونثر سے مختلف پاکر حیران ہوتے تھے کہ یہ اسلوب، یہ انداز بیان اور یہ

طرز کلام آخر کس معیار اور قاعدے پر ہے؟۔

قرآن کے اسلوب کی چند معجزانہ خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

پہلی خصوصیت :- علماء بلاغت کے نزدیک اسلوب کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔خطابی ۲۔علمی ۳۔ادبی

ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔اسی لیے کسی ایک عبارت یا جملے میں یہ تینوں اسالیب جمع نہیں ہو سکتے۔ایک ہی شخصیت جب خطاب کرے تو انداز اور ہوگا' جب کوئی علمی مقالہ لکھے تو اسلوب جدا ہوگا اور جب کوئی ادبی شہکار پیش کرے تو اسلوب نگارش علیحدہ ہوگا لیکن قرآن حکیم کا اعجاز ان تینوں اسالیب پر حاوی ہے۔

قرآن میں خطابت کی قوت اور شوکت ،علم کی متانت اور سنجیدگی' ادب کا زور اور دبدبہ پوری طرح موجود ہے اور کسی پہلو کے اعتبار سے بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی سارا قرآن اس خصوصیت کا بے مثال مظہر ہے۔

دوسری خصوصیت :- قرآنی نثر میں اشعار کے قواعد وضوابط' اوزان وقوافی کا اعتبار نہیں رکھا گیا لیکن اس کے باوجود قرآنی نثر میں ایسی حلاوت وشیرینی ہے کہ ہر پڑھنے اور سننے والا ایک ایسا لذیذ' شیریں اور متوازن صوتی آہنگ پاتا ہے کہ اشعار کا دامن بھی ایسی لطافت اور حلاوت سے خالی ہوتا ہے۔قرآن اپنے الفاظ وتراکیب کو اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ ہر حرف سے عظمت خداوندی ظاہر ہوتی ہے اور اس کی تلاوت سے دلوں میں انوار توحید کی بارش برسنے لگتی ہے۔انکے تلفظ سے انسان کا جمالیاتی ذوق بھی حظ وافر محسوس کرنے لگتا ہے۔کفار عرب نے اسی بنا پر قرآن کو شعر قرار دیا تھا وہ جانتے تھے کہ شعر کی تعریف اس کلام پر صادق نہیں آتی لیکن اس میں شعری ذوق اور وجدان کے لئے وہ جمالیاتی لذت بدرجہ اتم موجود ہے۔

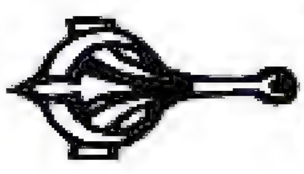
تیسری خصوصیت:- کسی بھی تقریر وتحریر میں اگر ایک مضمون یا ایک قصہ

بار بار دہرایا جائے تو متکلم یا محرر خواہ ادب وانشاء کا امام ہو ایک مرحلے پر پہنچ کر سامعین بے ذوق ہو جاتے ہیں اور طبیعت' انقباض وگرانی کے باعث اکتا جاتی ہے' کلام کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور کلام کی تاثیر بھی باقی نہیں رہتی لیکن قرآن کا یہ خاص اعجاز ہے کہ ایک ہی آیت یا قصہ مختلف انداز میں بار بار دہرایا جاتا ہے اور ایک ہی بات کئی مرتبہ بیان کی جاتی ہے۔ ہر اعادہ میں اس آیت' قصہ اور بات کا نیا لطف' نئی لذت' نئی تاثیر اور نیا کیف محسوس ہوتا ہے۔ جو قصہ دوسری بار بیان ہوتا ہے وہ ایسے نئے اور نرالے انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ بالکل نئے مضمون اور نئے قصے کا احساس ابھرنے لگتا ہے۔ دنیا میں ایسا اسلوب بیان آج تک نہیں پایا گیا اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔

چوتھی خصوصیت :- قرآن مجید کے اسلوب کی ایک امتیازی خصوصیت ایجاز و اختصار ہے قرآن نے بالکل چھوٹے اور مختصر جملوں میں وہ وسیع وعریض علوم و مضامین سمیٹے ہیں کہ آنے والے ہر دور اور ہر زمانے کے لوگوں کو ان سے مکمل ہدایات مل رہی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس قدر مختلف الانواع والاوضاع علوم ومضامین بیان کئے ہیں کہ عقل انسانی ان کے ادراک واحاطہ سے عاجز وقاصر ہے۔

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِیْ الْقُرْآنِ لٰکِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ .

قرآن کے وہ تمام مضامین از قبیل وعظ ونصیحت ہوں یا امثال وقصص' ان میں ترغیب ہو یا ترہیب، تبشیر ہو یا تنذیر، وعدہ ہو یا وعید' وہ عقائد ہوں یا احکام' اوامر ہوں یا نواہی' وراثت کے قوانین ہوں یا تاریخی واقعات اپنی بے پناہ وسعتوں کے باوجود ایجاز واختصار کا ایسا دلکش اور لاجواب نمونہ ہیں کہ دنیا کی کسی کتاب اور کسی قادر الکلام کے کلام میں ایسی مثال نہیں مل سکتی۔ قرآن میں سیاست اور جہانبانی کے اصول بھی ہیں اور معاشیات وعمرانیات کے اسباق بھی' تاریخی حقائق بھی ہیں اور فلسفہ وسائنس کے عقدے بھی' لیکن ہر موضوع پر اختصار کے ساتھ ایسی جامع اور مربوط



ہدایات دی ہیں جو ہر دور اور ہر ماحول کے دنیاوی اور اخروی تقاضوں کے عین مطابق ہیں وہ آج بھی اور آئندہ بھی ٹھوکریں کھانے والی پسماندہ انسانیت کو نشان منزل دے رہی ہیں ۔

خدا کا منحرف امی نبی کی شان کو دیکھئے
نبوت کو پرکھنا ہو تو اس قرآن کو دیکھئے

شانِ نزول

کوئی واقعہ جو حضور ﷺ کے زمانہء حیات ظاہری میں رونما ہوا ہوتو اس کا حکم بیان کرنے کے لیے کوئی آیت نازل ہوئی یا حضور ﷺ سے کوئی سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوئی تو چونکہ وہ واقعہ یا سوال کسی آیت یا سورۃ کے نزول کا سبب بنا اس لیے اس کو آیت یا سورۃ کا شان نزول یا سبب نزول کہتے ہیں۔

قرآنی آیات کی قسمیں

قرآنی آیتیں دو قسم پر ہیں ایک قسم تو وہ آیتیں ہیں جو کسی خاص واقعہ، حادثہ یا سبب کی بناء پر نازل نہیں ہوئیں بلکہ صرف خلق خدا کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل ہوئیں جو بیشمار ہیں اور یہاں جن کے بیان کرنے کی ضرورت وگنجائش نہیں۔

دوسری قسم وہ آیات ہیں جو کسی خاص واقعہ، حادثہ یا سبب کی بناء پر نازل ہوئیں یہاں ان کا احاطہ بھی مقصود نہیں کیونکہ اس سلسلے میں علماء مفسرین نے مستقل اور جامع کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں شیخ علی بن المدینی، الواحدی، الجعبری اور ابن حجر، کے نام مشہور ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ''لباب النقول فی اسباب النزول ہے''

شان نزول کے علم کی اہمیت اور فوائد

کسی آیت کے شان نزول کے بارے میں جاننے کے تین فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ:- تو یہ ہے کہ کسی خاص موقع پر آیت کے نزول میں حکمت الٰہیہ کا پتہ چلتا ہے اس میں ایک مسلمان اور کافر دونوں کیلئے فائدہ ہے۔ مثلاً جب کسی مسلمان کو

یہ علم ہوتا ہے کہ یہ آیت فلاں وجہ سے نازل ہوئی تو اس کا ایمان مزید مضبوط ہوتا ہے اور اس کے اندر احکام خداوندی اپنے اوپر نافذ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ ایک منصف مزاج کافر کو ایسی آیات' ایمان کی طرف رغبت دلاتی ہیں اور یہ بات کھل کر اس کے سامنے آتی ہے کہ احکام اسلامی' انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل ہوئے ہیں صرف جھگڑوں کے فیصلے کرنے کے لئے نہیں۔

دوسرا فائدہ:- یہ ہے کہ کسی آیت کے شان نزول کے علم سے اس آیت کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ امام واحدی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شان نزول کے علم کے بغیر کسی آیت کی تفسیر جاننا ناممکن ہے۔

تیسرا فائدہ:- یہ ہے کہ جب شان نزول کا پتہ ہو تو کسی آیت کو یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال: سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تَوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ "

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق اور مغرب پس جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔

اس آیت مبارکہ کے ظاہری مفہوم سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ جدھر جی چاہتا ہے منہ کر کے نماز پڑھ لیں لیکن جب ہمیں اس کے شان نزول کا علم ہوا کہ یہ آیت تو حالت سفر میں مسافر کے بارے میں ہے یا سمت قبلہ معلوم نہ ہونے پر اجتہاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو ہمیں اس آیت کی سمجھ آئی کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

دوسری مثال : حضرت عروہ بن زبیر کو صفا اور مروہ کی سعی کے فرض یا واجب ہونے میں یہ آیت پڑھ کر شک ہوا:

''اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا''

یعنی حج وعمرہ کرنے والے کے لیے صفاومروہ کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں

اس سے تو بظاہر گناہ کی نفی ثابت ہوتی ہے فرضیت ثابت نہیں ہوتی لہذا جب حضرت عروہ بن زبیر نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ سے سوال کیا تو انہوں نے اس آیت کا شان نزول بیان کیا کہ مشرکین مکہ نے غلبہء اسلام سے قبل ایک بت صفا اور ایک کوہ مروہ پر رکھا ہوا تھا تو دوران سعی وہ دونوں بتوں کو چومتے تھے لہذا بعض مسلمانوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ شاید کوہ صفاومروہ کی سعی کرنا گناہ ہو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس طرح حضرت عائشہ نے ان کو سمجھایا کہ یہاں گناہ کی نفی ہے فرضیت کی نفی نہیں ہے۔

تیسری مثال : اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

''وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہِ رَمٰی '' (الانفال)

ترجمہ: اور جس وقت آپ نے پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی

اس میں غزوہ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضور ﷺ نے کفار کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔

غور فرمائیے ! اگر یہ شان نزول سامنے نہ ہو تو اس آیت کا مطلب واضح نہیں ہو سکتا۔

ان چند مثالوں سے یہ امر بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں شان نزول کی کیا اہمیت اور فائدے ہیں۔

جو لوگ شان نزول جاننے کی اہمیت اور فائدوں کے قائل نہیں دراصل وہ لوگ قرآنی علم سے بے بہرہ ہیں اور قرآن میں اپنی من مانی تاویلات کرنا چاہتے ہیں۔

(والعیاذ باللہ تعالیٰ)

اسباب مختلف ہوں لیکن آیت ایک ہی نازل ہو

جب کسی آیت کے بارے میں دو روایتیں ہوں کہ یہ آیت فلاں واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی، دوسری روایت میں ہو کہ فلاں سبب سے نازل ہوئی ایسی صورت میں ان دونوں روایتوں کے بارے میں دیکھا جائیگا یا تو ایک روایت صحیح ہوگی اور دوسری غیر صحیح یا دونوں روایتیں صحیح ہوں گی اور ان میں کوئی سبب ایسا ہوگا جس کی وجہ سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دی جا سکے یا دونوں صحیح ہوں اور ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جا سکے لیکن دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو یا دونوں صحیح ہوں ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جا سکے نہ ہی دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو یہ چار صورتیں بنتی ہیں۔

ا...... پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شان نزول کے بارے میں دو روایتیں ہوں ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح ہو تو صحیح پر اعتماد کیا جائے گا اور غیر صحیح کو رد کر دیا جائے گا اس کی مثال وہ روایت ہے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے کہ حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے ایک دو راتیں نوافل کے لئے قیام نہ کر سکے تو ایک عورت آئی اور کہا اے محمد ﷺ میرا خیال ہے تیرے رب نے تجھے چھوڑ دیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

" وَالضُّحٰیo وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰیo مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰیo...... "الخ (والضحیٰ)

اسی بارے میں ایک دوسری روایت ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے حضرت حفص بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک جرو؟ حضور اکرم ﷺ کے گھر میں داخل ہوا اور آپ کی چٹائی کے نیچے مر گیا تو آپ ﷺ پر چار دن تک وحی نہ آئی۔ آپ نے

حضرت خولہ سے کہا کیا وجہ ہے چار دن سے جبریل نہیں آئے؟ تو انہوں نے گھر کی صفائی کرتے ہوئے اس جرو کو نکالا تو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ''وَالضُّحٰی...... '' الخ

اس وقت ہمارے سامنے ایک آیت کے شان نزول کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پس ہم پہلی روایت کو ترجیح دیں گے جو صحیح ہے اور دوسری روایت میں ایک راوی مجہول ہے لہٰذا وہ مرجوح ہے۔

۲...... دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شان نزول کے بارے میں دونوں روایتیں صحیح ہوں تو ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی اور وجہ ترجیح یہ ہوگی کہ یا تو ایک روایت دوسری کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہوگی یا ایک روایت کا راوی بہ نسبت دوسری کے واقعہ کا عینی شاہد ہوگا۔ مثلاً امام بخاری حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں پیدل چل رہا تھا کہ راستے میں یہود کی ایک جماعت نے حضور ﷺ سے ''روح'' کے بارے میں سوال کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ...... الخ (بنی اسرائیل)

۞ اسی کے متعلق دوسری روایت ہے جسے امام ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ کوئی سوال، محمد سے پوچھنا چاہتے ہو تو بتاؤ! تو انہوں نے کہا روح کے متعلق سوال کرو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ...... الخ

پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی جبکہ دوسری سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ میں قریش کے سوال پر نازل ہوئی۔

پہلی روایت زیادہ راجح ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پہلی امام بخاری کی روایت کردہ ہے جبکہ دوسری کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ بخاری کی روایت کو دوسروں کی روایت پر ترجیح ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی روایت کے راوی

ابن مسعود اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں جبکہ دوسری روایت میں ایسا نہیں۔

۳...... تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شان نزول کے بارے میں جب دو روایتیں ہوں اور دونوں برابر ہوں کہ ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جاسکے تو ہم کہیں گے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعدد اسباب ہیں اور ایسا کہنے میں کوئی امر مانع بھی نہیں۔علامہ ابن حجر کہتے ہیں۔ ''لَامَانِعَ مِنْ تَعَدُّدِ الْاَسْبَابِ''

اس کی مثال وہ روایتیں ہیں جنہیں بخاری نے روایت کیا ہے۔مثلاً

❁ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی کہ میں نے اسے شریک بن سحماء کے ساتھ خلوت میں دیکھا ہے حضور ﷺ نے گواہی مانگی انہوں نے قسم کھائی کہ میں سچ کہتا ہوں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

''وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ'' (النور)

❁ اسی سلسلہ میں دوسری روایت بھی امام بخاری نے روایت کی ہے سہل بن سعد سے کہ عویمر نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اگر ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں کسی غیر مرد کو پائے؟ تو حضور نے فرمایا اللہ نے تیرے اور ہلال بن امیہ کے بارے میں آیت اتاری ہے اور انہیں لعان کا حکم دیا۔

لہذا اس صورت میں ہم دونوں روایتوں پر عمل کرتے ہوئے کہیں گے کہ ایک آیت کے متعدد شان نزول ہیں۔

۴...... چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک آیت کے شان نزول کے بارے میں دو روایتیں ہوں اور دونوں پر بیک وقت عمل بھی نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی کسی خاص وجہ سے۔

امام زرکشی کہتے ہیں۔''قَدْ یُنْزَلُ الشَّیْءُ تَعْظِیْماً لِشَانِهٖ وَتَذْكِیْرًا

عِنۡدَ حُدُوۡثِ سَبَبِهٖ وَخَوۡفِ نِسۡیَانِهٖ"

۞ اس کی مثال وہ روایت ہے جیسے امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مثلہ بنایا گیا تو حضور ﷺ نے حضرت حمزہ کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر کہا کہ میں تیرے بدلے میں ستر کافروں کو مثلہ بناؤں گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَاعُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ"

۞ اسی سلسلہ میں دوسری روایت امام ترمذی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی جبکہ پہلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی۔

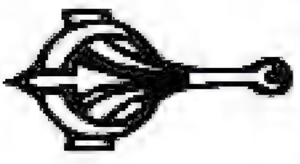
سبب یا شان نزول ایک ہو لیکن آیات مختلف نازل ہوں

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سبب ایک ہوتا اسے لیکن آیات مختلف ومتعدد نازل ہوتی ہیں' اس میں کوئی حرج بھی نہیں اور نہ ہی حکمت خالق کے منافی ہے کیونکہ اس میں مقصود' ہدایت مخلوق ہوتی ہے۔

اس کی مثال درج ذیل ہے۔

ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک نیلی آنکھوں والا آدمی آیا اس سے حضور ﷺ نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے گالیاں دیتے ہو؟۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسمیں کھانے لگا کہ ہم نے آپکو گالی نہیں دی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

"یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوۡا وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ...... " الخ (التوبہ)



۞ امام حاکم اور احمد نے اسی حدیث کو بعینہٖ ذکر کر کے لکھا ہے کہ پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعاً فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ...... الخ (المجادلہ)

دیکھا آپ نے سبب ایک ہی ہے لیکن آیات مختلف نازل ہوئیں۔

(وباللہ التوفیق)

قرآنی آیات کی ترتیب

لفظ آیت کا معنی: لفظ آیت قرآن مجید میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے اس کا ایک معنی معجزہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَةٍ بَیِّنَةٍ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی پوچھیے! بنی اسرائیل سے کہ ان کو ہم نے کتنے معجزات عطا فرمائے۔

آیت کا ایک معنی عبرت بھی ہے۔ جیسے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

ترجمہ: یعنی اس میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔

اسی طرح آیت کا لفظ' برہان ودلیل کے معنی میں بھی قرآن میں آیا ہے جیسے

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ......الخ'' (الروم)

ترجمہ: یعنی اللہ کے وجود کی دلیلوں میں سے ایک زمین وآسمان کی پیدائش بھی ہے

اصطلاحاً آیت سے مراد وہ جملے ہیں جو کسی سورۃ کے اندر لکھے ہوئے ہیں اور ایک مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔

آیت کو پہچاننے کا طریقہ

یہ جاننے کے لیے کہ فلاں جملہ آیت ہے یا نہیں نیز فلاں سورۃ میں کتنی آیات ہیں' ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے کیونکہ اس معاملہ میں ذہنی قیاس اور رائے زنی کی کسی کو مجال نہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور ابوداؤد میں ابوسعید بن معلٰی سے روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور ﷺ نے مجھے آواز دی میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ نماز پڑھ رہا تھا۔ پھر میں

(نماز کے بعد) حضور کے پاس آیا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ" (الانفال)

ترجمہ: یعنی اے مسلمانو! جب تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو فوراً آ جایا کرو۔

پھر فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی سورۃ نہ بتاؤں جو قرآنی سورتوں میں سے سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کی ضرور یارسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" ہے، یہ سبع مثانی ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے قرآن کی چوٹی سورۃ بقرہ ہے اور اس سورۃ میں ایک آیت ہے جو تمام قرآنی آیات کی سردار ہے وہ آیۃ الکرسی ہے۔امام ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور سورۃ ملک کی تیس آیات ہیں

قرآنی آیات کی تعداد

قرآن پاک میں چھ ہزار دوسو چھتیس آیات ہیں اور تین لاکھ بارہ ہزار چھ سوستر حروف ہیں نیز قرآن پاک میں انتیس ہزار پانچ سو بیاسی زبریں اور باون ہزار دوسو تینتالیس زیریں اور آٹھ ہزار آٹھ سو چار پیشیں ہیں نیز پانچ سو چالیس رکوع ہیں۔

قرآنی آیات کی ترتیب

قرآنی آیات کی موجودہ کتابی شکل میں ترتیب پر پوری امت کا اجماع ہے کہ یہ ترتیب آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے مطابق ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو جبرائیل امین علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کو بتاتے کہ فلاں آیت فلاں سورۃ میں لکھی جائے پھر حضور ﷺ اسی ترتیب کے مطابق

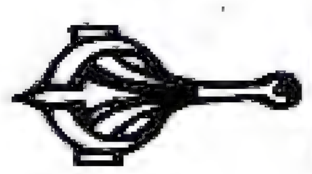
آیات' صحابہ کے سامنے تلاوت فرماتے اور حکم فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورۃ میں لکھ دیا جائے۔ پھر حضور ﷺ بار بار صحابہ کے سامنے ان آیات کو نمازوں میں اور خطبات میں تلاوت فرماتے اور پھر ہر سال جبرائیل کے ساتھ اسی ترتیب کے مطابق دور فرماتے اس طرح یہ ترتیب' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حفاظ کے سینوں میں پختہ ہوگئی۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ ترتیب مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کسی بھی کلام کا حسن اس میں ہے کہ اس کے تمام جملوں اور فقرات میں ترتیب اور نظم ہو لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کی فصاحت و بلاغت کو معجزہ قرار دیا جاتا ہے اس کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایک سورت کا دوسری سورت سے کوئی ربط نہیں اور نہ ہی ایک' سورۃ کی مختلف آیات میں کوئی مناسبت اور موافقت ہے بس ویسے ہی مختلف آیات مختلف سورتوں میں جمع کردی گئی ہیں۔

حیرت ہے کہ یہ فضول خیال ایک عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہوگیا جس کے متعلق دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے دنیا میں ہلچل مچادی اور اذہان وقلوب بدل ڈالے۔ ایسے لوگوں کے جواب میں صرف یہی بات کافی ہے کہ اگر فی الواقع قرآن میں کوئی ترتیب نہیں ہے تو پھر بہترین ترتیب' نزولی ہوتی ہے۔ جس ترتیب سے آیات نازل ہوئی تھیں اسی ترتیب کے ساتھ جمع کردی جاتیں لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ مصحف کی ترتیب نزولی نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی خاص ہدایات کے تحت خاص مواقع معین کیے گئے ہیں۔

دوسری مناسب ترتیب مقداری ہوسکتی تھی یعنی آیتیں برابر مقدار میں مختلف سورتوں میں جمع کردی جاتیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ یہ صورت بھی نہیں بلکہ سورتیں چھوٹی بڑی ہیں اور کتنی ہی چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو فضیلت کے اعتبار سے بڑی سورتوں سے مقدم ہیں۔



ہر صاحب علم اس سے بخوبی واقف ہے کہ سورتوں کی حد بندی اور ان کی تمام تر ترتیب' آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے مطابق عمل میں آئی ہے۔ پس حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ کس آیت کو کس آیت کے ساتھ ترتیب دینا ہے اور کس سورۃ کو کس کے بعد لہٰذا یہاں کسی کے اجتہاد اور قیاس کو دخل نہیں۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں امام ابوجعفر بن زبیر پر جنہوں نے اس اہم مسئلہ پر مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے ''البرھان فی مُنَاسَبَةِ الآیٰ والسُّوَر'' لکھی اور امام برہان الدین بقاعی نے نَظْمُ الدرر فی تناسب الآیٰ والسور لکھی۔

قرآنی سورتوں کی ترتیب

اس مضمون میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی موجودہ ترتیب نزولی حضور ﷺ کی مرتب شدہ ہے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجتہاد کر کے سورتوں کو ترتیب دیا۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سورۃ کس کو کہتے ہیں؟

لفظ سورۃ کا معنی

سورۃ کے لغوی معنی ہیں شرف، منزلت اور بلندی اس لفظ کے مادہ میں چار دیواری کا مفہوم بھی شامل ہے۔

قرآن کی سورت سے مراد ایک مستقل قطعہ یا باب ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر سورت علم وحکمت کی بلندی، اعجاز شرف اور قدر ومنزلت کی رفعتوں کی مالک ہے اور معانی ومطالب کی ایک ایسی مستحکم فصیل ہے جس میں باطل کسی صورت راہ نہیں پا سکتا۔

اکثر علماء مفسرین کے نزدیک اصطلاحاً لفظ سورۃ سُورُ الْبَلَدْ سے ماخوذ ہے۔ سُورُ الْبَلَدْ اس فصیل یا مضبوط دیوار کو کہتے ہیں جو پرانے وقتوں میں شہر کے اردگرد اہل شہر کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی تھی۔

اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ جس طرح دیوار ایک اینٹ کے اوپر دوسری اینٹ رکھنے سے بنتی ہے اسی طرح سورت بھی ایک آیت کو دوسری آیات کے ساتھ ملانے سے ترتیب پاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح فصیل اہل شہر کی حفاظت اور دفاع کیلئے بنائی

جاتی ہے اسی طرح قرآن مجید کی ہر ہر سورۃ حضور ﷺ کے دفاع اور آپ کی ذات اقدس پر کفار و مشرکین کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کے رد اور حضور کی صداقت کی دلیل بن کر نازل ہوتی تھی اس لئے اسے سورۃ کہہ دیا گیا۔

ہر سورت آیات سے ترتیب پاتی ہے۔ قرآن پاک میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ سورتیں ایک دوسری سے مختلف ہیں کچھ بڑی ہیں اور کچھ چھوٹی ہیں قرآن مجید میں سب سے بڑی سورۃ ''سورۃ البقرہ'' ہے جس کی آیات کی تعداد دو سو چھیاسی ہے اور سب سے چھوٹی سورت ''سورۃ کوثر'' ہے جس کی آیات کی تعداد تین ہے۔

قرآنی سورتوں کے نام

علماء مفسرین کی اس بارے میں دو آراء ہیں کہ آیا سورتوں کو سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نساء اور سورۃ المائدہ وغیرہ ناموں سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟

جو علماء، قرآنی سورتوں کو ان ناموں سے پکارنے کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران وغیرہ کہنے کی بجائے یوں کہنا چاہئیے۔

اَلسُّوْرَۃُ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْهَا الْبَقَرَۃُ وَالسُّوْرَۃُ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْهَا اٰلُ عِمْرَانَ وَ نَحْوُ ذَالِکَ

یعنی یوں کہنا چاہئے کہ وہ سورۃ جس میں گائے کا ذکر ہے اور وہ سورۃ جس میں آل عمران کا ذکر ہے وغیرہ، اور دلیل کے طور پر طبرانی شریف کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ لَاتَقُوْلُوْا سُوْرَۃَ الْبَقَرۃِ وَلَا سُوْرَۃَ اٰلِ عِمْرَانَ وَلَا سُوْرَۃَ النِّسَآءِ وَلٰکِنْ قُوْلُوْا السُّوْرَۃَ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْهَا الْبَقَرۃُ الخ

لیکن دوسرے طبقہ فکر کے علماء کہتے ہیں کہ قرآنی سورتوں کو سورۃ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ ایسا کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں فلاں سورۃ اس اس نام سے مشہور ہے۔

اگر ایسا کہنا ناجائز ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اورتابعین کی ایک جماعت سورتوں کے مختلف نام نہ رکھتی جیسا کہ حضرت حذیفہ سورہ توبہ کو سورۃ عذاب بھی کہتے تھے۔اسی طرح حضرت خالد بن سعدان سورۃ البقرہ کوفسطاط القرآن اورحضرت سفیان بن عیینہ سورۃ فاتحہ کوالکافیہ بھی کہتے تھے۔

باقی رہی مذکورہ بالا روایت تو اس کے بارے میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ۔ هٰذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ غَرِيبٌ (البیهقی)

سورتوں کی ترتیب

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں بھی علماء مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے (واضح رہے کہ یہ وہ اختلاف ہے جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اختلاف علماء امتی رحمۃ) کیونکہ یہ اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہوتا ہے اور قرآن فہمی میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کا جذبہ دلوں میں موجود رہتا ہے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی موجودہ ترتیب آیا حضور ﷺ کے بتانے سے قائم کی گئی یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجتہاد کر کے یہ ترتیب قائم فرمائی۔اس بارے میں علماء مفسرین کی دو آراء ہیں۔

پہلی رائے: تو یہ ہے کہ موجودہ ترتیب صحابہ کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں قرآنی سورتوں کو موجودہ شکل میں مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ایسی رائے رکھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو مصحف ترتیب دیا تھا وہ ترتیب نزولی کے مطابق تھا یعنی اس میں سب سے پہلے یہ سورت تھی۔ اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ

نیز حضرت ابن ابی اور حضرت ابن مسعود کے مصاحف میں سورتوں کی ترتیب کے حوالے سے شدید اختلاف تھا۔امام مکی نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ قرآنی آیات کی ترتیب حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہوئی لیکن سورتوں کی ترتیب

صحابہ کے اجتہاد سے ہوئی۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ قرآنی آیات کی طرح قرآنی سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی (یعنی حضور ﷺ کی جانب سے مقرر کردہ) ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کسی سورت کو اپنی مرضی کے ساتھ مرتب نہیں کیا۔ ایسی رائے رکھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان مصاحف پر اتفاق کیا تھا جو عہد عثمان میں لکھے گئے تھے اور کسی ایک نے بھی ان سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مصاحف عثمانی پر اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مصاحف کی ترتیب توقیفی تھی۔ اگر یہ ترتیب اجتہادی ہوتی تو کم از کم حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن ابی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو اپنے مصاحف پر ڈٹے رہتے جن میں سورتوں کی ترتیب کے حوالے سے شدید اختلاف تھا بلکہ ان اصحاب نے اپنے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور اپنے مصاحف کو اپنے ہاتھوں سے جلا دیا تھا اور مصحف عثمانی پر اتفاق کر لیا تھا۔

موجودہ ترتیب کا احترام واجب ہے

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی (یعنی نبی علیہ السلام کے حکم کے مطابق) ہے۔

بہر حال یہ ترتیب توقیفی ہو یا اجتہادی اس کا احترام واجب ہے کیونکہ اس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے اور اجماع فی نفسہ حجت ہوتا ہے اور اجماع کی مخالفت فتنہ اور فساد کو جنم دیتی ہے۔

واضح رہے کہ سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھنا تلاوت کے دوران واجب نہیں بلکہ مستحب ہے خواہ یہ تلاوت دوران نماز ہو یا غیر نماز میں ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

قرآن یکبارگی کیوں نازل نہ ہوا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقالوا ما لھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (الفرقان)

ترجمه: اورانہوں نے کہا کہ یہ کیسے رسول ہیں؟ کہ جو (ہماری طرح) کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة (الفرقان)

ترجمه: اور کہا کفار نے ان پر نازل ہونے والی کتاب یکبارگی کیوں نازل نہیں ہو جاتی؟

یہ ہیں دو بنیادی اعتراض جو کفار و مشرکین مکہ، محبوب خدا ﷺ کی ذات اقدس پر کیا کرتے تھے تو اللہ رب العزت کو خاطر حبیب کی اتنی گرانی بھی گوارا نہ ہوئی فوراً جبریل آ پہنچے اور عرض کی۔

السلام علیک یا رسول اللہ ربک یقرء ک السلام ویقول لک و ما ارسلنک قبلک من المرسلین الا انھم لیأ کلون الطعام ویمشون فی الاسواق الخ

ترجمه: اے رسول ﷺ! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ (ان کا یہ اعتراض بالکل لغو ہے) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو مگر وہ بھی تو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

پہلے اعتراض کا جواب اللہ تبارک وتعالیٰ نے معترضین کی تکذیب کے ساتھ ارشاد فرمایا لیکن دوسرے اعتراض کے جواب میں ان کو غلط نہیں کہا۔ اس انداز بیان

سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں ایک یہ کہ

قرآن مجید وقفہ وقفہ سے نازل ہوا اور دوسری یہ کہ سابقہ رسولوں پر جو کتب سماویہ نازل ہوئیں وہ سب یکدم اتاری گئیں ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے اعتراض کا جواب دینا چاہا تو معترضین کی تکذیب کی بجائے قرآن مجید کے تدریجاً نزول کی حکمتیں بیان فرمائیں چنانچہ ملاحظہ فرمائیں!

قرآن پاک کے تدریجاً نزول کی حکمتیں

ارشاد ربانی ہے۔

كَذَالِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً (الفرقان)

ترجمہ: ایسا (یعنی قرآن کو وقفے وقفے سے نازل کرنا) ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم اس کے ذریعے آپ کا دل مضبوط کریں اور (اسی لیے) ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے۔

یعنی قرآن کو جو ہم وقفہ وقفہ سے نازل فرماتے ہیں اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت: یہ ہے کہ اس طرح ہم اپنے نبی کا حوصلہ بڑھاتے ہیں آپ کے دل کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس طریقہ کی وجہ سے حضور ﷺ کے قلب اطہر کو کئی اعتبار سے تقویت ملتی ہے۔

- اپنے اللہ کی جانب سے بار بار فرشتے کے نزول سے آپ کا دل خوشی سے بھر جاتا اور سینہ مبارک سے ہر قسم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔
- ہر موقعہ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کے دل کو مزید اطمینان ہوتا کہ جس خالق نے مجھے اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے اس کی نظر عنایت ہر وقت میرے شامل حال ہے۔
- آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر دشمنان دین کی طرف سے کیے گئے رکیک

حملوں کا جواب میسر آتا' اس طرح آپ کا عزم از سر نو، جواں ہوتا اور مختلف اوقات میں پہنچنے والی تکلیفوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو مختلف انداز میں تسلیاں دیتا۔ ارشاد ہوتا ہے وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور)

اے محبوب! اس اکھڑ مزاج قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کریں آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں۔

دوسری حکمت: تدریجاً نزول میں یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اس نئی امت کے افراد کی آہستہ آہستہ تربیت کر دی جائے۔ مثلاً

- ان کے لئے قرآن پاک کو یاد کرنا اور اس کے احکام کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ کیونکہ یہ ان پڑھ قوم تھی قرآن پاک کے یکبارگی نازل ہونے سے ان کیلئے سمجھنا' یاد کرنا اور لکھنا سب کچھ ناممکن ہو جاتا۔

- نیز قرآن ایک دستور حیات ہے اس کو آہستہ آہستہ نافذ کرنا ہی مناسب تھا تاکہ اس کو اپنانے میں آسانی ہو۔ اگر کسی قوم کو اپنی تمام رسوم یکبارگی ترک کر کے بالکل جدید دستور اپنانے کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے بڑا مشکل کام ہو جاتا ہے لیکن اگر آہستہ آہستہ احکام نازل ہوں تو اس طرح ان پر عمل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

لہٰذا ابتدائی طور پر اس قوم کو اخلاق کی طرف دعوت دی گئی پھر شرک سے نفرت دلا کر توحید کی عظمت بیان کی گئی' مرنے کے بعد دوسری زندگی اور حساب و کتاب کے بارے میں دلائل دیئے گئے پھر عبادات کی طرف ان کا رخ موڑتے ہوئے ہجرت سے قبل نماز فرض کی گئی پھر دو ہجری کو زکوٰۃ اور روزے فرض کئے گئے پھر ہجرت کے چھٹے سال حج فرض کیا گیا۔

تیسری حکمت:- اس کتاب مبین کے تدریجاً نزول کی تیسری حکمت جو ہماری ناقص سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب بھی کوئی نیا واقعہ پیش آئے اس کی مناسبت سے قرآن مجید کا نزول ہو مثلاً۔

- جب کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں بتایئے کہ ''روح'' کیا چیز

ہے تو اس کے جواب میں فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً (الاسراء)

ترجمہ: یعنی اے محبوب! یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو انہیں فرمادو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں نہایت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

روح

روح کے بارے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز وسط قلب ہے اور یہ بدن میں پھیلے ہوئے رگ وریشہ کے ذریعے جسم کے ہر جزو میں سرایت کر جاتا ہے۔

❁ اسی طرح ایک اور موقع پر یہود کی انگیخت کی وجہ سے مشرکین نے حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون تھا؟ تو اس کے بارے میں باری تعالیٰ نے پورا رکوع نازل فرمادیا۔

ذوالقرنین

ذوالقرنین اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اسکا اپنی رعایا اور مفتوحہ اقوام کے ساتھ سلوک اور کردار مومنانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکمرانی کے لئے بہت وسیع سلطنت عطا کی تھی۔ نہایت رحم دل بادشاہ تھا۔ خالق کائنات نے اسکو بیشمار صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ اسے وسیع خطہ ارض پر تسلط بخشا، اسے علم وقدرت اور آلات وغیرہ عطا کئے جن سے کام لیکر وہ ہر چیز تک رسائی کر سکتا تھا۔

نوٹ: بعض مفسرین کی رائے میں ذوالقرنین سکندر کو ہی کہا گیا ہے لیکن یہ بات تحقیق کی کسوٹی پر صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب

ناسخ اور منسوخ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا (البقرہ)

ترجمہ: اور جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لاتے ہیں۔

نسخ کا معنی واقسام

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نسخ کا معنی ہے ''بدلنا''
(تفسیر ابن کثیر جلد اول)

اس نسخ کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے صرف چار پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی قسم:- پہلی قسم تو یہ ہے کہ آیت کا حکم منسوخ ہو جائے لیکن تلاوت باقی رہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ (الانفال)

ترجمہ: یعنی اے مسلمانو! اگر تم بیس صبر کرنے والے ہو گے تو دو سو کفار پر غالب آ جاؤ گے۔

یہ آیت تلاوت میں تو باقی ہے لیکن حکم کے اعتبار سے بعد والی آیت سے منسوخ ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ (الانفال)

ترجمہ: یعنی اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف فرمائی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزور

بھی ہیں پس اب اگر تم ایک سو صبر کرنے والے ہو گے تو دو سو کفار پر غالب آ ؤ گے۔

❁ اسی صورت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہے۔

وَالّٰتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ ..... فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ (النساء)

ترجمہ: یعنی تمہاری عورتوں میں سے کوئی بدکاری کرے (تو جرم ثابت ہونے پر) اس کو گھر کے اندر بند کر دو یہاں تک کہ اسے موت آ جائے۔

یہ آیت بھی تلاوت میں تو باقی ہے لیکن اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اسکی ناسخ آیت ملاحظہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ .. الخ (النور)

ترجمہ: زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

ان دو مثالوں سے واضح ہو گیا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آیت' تلاوت تو کی جاتی ہو اور اس کی تلاوت پر ثواب بھی برابر ملتا ہو لیکن اس کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم: نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کی تلاوت تو منسوخ ہو جائے لیکن اس کا حکم باقی رہے۔

❁ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم نے سارا قرآن حاصل کر لیا ہے بلکہ یوں کہو کہ جو ظاہر ہوا وہ ہم نے حاصل کیا ہے۔ (الاتقان)

ابوامامہ بن سہل کی خالہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ نے آیت رجم اس طرح پڑھائی تھی۔

اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا

ترجمہ: یعنی جب کوئی بوڑھا شخص یا بوڑھی عورت حرام کاری کے مرتکب ہوں تو انہیں رجم کرو۔

دیکھا آپ نے کہ یہ آیت پورے قرآن میں نہیں ہے یعنی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے لیکن حکم باقی ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اس آیت کا آخری حصہ بھی تلاوت میں منسوخ ہو چکا ہے۔ پوری آیت اس طرح تھی

اِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً وَعَلَى الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ فِي الصُّفُوْفِ الْاُوْلِ (معترک الاقران)

اسی طرح ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے ایک سورۃ پڑھی اسے خوب یاد کرلیا اور ہر نماز میں اسے پڑھتے لیکن ایک رات جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو وہی سورۃ پڑھنی چاہی لیکن بہت محنت وکوشش کے باوجود وہ سورۃ کسی کو یاد نہ آئی۔ صبح کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر واقعہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا کوئی قصور نہیں یہ سورۃ اللہ ہی کی طرف سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اسی لیے تمہارے ذہنوں سے بھلادی گئی ہے۔ (طبرانی کبیر)

تیسری قسم: نسخ کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں نیز ناسخ کی عبارت بھی منسوخ ہو۔

مثلاً جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

كَانَ فِيْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشَرَ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ ..... الخ

ترجمہ: یعنی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لیکن پھر اس کی ناسخ یہ آیت نازل ہوئی کہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں۔ اور پھر اس کی ناسخ آیت کی عبارت بھی منسوخ ہوگئی جس کا پتہ صرف اس حدیث سے ہی چلتا ہے جسے امام مالک نے اپنی مؤطا کے باب الرضاع میں روایت کیا ہے۔

چوتھی قسم: نسخ کی چوتھی قسم ہے نسخ القرآن بالسنة یعنی قرآن کا نسخ، حدیث کے ذریعے۔ اس قسم کے نسخ کے بارے میں علماءِ فن کے ہاں اختلاف ہے کہ قرآن کا نسخ، حدیث کے ذریعے ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ اکثریت اس نسخ کی قائل ہے بہرحال جو اس نسخ کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل مثال پیش کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے۔

اِذَا حَضَرَ اَحَدَ کُمُ الْمُوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَ ا نِ الْوَصِیَّةُ لِلْوالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ...... الخ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور مال چھوڑے تو چاہئیے کہ وصیت کر جائے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے۔

لیکن یہ آیت اس فرمان رسول ﷺ کی وجہ سے منسوخ ہے

کَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَ کَانَتِ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ فَنَسَخَ اللّٰهُ مِنْ ذَالِکَ مَا اَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ لَاوَصِیَّةَ لِلْوَارِث الخ

ترجمہ: یعنی پہلے مال بیٹے کے لئے اور وصیت والدین کے لئے تھی لیکن اللہ نے اس کو منسوخ فرمادیا۔ اب مرد کے لئے عورت کے مقابلہ میں دوگنا حصہ ہے اور ماں باپ دونوں کے لئے الگ الگ چھٹا حصہ ہے۔ (بخاری شریف)

وہ آیت جس پر صرف ایک صحابی نے عمل کیا اور منسوخ ہوگئی

وہ آیت جس کے حکم پر صرف ایک صحابی نے عمل کیا اور وہ منسوخ ہوگئی درج ذیل ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً .... الخ (المجادلہ)

ترجمه: یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول مکرم ﷺ سے کوئی سرگوشی کرنا چاہو تو ایسا کرنے سے پہلے کچھ صدقہ و خیرات کیا کرو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ مشقت میں پڑ گئے کہ پہلے کچھ صدقہ وخیرات دیں پھر حضور ﷺ سے بات کریں۔ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ وخیرات کر کے حضور ﷺ سے بات چیت کی اس کے فوراً بعد اس حکم کو منسوخ کرنے کیلئے یہ حکم نازل ہوا۔

ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا ...... الخ (المجادلہ)

ترجمه: یعنی کیا تم اس چیز سے ڈرتے ہو کہ اپنی عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دو پس تم نماز پڑھو اور زکوۃ دیتے رہو یہ ہی تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔

لہٰذا مندرجہ بالا آیات ایسی ہے کہ اس کے حکم پر صرف اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی عمل کیا تھا کہ اس کا حکم منسوخ ہوگیا۔

نسخ کی حکمتیں

واضح رہے کہ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے جن کی حیثیت وقتی ہوتی ہے اصول دین یا واقعات میں نسخ نہیں ہوتا۔

نسخ کا مسئلہ نہایت نازک ہے اور بعض لوگ بلا سوچے سمجھے فوراً بول اٹھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ سے پہلے غلطی ہوگئی تھی جسے اس نے منسوخ کر کے نیا حکم دیا؟۔ (معاذ اللہ)

کاش ایسے لوگ گہرائی میں جا کر اس کتاب مبین کا مطالعہ کرتے تو انہیں اس اعتراض کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ ایک طبیب اپنے مریض کی حالت کے مطابق اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے پھر جیسے مرض کی کیفیت بدلتی جاتی ہے وہ نسخہ کے اندر لکھی ہوئی دوائیوں میں ردوبدل کرتا ہے۔ کیا ایسا کرنے پر کوئی طبیب پر یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ پہلے اس سے غلطی ہوئی اور اب اصلاح کر رہا ہے۔

اسی طرح یہ کتاب ہدایت بھی بیمار انسانیت کے لئے پیغام شفا ہے۔ اس کے احکام کو بھی اللہ نے اپنے بندوں کے احوال کے مطابق بدلا جسمیں بے شمار حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہے۔

پہلی حکمت: تو ''بندوں کا امتحان'' ہو سکتی ہے۔ مثلاً پہلے قبلہ بیت المقدس تھا پھر اس کی جگہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ اس میں آزمائش یہ تھی کہ کون ہمارے نبی ﷺ کے رخ پھرنے کے ساتھ فوراً اپنا رخ کعبہ کی جانب پھیرتا ہے اور کون انکار کرتا ہے۔

دوسری حکمت: یہ ہے کہ اسلامی شریعت بتدریج قائم ہوئی اس لئے احکام میں حسب ضرورت تبدیلی آتی رہی۔ پہلے دو نمازیں فرض تھیں پھر پانچ ہوئیں، پہلے شراب حرام نہ تھی پھر حرام قرار دی گئی، ابتداء اسلام میں عورتوں کے لئے پردہ ضروری نہ تھا بعد میں یہ پابندی لگائی گئی۔

یہ سب چیزیں مسلمانوں کے احوال کے مطابق آہستہ آہستہ نازل بھی ہوتی رہیں اور حسب ضرورت ان میں تبدیلیاں بھی آتی رہیں۔

لیکن جب دین مکمل ہو گیا تو اس کے بعد قیامت تک یہ اصول بنا دیا گیا کہ

لاتبدیل لکلمات اللہ (یونس)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں۔

خدا سمجھنے کی توفیق بخشے۔ آمین

تفسیر قرآن

تفسیر کا لغوی مفہوم

لغت عرب میں تفسیر کے معنی ہیں اَلْاِیْضَاحُ وَالتَّبْیِیْنُ یعنی کسی بات کی وضاحت کرنا اور اس کو اس طرح کھول کر بیان کرنا کہ سننے والے کو سمجھ آ جائے۔

تفسیر کا لفظ قرآن مجید میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا یَأْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا (الفرقان)

ترجمہ: اے محبوب! (کفار) جو مثال آپ کے پاس لائیں گے ہم اس کے بدلے میں آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفصیل لائیں گے۔

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

عِلْمٌ یُبْحَثُ فِیْهِ عَنِ الْقُرْآنِ الْکَرِیْمِ مِنْ حَیْثُ دَلَالَتِهٖ عَلٰی مُرَادِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِطَاقَةِ الْبُشْرِیَّةِ (منہج الفرقان)

یعنی اصطلاح علماء میں تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس میں بشری استطاعت کے مطابق اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی سے خداوند تعالیٰ کی مراد کیا ہے

اجزائے علم تفسیر

یہ علم مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

1 قرآن پاک کے الفاظ کا تلفظ کس طرح کیا جائے۔؟

2 الفاظ قرآنی کے لغوی معانی کیا ہیں۔؟

3 ہر لفظ کے بارے میں معلوم ہونا کہ اس کا اصل مادہ کیا ہے اور اس کی موجودہ صورت کیسے بنی۔؟

4...... الفاظ کی باہمی نحوی اور صرفی ترکیب Gramatical Analysis کیا ہے؟

5...... پوری آیت اپنے سیاق وسباق کے حوالے سے کیا معنی دے رہی ہے۔؟

6...... آیات کے شان نزول کے بارے علم ہونا وغیرہا۔

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ ایک معنی پر یقین کر لینا کہ اللہ کی اس لفظ سے یہی مراد ہے اور تاویل یہ ہے کہ چند احتمالات میں سے ایک کو اختیار کرنا۔ (تفسیر روح المعانی ص ۵ ج ۱)

تاویل کا معنیٰ ظن اور شک نہیں بلکہ تاویل کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظنی ہے یا قطعی۔ اگر تاویل کی نسبت اللہ اور رسول کی طرف ہو تو یہ قطعی ہے بلکہ ایسی تاویل اصل میں تفسیر ہی ہے۔ اگر وہ تاویل حدیث رسول ﷺ یا صحابہ کرام کی تفسیر نہیں بلکہ مقررہ قواعد کے تحت آیات قرآنی سے استنباط ہے تو پھر تاویل کہا جائے گا۔ اگر یہ تاویل کسی نص قرآنی یا حدیث سے متصادم ہو تو یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف کہلائے گی۔

ضرورت تفسیر

قرآن اللہ رب العزت کی وہ فصیح وبلیغ کتاب ہے کہ ہر قاری یا مخاطب اس کے تمام معانی ومفاہیم از خود نہیں سمجھ سکتا بلکہ اللہ رب العزت کا یہ دستور ہے کہ جب بھی اس نے کسی قوم کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کوئی کتاب نازل فرمائی تو ساتھ ہی اس کتاب کی عملی تفسیر (Practical) کرنے کے لئے رسول بھی بھیجے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام نے یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ...... الخ (البقرہ)

ترجمہ: اے اللہ ان میں ایسا رسول بھیج جو ان کو کتاب اور حکمت سکھائے۔

لہٰذا اللہ نے اپنی آخری کتاب کی تشریح وتفسیر (Explanation) اور تعلیم کے لئے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ہمیں حضور ﷺ کے اوصاف بیان کریں تو آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟۔

کان خُلقُهُ القُرآن یعنی حضور کی زندگی قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی۔ (بخاری)

یہ بات تجربہ اور مشاہدہ (Observation) سے بھی ثابت ہے کہ بسا اوقات کسی اچھے فلسفی یا شاعر کا کلام ہی عامتہ الناس کی سمجھ میں نہیں آتا لہٰذا اس کو سمجھنے کے لئے اس کی تشریح وتوضیح کرنی پڑتی ہے۔ جب ایک انسانی تصنیف کی یہ کیفیت ہے تو پھر اللہ رب العزت کی نازل کردہ علم وحکمت سے بھرپور کتاب کو شارح اور مفسر کے بغیر کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ صحابہ کرام اہل عرب تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی اور انہیں عربی سیکھنے کیلئے کسی کے پاس جانے کی بھی ضرورت نہ تھی اور قرآن بھی عربی میں ہی نازل ہوا لیکن اہل زبان ہونے کے باوجود قرآنی معارف اور حکمتوں کو سمجھنے میں انہیں دشواری پیش آئی اور قدم قدم پر حضور ان کی راہنمائی فرماتے رہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی علوم اور معارف کے صحیح ادراک کے لئے تفسیر رسول ناگزیر واشد ضروری ہے۔

جیسا کہ صحیح مسلم باب تفسیر القرآن میں ہے کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ...... الخ (الانعام)

ترجمہ: ''یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہ کیا وہی ہدایت پر ہیں'' نازل ہوئی تو صحابہ کرام اس کے ظاہری مفہوم کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ کون ایسا شخص ہے جس نے کوئی ظلم (کوتاہی وغیرہ) نہ کیا ہو۔ جب اس پریشانی کو حضور کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ظلم ایسا نہیں جو تم سمجھ رہے ہو کہ ہر کوتاہی کو ظلم سمجھ لیا جائے بلکہ اس ظلم سے مراد ظلم عظیم ہے جیسا کہ

قرآن میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الشِّرکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ   یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

غور فرمائیں کہ باوجود اس بات کے کہ صحابہ کی مادری زبان عربی تھی اور صحبت رسول سے فیضیاب بھی تھے لیکن پھر بھی کلام اللہ کی صحیح مراد کو پانے کے لئے تشریح وتفسیر رسول کے محتاج تھے۔ اگر آج کوئی خود ساختہ مفکر یہ اعلان کرے کہ حدیث رسول کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن خود ہی سب کچھ سمجھاتا ہے تو ایسے آدمی کی عقل پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

قرآن تو خود منصب رسالت یوں بیان فرماتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسَ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ

ترجمہ: یعنی یہ کلام ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف احکام نازل کیے گئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ رسول کریم پر قرآن نازل ہی اس لئے ہوا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی تفسیر سمجھائیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقسام تفسیر

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ تفسیر کی چار قسمیں ہیں

1 ...... تفسیر حلال اور حرام

2 ...... وہ تفسیر جسے اہل عرب نے اپنی زبان میں کیا۔

3 ...... وہ تفسیر جو علماء نے کی۔

4 ...... وہ تفسیر جسے اللہ اور رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حلال وحرام، دلائل توحید، تشریعی احکام، ردشرک یہ ایسے امور ہیں جن کی تفسیر وتشریح سطحی علم سے واقف آدمی بھی جان سکتا ہے۔ اس کیلئے زیادہ علوم وفنون کے جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسی آیات کے الفاظ کا معنی صرف ایک اور بڑا واضح مفہوم دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (الآیۃ)

اس آیت سے آدمی آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اگر چہ وہ یہ نہ بھی جانتا ہو کہ لفظ ''لا'' عربی میں نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ''الا'' اثبات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایسی آیات جن کی تشریح وتفسیر' اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ علم غیب کے زمرے میں آتی ہیں مثلاً وہ آیات جن میں قیامت کے بارے میں ذکر ہے۔ روح، حروف مقطعات اور متشابہات وغیرہ۔ ایسی آیات کی تفسیر کیلئے کسی قسم کے اجتہاد کی مجال نہیں۔ ان کی معرفت کیلئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے نص قرآنی یا حدیث رسول ﷺ

وہ تفسیر جو علماء نے اپنے اجتہاد سے کی ہے اس پر اکثر تاویل کا اطلاق کیا

جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تاویل، نص قرآنی یا کسی حدیث رسول سے متصادم نہیں ہوتی بلکہ ایسی تاویل، تفسیر ہی کے زمرے میں آتی ہے مثلاً آیات قرآنی سے احکام مستنبط کرنا، مجمل آیات کی وضاحت کرنا، عام کلام کو بعض وجوہات کی بنا پر خاص کرنا وغیرہ۔

مآخذ تفسیر

تفسیر قرآن کے لئے سب سے اہم مآخذ یہ ہیں۔

1 ...... تفسیر القرآن بالقرآن 2 ...... تفسیر القرآن بالحدیث
3 ...... تفسیر القرآن باقوال الصحابہ 4 ...... تفسیر القرآن باقوال التابعین

تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن پاک میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک جگہ ایک حکم مختصراً بیان کیا جاتا ہے لیکن پھر کسی دوسری جگہ اسی حکم کو تفصیلاً بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں مثلاً ارشاد ہے۔

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند دعائیہ کلمات سیکھے۔ پس اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی۔

لیکن اس جگہ وہ دعائیہ کلمات مذکور نہیں ہیں جو آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے۔ پس سورہ اعراف میں ان کلمات کو تفصیلاً بیان کر دیا گیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ○ وَمَا اَدْرَاکَ مَاالطَّارِقُ (الطارق)

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے طارق کی۔ اور تم کیا جانو کہ طارق کیا ہے ساتھ ہی واضح کر دیا اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ یعنی وہ چمکنے والا ستارہ ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ...... الخ (الفاتحہ)

ترجمہ: یعنی اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ لیکن ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

لیکن یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا بلکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ (النسآء)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جن پر اپنا انعام فرمایا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں۔

تو ان مثالوں سے واضح ہوا کہ بعض اوقات بہت سے مسائل، قرآنی آیات کا سیاق وسباق دیکھنے سے حل ہو جاتے ہیں۔

تفسیر القرآن بالحدیث

رسول اللہ ﷺ کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ قرآن پاک کی تشریح وتوضیح، عملی صورت میں فرمائیں تا کہ لوگ آسانی سے آیات قرآنی کے مقاصد کو سمجھ سکیں۔ اسی لئے ارشاد ربانی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِلَ اِلَیْھِمْ

ترجمہ: یعنی ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کتاب اللہ کے معلم اور مفسر ہیں۔

اسی لیے خود معلم کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

خُذُوا عَنِّی مَنَاسِکَکُمْ صَلُّوا کَمَارَأَیْتُمُوْنِی اُصَلِّیْ (صحیح بخاری)

ترجمہ: یعنی مجھ سے احکام حج سیکھو اور نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

یہ بات ایک حقیقت ہے جسے ہٹ دھرمی سے بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ کتاب وسنت کا باہمی تعلق لازم وملزوم ہے۔ سنت رسول کے بغیر قرآن فہمی کا دعویٰ بالکل لغو ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں بے شمار احکامات ایسے ہیں جو مجمل ہیں اور حضور ﷺ نے ان کی تشریح وتفسیر فرمائی۔ مثلاً

قرآن پاک میں مطلق حکم ہے کہ۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (البقرہ)

لیکن یہاں نہ نماز ادا کرنیکا طریقہ مذکور ہے نہ نمازوں کی رکعات کی تعداد کا بیان ہے اور نہ اوقات نماز کا۔

اسی طرح حکم خداوندی ہے کہ زکوٰۃ دو لیکن نصاب زکوٰۃ کی تفصیل مذکور نہیں۔ یہ تمام تفصیلات ہمیں حضور ﷺ کی سنت سے ہی میسر آتی ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں چور کی سزا کا مطلق حکم ہے کہ

فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا یعنی ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ (المائدہ)

لیکن حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ دایاں ہاتھ کاٹنا ہے۔ امام بخاری ہوں یا مسلم یا ترمذی سبھی محدثین نے باقاعدہ تفسیر قرآن کے باب باندھے ہیں جن میں کثرت سے ایسی مستند احادیث لائے ہیں جن میں احکامات قرآنی کی تفصیل اور تشریح ملتی ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال)

ترجمہ: یعنی کفار کے مقابلے کے لئے جتنی قوت ہو سکے تم جمع کرو۔

تو صحیح مسلم میں حضرت عامر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔

اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت عدی بن حبان سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں مذکور ''مَغضُوب عَلَیھِم '' سے مراد یہودی ہیں اور ''اَلضَّآلِّینَ '' سے مراد نصاریٰ ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو!

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں جو ارشاد ہے کہ

حَافِظُوا عَلَی الصَّلٰوتِ وَالصَّلٰوۃِ الوُسطٰی (البقرہ)

ترجمہ: یعنی نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً صلٰوۃ الوسطٰی کی تو اسمیں حضور نے فرمایا الصلٰوۃ الوسطیٰ سے ''عصر'' کی نماز مراد ہے۔

۞ اِنَّـا اَعطَینٰکَ الکَوثَرَ کی تفسیر کے سلسلے میں صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوثر سے مراد جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ (مسلم شریف ص ۱۹۱ ج ۲)

مندرجہ بالا تمام مثالوں سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ حضور ہی مفسر قرآن ہیں اور آپ ہی معلم قرآن ہیں۔

تفسیر قرآن باقوال الصحابہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان مقدس ہستیوں سے بڑھ کر قرآن فہمی کا دعویٰ اور کس کو ہو سکتا ہے جو براہ راست قرآن کی تعلیم حضور ﷺ سے حاصل کرتے تھے' قرآن جن کے سامنے نازل ہوتا رہا' جنہوں نے جبریل امین کو کئی مرتبہ بشکل

انسانی دیکھا۔ان میں سے کئی صحابہ کرام تو ایسے تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں ہی قرآن فہمی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔کتب تفسیر اور فن تفسیر کی ورق گردانی سے یہ چیز بڑی واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں سب سے زیادہ روایات جن اصحاب کی ملتی ہیں وہ بالترتیب یہ چار ہیں۔

1 ...... حضرت عبداللہ بن عباس
2 ...... حضرت عبداللہ بن مسعود
3 ...... حضرت علی
4 ...... حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

یہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے تھے۔ہجرت سے تین برس پہلے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر مبارک تیرہ برس تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں حضور کی دعا

حضور ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی

اَللّٰھُمَّ فَقِھْهُ فِیْ الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ

ترجمہ: یعنی اے اللہ! عبداللہ بن عباس کو دین کی سمجھ عطا کر اور اسے قرآن کی تفسیر سکھادے۔

ایک اور موقع پر حضور نے ابن عباس کے حق میں یوں دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ

اے اللہ! اسے (ابن عباس کو) کتاب وحکمت سکھادے۔

بچپن ہی سے حضرت ابن عباس حضور کی صحبت میں رہے اور پھر جلیل القدر صحابہ سے بھی علم حاصل کیا۔

حضور کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس کو قرآن کا وہ فہم اور ادراک عطا کر دیا کہ کم وبیش تمام جلیل القدر کبار صحابہ کرام بھی اگر کسی آیت کی تفسیر میں کچھ اختلاف یا الجھن محسوس کرتے تو حضرت ابن عباس کی طرف رجوع کرتے تو حضرت ابن عباس مسئلہ کو یوں حل فرماتے کہ سب حیران رہ جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے حتی کہ بعض صحابہ معترض ہوئے کہ آپ اس نوجوان کا بزرگوں سے بھی زیادہ کیوں احترام کرتے ہیں تو فوراً حضرت عمر نے پوچھا بتاؤ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ...... الخ میں اللہ نے کیا خاص اشارہ فرمایا ہے تو تمام صحابہ خاموش ہو گئے پھر آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم بتاؤ۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سورۃ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یہی وجہ ہے میں اس نوجوان کا سب سے زیادہ احترام کرتا ہوں۔

علاوہ ازیں حضرت عمر کے پاس جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آتا تو اسے حضرت ابن عباس کے پاس بھیجتے پھر جو حل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کرتے اسے فوراً قبول کر لیتے۔

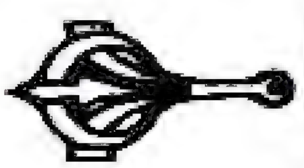
حضرت علی رضی اللہ عنہ تفسیر القرآن میں ابن عباس کے مقام کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ

''ایسے لگتا ہے کہ ابن عباس ایک باریک پردہ کے پیچھے سے غیبی حقائق کو دیکھ کر آیات کی تفسیر کرتے ہیں''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس آیت کی تفسیر بیان کیجیے۔

اَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا

ترجمہ: یعنی کیا کفار نے دیکھا نہیں کہ زمین اور آسمان بند تھے تو ہم نے انہیں کھول دیا۔



ابن عمر نے فرمایا ابن عباس کے پاس جاؤ وہ تمہیں جو تفسیر بتائیں واپسی پر مجھے بھی بتاتے جانا۔ جب یہ سائل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ آسمان خشک تھے یعنی ان سے بارش نہ ہوئی تھی اور زمین سخت تھی کہ سبزہ نہ اگاتی تھی۔ پس بارش کے طفیل زمین سبزہ اور پھل اگانے لگی۔ پس آسمان کے فتق (کھلنا) سے مراد بارش ہے اور زمین کے فتق سے مراد پھل اور پھول اگانا ہے جب یہ تفسیر اس سائل نے حضرت ابن عمر کو بتائی تو آپ بے ساختہ بول اٹھے کہ مجھے اب پتہ چلا کہ ابن عباس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی علم عطا ہوا ہے۔

ان مذکورہ بالا فضائل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ تمام مفسرین نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سب سے زیادہ روایات کیوں نقل کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ دوسرے جلیل القدر صحابی ہیں جن کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد تفسیر قرآن کے سلسلہ میں سب سے زیادہ روایات ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ چھٹے نمبر پر اسلام لائے یعنی اولین میں سے ہیں اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ خدمت کی۔ اکثر سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہتے، وضو کیلئے پانی اور مسواک کا انتظام کرتے، جب حضور کھڑے ہوتے تو آپ کو جوتا پہناتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف رکھتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضور کے جوتے اتار کر اپنے پاس رکھ لیتے۔ آپ تمام صحابہ کرام سے بڑھ کر پکے حافظ قرآن تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن مسعود سے قرآن سننا پسند فرماتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ تلاوت کرے جس طرح وہ اترا تھا تو وہ ابن مسعود کی طرح پڑھے۔ حضرت ابن

مسعود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم جب قرآن کی دس آیات پڑھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک ان کا مکمل معنی ومفہوم اوران پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ فصاحت و بلاغت اور علم وحکمت کے سمندر تھے، اکثر مشکل مسائل میں صحابہ، حضرت علی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

خود سرور کائنات ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

اَنَامَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

آپ بیک وقت مفتی بھی تھے اور قاضی بھی اور تفسیر قرآن کے اسرار ورموز کے عظیم عالم بھی۔ حضرت ابن عباس، حضرت علی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جو کچھ سیکھا وہ حضرت علی سے ہی سیکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ تفسیری اقوال منقول ہیں۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی قسم مجھے ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس وجہ سے اور کہاں نازل ہوئی، دن کو نازل ہوئی یا رات کو مجھے اللہ نے بڑا روشن دماغ عطا کیا ہے''۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

آپ کا شمار بھی مفسرین صحابہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ آپ اسلام لانے سے قبل یہود کے علماء میں شمار ہوتے تھے اور قدیم کتابوں کے اسرار ورموز سے بخوبی واقف تھے اور اسی وجہ سے آپ کو اسباب نزول، مقدم ومؤخر اور ناسخ ومنسوخ کے بارے میں کافی معلومات تھیں اور آپ قرآن مجید کے سب سے بڑے عالم تھے۔

حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ:

اَقْرَءُهُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ، یعنی ابی بن کعب سب سے بڑے قاری ہیں

حضرت عمر انہیں مسلمانوں کا سردار کہہ کر پکارتے تھے۔ واضح رہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود تھا تو اس کی تفسیر مرفوع حدیث کا درجہ رکھتی ہے (تدریب الراوی ص ۶۴)

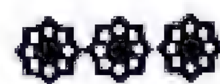
تفسیر القرآن باقوال التابعین

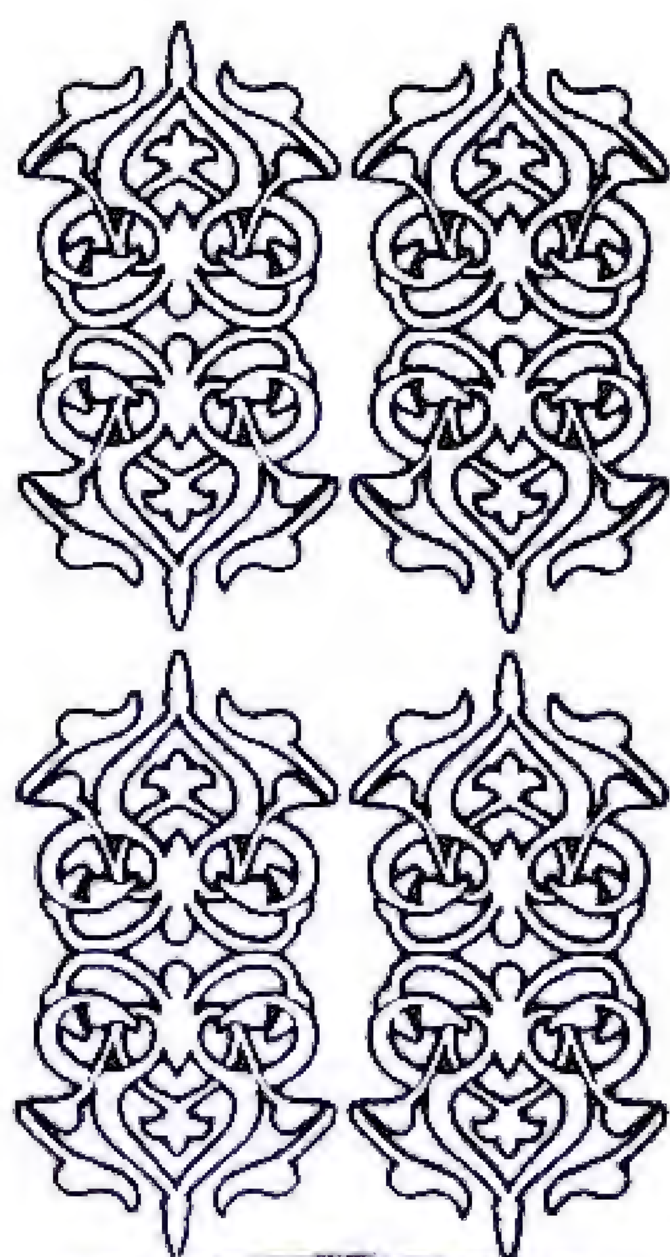
تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور ان سے علم حاصل کیا۔

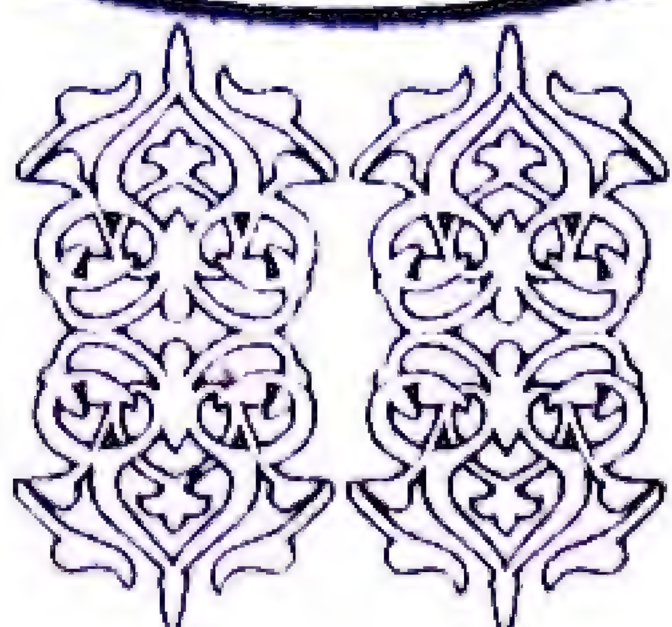
اس سلسلے میں زمانہ قدیم سے ہی اختلاف ہے کہ آیا تفسیر میں تابعین کے اقوال حجت ہیں یا نہیں۔ امام ابن کثیر نے اس سلسلہ میں بہترین فیصلہ دیا ہے کہ اگر کوئی تابعی، تفسیر کسی صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اسکا حکم وہی ہے جو صحابی کی تفسیر کا ہے اور اگر خود اپنا قول بیان کر رہا ہو تو دیکھا جائے گا کہ کسی دوسرے تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا کہ نہیں۔ اگر کوئی قول اس کے خلاف موجود ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لئے قرآن کریم، لغت عرب، احادیث رسول، آثار صحابہ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔

تابعین میں سے چند مشہور مفسرین کے نام یہ ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر	حضرت مجاہد	حضرت محمد بن کعب القرظی
حضرت حسن بصری	حضرت قتادہ	وغیرہ (رضی اللہ عنہم)





تذکارِ رسالت
علیٰ صاحبہا الصلوات


حدیث کی ضرورت اور اہمیت

اس نازک اور پرفتن دور میں جہاں دین اسلام کے خلاف ہزاروں فتنے جنم لے رہے ہیں وہاں ایک خطرناک فتنہ ''انکارِ حدیث'' کا بھی ہے آج کل کی مادی اور لادینی طاقتیں اسلام کی پابندیوں سے آزاد رہنے کیلئے اس فتنے کو سہارا دے رہی ہیں۔

دراصل یہ فتنہ مقام نبوت اور منصب رسالت سے بے خبری کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، اس فتنے کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اسی غرض سے یہ بندہ عاجز حدیث کی ضرورت واہمیت کے موضوع پر چند قابل توجہ امور قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ہلکی سی کوشش قبول ومنظور فرمائے۔(اللھم آمین)

منصب رسالت

قرآن پاک کی متعدد آیات مبارکہ میں منصب رسالت کی تفصیلات بتائی گئی ہیں جن میں سے ایک آیت مقدسہ درج ذیل ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. الخ (آل عمران ۱۶۴)

اس آیت میں رب العزت جل جلالہٗ نے اپنے حبیب لبیب علیه التحية والثناء کے چار مناصب وفرائض بیان فرمائے ہیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

پہلا منصب: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ امت پر آیات قرآنی کی تلاوت

دوسرا منصب: وَيُزَكِّيْهِمْ امت کا اجتماعی طور پر تزکیہ نفوس

تیسرا منصب: وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ تعلیم کتاب
چوتھا منصب: وَالْحِکْمَۃَ تعلیم حکمت

اس جیسی دوسری متعدد آیات میں بھی اسی طرح کی تفصیل بیان کی گئی ہے خاص طور پر جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول برحق کو صرف آیات قرآنی سنا دینے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تزکیہء نفوس اور کتاب وحکمت کی تعلیم وتربیت اور تشریح وتوضیح کا فریضہ بھی سونپا ہے کیونکہ آپ کتاب اللہ کے معلم بھی ہیں اور شارح بھی جیسا کہ قرآن پاک کی سورۃ نحل میں بھی واضح ارشاد موجود ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل،۱۴۲)

ترجمہ: یعنی اے محبوب ﷺ! یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کی کہ آپ لوگوں کے لئے اس تعلیم کو خوب واضح فرما دیں جو ان کے لئے اتاری گئی ہے۔

ان آیات میں جو تعلیم دی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کی وضاحت وتشریح کا فرض ادا کرنے کے لئے محض قرآنی الفاظ وکلمات پڑھ کر سنا دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ ان الفاظ وکلمات سے کچھ زائد مطالب ومعانی کا بیان کرنا بھی لازمی ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہی زائد تشریح وتوضیح ''حدیث'' کہلاتی ہے۔ اسی طرح سورۃ اعراب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَأْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (الاعراف،۱۵۷)

یعنی ہمارا رسول لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کیلئے پاک اشیاء کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا اور ان پر سے بوجھ اور بندھن اتارتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

غور فرمائیں! اس آیت میں صراحت کے ساتھ بتادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تشریعی امور پر اختیارات عطا فرمادیئے ہیں۔ آپ شارع ہیں اور امر ونہی، حلال وحرام، جائز وناجائز پر باذن اللہ اختیار رکھتے ہیں اور شرعی فیصلے فرماتے ہیں اور آپ حکم وقضاء پر بھی مقرر ہیں جیسا سورۂ نسآء کہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّـا اَنـزَلـنَـا اِلَیکَ الـکِتَـابَ بِـالحَقِّ لِتَحکُمَ بَینَ النَّـاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ (النسآء،۱۰۰)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ قرآن اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلے فرمائیں۔

اسکے علاوہ واضح اعلان بھی موجود ہے

فَلَاوَرَبِّکَ لَایُؤمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَاشَجَرَ بَینَهُم ثُمَّ لَایَجِدُوا فِی اَنفُسِهِم حَرَجاً مِمَّا قَضَیتَ وَیُسَلِّمُوا تَسلِیماً (النساء۶۵)

یعنی اے نبی ﷺ تیرے رب کی قسم! وہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات اور جھگڑوں میں تجھے حاکم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم نہ کرلیں پھر جو آپ فیصلہ فرمادیں تو اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی رکاوٹ یا تنگی محسوس نہ کریں اور تیرے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔

اس آیت میں بھی حضور سرور دوعالم ﷺ کے لئے حاکم، قاضی اور جج ہونے کے منصب کی وضاحت کردی گئی ہے۔

قرآن نے اس امر کو پورے طور پر واضح کردیا ہے کہ نبی محض چٹھی رساں (ڈاکیا) کی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی قرآنی الفاظ کو یاد کر کے لوگوں کو سنادینے پر اس کا فریضہ ادا ہوتا ہے بلکہ نبی' شارع اور حاکم کی حیثیت سے اپنے قول اور عمل کے ذریعے قرآنی مطالب ومعانی کی تشریح وتعبیر کا بھی مکلّف اور پابند ہوتا ہے اور ا۔ کا قول وعمل' امت کیلئے سند اور حجت قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔ جب تک نبی کے عمل اور قول

کی روشنی میں قرآن نہ پڑھیں گے اس وقت تک نہ قرآن پر عمل ہو سکے گا اور نہ ہی قرآن سمجھا جا سکے گا۔

قرآن کی تشریح وتعبیر کے طریقے

قرآن کی تشریح وتعبیر دو طرح سے ہو سکتی ہے

1 : نبی کے عمل کے ذریعے..........اس کو عملی تشریح کہتے ہیں

2 : نبی کے قول کے ذریعے..........اس کو قولی تشریح کہتے ہیں

عمل کے ذریعے قرآن کی تشریح کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی مثال

قرآن میں حکم ہے۔ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ''نماز قائم کرو''

اب سوال پیدا ہوگا کہ لفظ صلوۃ کا کیا مفہوم ہے؟ نماز کیسے پڑھیں؟ اوقات نماز اور رکعات نماز کی تعداد کتنی ہے؟ نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی تفصیلات کیا ہیں؟ رکوع وسجود، قیام وقعود میں کیا کیا پڑھیں؟

یہ وہ مسائل ہیں جن کا تفصیلی جواب قرآن میں مذکور نہیں۔ قرآن خاموش ہے کیونکہ قرآن کا کام اصول بیان کرنا ہے۔ اس کے فروع اور شعبے حدیث کے ذریعے ہی بیان ہو سکتے ہیں، قرآن نے صرف اصول بیان کر دیا ہے ''نماز پڑھو'' جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس حکم قرآنی پر عمل درآمد کیلئے آمادہ ہوئے تو انہیں لامحالہ یہ تفصیلات نبی کے عمل کے ذریعے حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

صَلُّوۡا کَمَارَاَیۡتُمُوۡنِیۡ اُصَلِّیۡ اے میرے صحابہ مجھے دیکھو! (بخاری)

جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں تم بھی اسی طرح نماز پڑھو (بخاری)

تو ثابت ہوا کہ نبی کا عمل قرآن کی تشریح کرتا ہے۔ نبی کا عمل سامنے نہ ہو تو قرآن پر عمل ناممکن ہو جاتا ہے۔

دوسری مثال

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ (البقرہ) ''اے لوگو! پورا کرو حج کو'' اب سوال یہ ہے کہ حج کا مفہوم کیا ہے؟ حج کیسے کریں؟ حج کے ایام اوراحکام ومناسک کی تفصیلات کہاں سے حاصل کریں؟ نحر، طواف وزیارت، رمی جمرات وغیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ ان سوالات کے جوابات کے سلسلے میں قرآن خاموش ہے لیکن امت کے لئے نبی ﷺ کے عمل نے یہ عقدہ حل کردیا۔ آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے عمل کے ذریعے اَتِمُّوا الْحَجَّ کے حکم قرآنی کی تشریح فرمادی اسی طرح روزہ، زکوٰۃ تمام عبادات ومعاملات، نبوت کی عملی تشریح کے بعد ہی ادائیگی کے قابل ہیں۔ ثابت ہوا کہ قرآن کی اصلی منشاء نبی کی عملی تشریح کے بغیر واضح نہیں ہوسکتی، اور یہی ضرورت حدیث کی دلیل ہے۔

قرآن کا اصلی مفہوم اور اس کی حقیقی منشاء سمجھنے کے دو ہی طریقے ہیں

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے عمل کے ذریعے قرآنی مفہوم کی وضاحت ونشاندہی کرے جس کی دومثالیں آپ کے سامنے بیان ہوئیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نبی اپنے قول وفرمان کے ذریعے قرآن کا معنی اوراس کی منشاء متعین کرے اور سمجھائے تاکہ نبی ﷺ کی قولی تشریح سے قرآن کی تفسیر وتعبیر معلوم کی جاسکے اس کی بھی دومثالیں پیش خدمت ہیں۔

قولی تشریح کی پہلی مثال

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ'' (البقرہ)

ترجمہ: یعنی اس وقت تک سحری کھاتے رہو جب تک فجر کے کالے دھاگے سے

سفید دھاگہ ظاہر نہ ہو جائے۔

اس آیت میں فجر کی پو پھوٹنے (طلوع صبح صادق) تک سحری کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ابتداء میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت قرآنی کا صحیح اور متعین مفہوم نہ سمجھ سکے تھے یہاں تک کہ ایک صحابی نے رات کو ایک کالا دھاگہ اور ایک سفید (دونوں دھاگے) اپنے سرہانے رکھ لئے اور رات کو بار بار اٹھ کر دیکھتے کہ یہ کالا دھاگہ سفید کب ہوگا چنانچہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں کہ خیطِ ابیض سے کیا مراد ہے اور خیطِ اسود سے کیا مراد ہے؟۔

حضور ﷺ نے فرمایا خیط ابیض سے مراد فجر کی سفیدی ہے اور خیط اسود سے مراد رات کی سیاہی ہے (بخاری) جب حضور نے اپنے قول سے اس آیت قرآنی کی تشریح فرمائی تب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) سمجھے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے۔

قولی تشریح کی دوسری مثال

فرمان باری تعالیٰ ہے ''فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا'' (النساء)

ترجمہ: یعنی پاک مٹی سے تیمّم کرو۔

اس آیت میں پانی میسر نہ آنے کی صورت میں ہر قسم کے حدث سے پاک ہونے کے لیے پاک مٹی سے تیمّم کر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا صحابہ کرام ابھی اسلام کی تفصیلات سے آگاہ نہ تھے اور آیت تیمّم کا پورا مفہوم نہ سمجھ سکے ایک بار سفر کے دوران بعض صحابہ کرام کو غسل واجب کی ضرورت پیش ہوئی تو انہوں نے ریت پر لیٹ کر اپنے سارے جسم پر ریت ملنا شروع کر دی جب حضور ﷺ کی خدمت میں یہ ماجرا پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت وضو اور غسل ہر دو ضرورتوں کی تکمیل پر مشتمل ہے لہٰذا غسل کے لیے بھی صرف تیمّم ہی کافی ہے تب

جا کر صحابہ کرام اس آیت کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہوئے۔

قارئین حضرات! قرآن کی مذکورہ آیتیں سامنے رکھیں اور سوچیں کہ جب تک نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل وقول کے ذریعے قرآن کی تشریح نہیں فرمائی صحابہ کرام کو بھی قرآن سمجھ میں نہ آیا حالانکہ وہ اہل زبان تھے، فصیح اللسان تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی قرآن کے اولین مخاطب تھے، حضور ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے، جب وہ لوگ قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور ﷺ کی عملی اور قولی تشریحات وتوضیحات کے محتاج تھے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں کہ نبی ﷺ کی قولی اور عملی تشریح کے بغیر کلام اللہ کو سمجھنے کا دعویٰ کرسکیں (معاذ اللہ) یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کے قول وعمل ہی کا دوسرا نام حدیث ہے۔ لہٰذا حدیث کو چھوڑ کر قرآن فہمی کا دعویٰ کرنا لاف زنی کے مترادف ہے اسی لیے اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو قرآن کا معلم بھی قرار دیا اور مبین بھی جیسا کہ ارشاد فرمایا:

۱...... ''وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' (البقرہ)

۲...... ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ'' (النحل)

ثابت ہوا کہ قرآن کا سکھانا اور کھول کر بیان کرنا رسالت کے منصب میں شامل ہے۔ جس طرح قرآن کا متن مسلمانوں کے لیے حجت ہے اسی طرح اس کی نبوی تشریح وتعبیر بھی امت کے لیے حجت اور واجب القبول ہے۔ آیت مذکورۃ الصدر میں نبوت کے چار مناصب وفرائض بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا منصب:- تلاوت آیات ہے جس کا مطلب تو واضح اور ظاہر ہے

دوسرا منصب:- تزکیہء امت ہے یعنی افراد امت کو قلب ونظر کی پاکیزگی سے مزین کرنا

جیسا کہ فیضان نبوت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں تزکیہ کا عملی نمونہ بن گئی تھیں۔ اور آئندہ بھی قیامت تک مشکوۃ نبوت کے ذریعے تزکیۂ امت کا عمل جاری رہے گا۔

تیسرا منصب:- تعلیم کتاب ہے۔ تعلیم سے مراد آیات کے معانی ومطالب کی تشریح وتوضیح کا بیان ہے، نہ کہ نفس تلاوت کیونکہ اس طرح تحصیل حاصل بھی ہے اور بے مقصد تکرار بھی جو کہ قرآن کی جامعیت وبلاغت کے خلاف ہے۔

چوتھا منصب:- تعلیم حکمت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکمت کیا چیز ہے؟ اس کا جواب دوسری آیت سے مل رہا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (النساء)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ پر کتاب بھی نازل فرمائی اور حکمت بھی۔

معلوم ہوا کہ کتاب بھی اللہ کی طرف سے حضور ﷺ پر نازل ہوئی اور حکمت بھی، کتاب بھی ''مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہِ'' ہے اور حکمت بھی ''مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہِ'' ہے۔ کتاب بھی وحی ہے اور حکمت بھی وحی ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت کے لیے ایک حدیث کا مفہوم قابل غور ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: آگاہ رہو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک چیز اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔

تمام علماء سلف متفق ہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد سنت (حدیث) ہے اور سنت بھی وحی کی ایک قسم ہے چنانچہ علامہ ابن قیم نے کتاب الروح (صفحہ نمبر ۹۲) میں لکھا ہے۔

''وَالْکِتَابُ ھُوَ الْقُرْآنَ وَالْحِکْمَۃُ ھِیَ السُّنَّۃُ بِاتِّفَاقِ السَّلَفِ''

ترجمہ: یعنی کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے باتفاقِ سلف سنت رسول مراد ہے

غور فرمائیں! فرمان رسالت یہ ہے کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک چیز بھی دی گئی ہے تو قرآن کی مثل وہی شئی ہوسکتی ہے جو قرآن کی

طرح مُنزَّل مِنَ اللّٰہِ ہوگی۔ثابت ہوا کہ کتاب بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اور حکمت بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔قرآن بھی وحی خدا اور حکمت بھی وحی خدا ہے۔قرآن وحی جلی اور حکمت وحی خفی ہے' قرآن وحی متلو ہیں اور حکمت وحی غیر متلو ہے' وحی متلو قرآن ہے جس کا ایک ایک حرف تواتر سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ ومعنی دونوں کے لحاظ سے اللہ کا کلام ہے۔وحی غیر متلو' حدیث ہے۔وہ معنی کے لحاظ سے تو اللہ کا کلام ہے لیکن الفاظ کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ دلائل قطعیہ کے ساتھ یہ امر واضح ہوا کہ قرآنی احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لیے احادیث رسول ﷺ کی اشد ضرورت ہے مثلاً زکوٰۃ' حج' عمرہ' صوم' تیمّم وغیرہ کے جو معانی شرعاً مطلوب ہیں وہ محض ان الفاظ کے لغوی مفہوم سے ہرگز واضح نہیں ہو سکتے۔

ثابت ہوا کہ اگر احادیث نبوی ﷺ نہ ہوں تو مسلمانوں کے پاس قرآن کے معانی شرعیہ اور مطالب اصلیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہ جاتا۔اگر احادیث مبارکہ کو معتبر نہ جانا جائے تو ہم قرآن کی بتائی ہوئی شاہراہ ہدایت پر نہیں چل سکتے۔اسی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب)

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہاری عملی زندگی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

وَهٰذَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ

پیکرِ جمال

نورازل نے جب عدم کے گیسو وا کئے تو شب دیجور سے صبح نورعیاں ہوئی جیسا کہ ''کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا...... الخ'' کے عنوان سے یہی حقیقت مستورہ عریاں ہوئی حقیقت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) سی نوزازل کی پہلی تجلی ہے جو سبب تکوین کائنات اور باعث تخلیق ممکنات قرار پائی۔

''لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ '' کا یہی راز ہے کہ مخلوقات اسی شہنشاہ لولاک کے قدوم پاک کی خیرات ہے آیت ''وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ''(انبیاء) اسی امر کی غماز ہے کہ حسن کائنات اسی جان کائنات کے جمال کی زکوٰۃ ہے۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ شمس وقمر کی تابشوں کا ہر چمکارہ اور عرش وکرسی کی نازشوں کا ہر نظارہ اسی شاہد رعنا کے حسن تبسم کی سوغات ہے۔

وہ نقّاش ازل کا نقش اول

وسیم وقسیم، مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کہ جس کی تحسین وتزئین، تشکیل وتعمیر، تعلیم وتادیب اور حسن تخلیق میں مصور حقیقی نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

وہ شہکارِ قدرت

جس کو خالق ہستی نے صورت وسیرت، حسن وجمال، فضل وکمال اور جود ونوال کی جن عظمتوں اور بلندیوں پر فائز فرمایا عالم ممکنات میں اس کی مثال ناممکن ہے۔
امام ربانی حضرت سیدنا شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

''در عالم امکاں مثل او متصور نیست''

وہ محبوب مطلق جس کی ہر ادا محبوب خدا، ہر نگاہ مرکز ہدیٰ، ہر عشوہ جانِ وفا، ہر جلوہ

جہان سخا، ہر تیور کان حیا، ہر دم دلربا، ہر قدم دلکشا، ہر سخن جانفزا بلکہ سارا بدن معجزہ نما۔

تجھے بنا کے جو نزدیک و دور سے دیکھا
خدا نے خود کو نہایت غرور سے دیکھا

وہ روح کائنات

جو اٹھے تو فلک کو عروج ملے، بیٹھے تو دھرتی کو سکون ملے، پسینہ آئے تو گلشن مہکنے لگیں، مسکرائے تو ستارے چمکنے لگیں لب ہلائے تو عنادل چہکنے لگیں، بات سنائے تو پھول جھڑنے لگیں، جس کے چہرے سے صبح کو سویرا ملے، جس کی زلفوں سے شب کو اندھیرا ملے، جس کے تبسم سے جنت مچلنے لگے، جس کے غصے سے جہنم ابلنے لگے، جو اشارہ کرے تو آفتاب فق ہو جائے، جو انگلی اٹھائے تو ماہتاب شق ہو جائے، جو سر اٹھا کے بولے تو قرآن بنتا جائے، جو سر جھکا کے بولے تو حدیث بنتی جائے۔

جو چادر اوڑھ کے لیٹے تو خدا پکارے--- یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ
جو کمبل اوڑھ کر نکلے تو کہا جائے------ یَاَیُّهَا الْمُزَمِّلُ
جس کے دانتوں کے چمکارے------ یٰسین وطٰہ
جس کے چہرے کے نظارے------ والضّحیٰ
جس کی آنکھوں کا خمار-------- مازاغ البصر
جس کی زلفوں کا نکھار--------- لیلۃُ القدر

رخ جیسے آئینے میں مصور جڑا ہوا
ماتھے کی ہر لکیر پہ قرآن لکھا ہوا
آواز جیسے نغمہ فطرت چھڑا ہوا
آغوش جیسے ہو در کعبہ کھلا ہوا

وہ کمال حسن حضور! کہ

دنیا میں حسن یوسف (علیہ السلام) کے چرچے ہیں لیکن حسن مصطفیٰ (ﷺ) کی

جلوہ سامانیاں چودہ طبق کو محیط ہیں‘ حسن یوسف میں صباحت غالب تھی اور حسن مصطفیٰ میں ملاحت کا غلبہ تھا، حسن یوسف پہ نظریں جمتی نہ تھیں اور حسن مصطفیٰ سے نظریں ہٹتی نہ تھیں۔

وہ حسین تو یہ احسن ہیں‘ وہ شریف تھے تو یہ اشرف ہیں‘ وہ کریم تھے تو یہ اکرم ہیں‘ وہ کامل تھے تو یہ اکمل ہیں‘ وہ جمیل تھے تو یہ اجمل ہیں۔

حسن یوسف دیکھ کر مصر کی عورتوں نے انگلیاں تو کاٹ لیں مگر ایمان نہ لائیں اور حسن مصطفیٰ دیکھ کر عرب کے مرد ایمان پہلے لائے اور گردنیں بعد میں کٹائیں غرضیکہ:

لو امی زلیخا لو رأین جبینہ
لاثرن بقطع القلوب علی یدی

کسی شاعر نے کیا خوب کہا!

ھزار صبح بہار از نگاہ می چکدش
جنوں ز سایہ زلف سیاہ می چکدش
چمن چمن گل ونسریں ز عکس رخ ریزد
بہ پیش گاہ جمالش جلال سر بہ سجود
چہ خندہ وچہ تبسم کہ ماہ می چکدش
صد آفتاب بہ زیر گلیم می رخشند
ز دلق فقرچہ تکلم کہ ماہ می چکدش
چہ گفتگو چہ تکلم شہادتے بہ حدوث
ز نور چہرہ قدم را گواہ می چکدش
نگاہ کنید بہ بخت بلند بیوہ زنے
کہ از کنار غریبش چہ ماہ می چکدش

انسانی حقوق

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

زیر نظر مقالہ ۲۸ اگست ۱۹۹۶ء ڈسٹرکٹ کونسل ہال گوجرانوالہ میں محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام منعقدہ ڈویژنل سیرت کانفرنس میں پڑھا گیا۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحب صدر حضرات علماء اعلام معزز سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام گوجرانوالہ میں ڈویژنل سیرت کانفرنس کا انعقاد ایک نہایت مستحسن اقدام ہے جس پر محکمہ اوقاف بجا طور پر مبارکباد کا مستحق ہے۔ اور اس مبارک تقریب میں مجھ جیسے ناچیز کو ''انسانی حقوق سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں'' کے مقدس موضوع پر مقالہ پڑھنے کی دعوت ملنا میرے لیے اعزاز بھی ہے اور ذریعہ نجات بھی۔ والحمدللہ علی ذلک

اظہار تشکر کے بعد۔۔۔ عرض مدعا یوں ہے کہ۔۔۔ لفظ سیرت ''سار'' کا اسم ہے اس کے لغوی معنی عادت، طریقہ، خصلت، روش، اور طرز زندگی کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر حضور ختمی مرتبت، رحمت عالم، نور مجسم ﷺ کے حالات، واقعات، افکار و تعلیمات، ارشادات و احکامات کے مجموعہ پر ''سیرت النبی ﷺ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ کے مبارک وجود کے ساتھ متعلق ہوا سے سیرت کہتے ہیں۔

اس مفہوم کے اعتبار سے سیرت النبی ﷺ کے باب کا آغاز صرف ولادت طیبہ اور بعثت مقدسہ سے نہیں ہوگا بلکہ آپ کی خلقت منورہ سے سیرت کا باب شروع ہوگا۔لہذا ابتدائے نور سے لے کر صبح ظہور تک اور صبح ظہور سے لے کر یوم النشور تک ہر طرف آپ کی سیرت کے جلوے ابھرتے، نکھرتے، بکھرتے، سنورتے اور مچلتے نظر آتے ہیں۔

اگر یہ مفہوم ذہن نشین ہو جائے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ

اول المسلمین بھی آپ ہیں اور.......... خاتم المرسلین بھی،

اول العابدین بھی آپ ہیں اور.......... رحمۃ اللعالمین بھی،

اول الہادیین بھی آپ ہیں اور.......... اول المسبحین بھی،

مقام افسوس ہے کہ سیرت لکھنے والوں نے سیرت نگاری کا باب ادھورا چھوڑ رکھا ہے۔انہیں سوچنا چاہیے کہ انسان کامل کی سیرت بھی کامل ہونی چاہیے اسی لیے ہمارا ایمان ہے کہ سیرت کا بنیادی نکتہ طہارتِ رسول وعصمتِ رسول ہے۔

''علیہ وعلی الہ واصحابہ الصلوات والتحیات''

اے کاش! سیرت نگار اگر یہ راز پا جاتے کہ پہلا مسلمان، پہلا عابد اور پہلا تسبیح کہنے والا کون ہے تو وہ آپ کی سیرت کو صبح ازل سے لے کر شام ابد تک محیط پاتے کیونکہ

رخ تنویر صبح ازل ہے
زلف ابد کی کالی رات

سیرت کے اصلی مفہوم کو پا لینے کے بعد مسئلہ خود بخود ذہن میں اتر جاتا ہے کہ بعثت نبوت کا مقصد

صرف تبلیغ نہیں تکمیل ہے،

صرف......تشکیل نہیں......تکمیل ہے'

صرف......تعلیم نہیں......تعمیر ہے'

یعنی نبی کا کام صرف احکام پہنچا دینا نہیں بلکہ ان پر عمل کر کے دکھا دینا بھی نبوت کے فرائض میں شامل ہے۔

ارشاد قرآنی "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ" (البقرہ) کے مطابق قرآن قلب نبوت پر اترا اور نبی کے اعضاء و جوارح کے ذریعے عملی شکل میں ظاہر ہوا تو پھر یاد رہے کہ علم قرآن اور عمل نبوت کو کبھی علیحدہ علیحدہ نہ کیا جا سکے گا' بلکہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ

قرآن......اگر علمی مرتبے میں لَارَیْبَ فِیْهِ ہے......تو

نبی......عملی مرتبے میں لَاعَیْبَ فِیْهِ ہے

کیونکہ نبی نے اپنے عمل کے ذریعے قرآن کے

ہر اجمال کو تفصیل......ہر متن کو تشریح......ہر کنایہ کو تصریح......ہر حرف کو تعبیر......اور ہر لفظ کو تفسیر بنا دیا ہے

خود اللہ رب العزت جل جلالہ نے آپ کی سیرت کی وسعت کو قرآن میں "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کے ارشاد سے تعبیر فرمایا' اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن" کے مطابق آپ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو رب تعالیٰ نے اپنے کلام کا جامہ پہنا کر قرآن کی شکل میں نازل فرما دیا۔ اللہ رب العزت نے

آپ کی تشریف آوری کو	مومنین پر احسان سے'
آپ کے وطن کو	وادی غیر ذی زرع سے'
آپ کی بعثت کو	امیوں میں ہونے سے'
آپ کی تبلیغ کو	رسالت و بشارت و نذارت سے'

آپ کی خانگی زندگی کو	سورۂ تحریم واحزاب، نور وحجرات میں،
آپ کی ہجرت کو	سورۂ انبیاء، فرقان وانفال میں،
آپ کے غزوات کو	سورۂ انفال وآل عمران، احزاب اور فتح وتوبہ میں،
آپ کے مشاغل رحمت کو	سورۂ بقرہ واحزاب میں،
آپ کے معجزات کو	سورۂ بنی اسرائیل، یونس اور ھود وغیرہ میں

بیان فرمایا۔ اسی طرح

آپ کے عقائد کو	اپنی ذات وصفات کی آیات سے،
آپ کے اعمال کو	احکامات کی آیات سے،
آپ کے استدلال کو	تکوینی آیات سے،
آپ کے حال کو	تشریحی آیات سے،
آپ کے قال کو	قصص وامثال کی آیات سے،
آپ کے جمال کو	محبت کی آیات سے،
آپ کے کمال کو	عظمت کی آیات سے،
آپ کے مراقبہ کو	تفکرات کی آیات سے،
آپ کے محاسبہ کو	ترکِ لذات کی آیات سے،
آپ کے شوق کو	جنت نعیم کی آیات سے،
آپ کے غضب کو	نارِ جحیم کی آیات سے،
آپ کی امید کو	رحمت کی آیات سے،
آپ کے خوف کو	عذاب کی آیات سے،
آپ کے سکون کو	انعامات کی آیات سے،
آپ کے ملال کو	انتقام کی آیات سے،

آپ کے بُغض فِی اللہ کو حدود و جہاد کی آیات سے،
آپ کی حُبّ فِی اللہ کو امن و راحت کی آیات سے،
آپ کے عروج کو نزول وحی کی آیات سے،
آپ کے نزول کو تعلیم و تربیت کی آیات سے،
آپ کی خلافت کو تنفیذِ احکام کی آیات سے،
آپ کے قرب کو معراج کی آیات سے،
آپ کی آمد کو میلاد کی آیات سے

بیان فرمایا

نیز

آپ کے کلام کو اپنے کلام سے،
آپ کے سلام کو اپنے سلام سے،
آپ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے،
آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے،
آپ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے،
آپ کی ادا کو اپنی ادا سے،
آپ کی وفا کو اپنی وفا سے،

اور

آپ کی رضا کو اپنی رضا سے،

تعبیر فرماتا ہے

الغرض یہ کہ

''ہمہ قرآں در شان محمد است''

زیراں زبراں شدّاں مدّاں شان اوہدی وچہ آیاں
بے خبراں نوں خبر نہ کوئی خاصاں رمزاں پایاں

حضرات محترم! سیرت النبی (ﷺ) کے آئینے میں انسانی حقوق کا تحفظ' دین اسلام میں ایک بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول رحمت (ﷺ) کا نوع انسانی پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے اسے انسانی حقوق کا وہ تصور دیا جو قومیت' وطنیت 'نوعیت' جنسیت' لسانیت اور لونیت کے بتوں کو پاش پاش کر کے ایک ایسا بے مثال معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں حبشی اور رومی' ایرانی اور افغانی' عربی اور عجمی کے اختلاف وامتیازات کو کوئی اہمیت اور کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ حضور ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقعہ پر میدان عرفات میں جبل رحمت پر حیات طیبہ کا جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا اسے انسانی حقوق کا عالمی منشور قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

"اَیُّھَا النَّاسُ اَلا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ لَافَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی الْاَسْوَدَ وَلَا لاَسْودَ عَلٰی الْاَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی"

ترجمہ لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے' خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم! چمن زادیم و از یک شاخساریم!
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم!

آپ نے عصبیت جاہلیہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا "لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَی الْعَصَبِیَّۃ" جو کسی کو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں۔

آپ نے عصبیت کی تعریف یوں بیان فرمائی "اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَکَ عَلٰی

الظُّلَمِ"، یعنی عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو!

یہ انسانی حقوق کی سب سے پہلی دستاویز ہے جس پر آپ نے سب سے پہلے خود عمل فرمایا۔

"اَلا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیّةِ تَحْتَ قَدَمِیْ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِیّةِ مَوْضُوْعَةٌ"

آپ نے فرمایا خاندان، قبیلہ، نسب وحسب، ذات پات، چھوت چھات کی ہر بات دور جاہلیت کی خرافات ہیں۔ میں آج کے بعد انہیں باطل قرار دیتا ہوں اسی طرح دور جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور ایسے تمام معاہدے اور معاملے، میں اپنے قدموں تلے روندتا ہوں اور کالعدم قرار دیتا ہوں

ہاں اسی دن ہو گیا تھا نور حق سے چور چور
آ بگینے کی طرح جھوٹے خداؤں کا غرور

آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی معاملات کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا اور مزید آپ نے فرمایا:

"ایها الناس ان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا وکحرمة شهرکم هذا فی بلدکم هذا"

اس فرمان میں حضور ﷺ نے تین چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا کہ مومن کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح تم عرفہ کے دن کو ذی الحجہ کے اس مہینے کو اور اس شہر مکہ کو قابل احترام سمجھتے ہو۔

جب ۹ ہجری مقام تبوک میں حضور ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا "سباب المومن فسوق وقتاله کفر" یعنی مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جھگڑا کرنا کفر یعنی امر منکر ہے اور اس کی غیبت کرنا اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر" **لا تثریب علیکم الیوم فاذھبوا انتم الطلقاء** "فرما کر کفار و مشرکین کے لیے عفو عام کا اعلان فرماتے ہوئے انسانی جان کی حرمت کا وہ روح پرور مظاہرہ پیش فرمایا جو ہر دور کی اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے لیے باعث تقلید و تعمیل رہے گا۔

پیغمبر انسانیت ﷺ نے انسان کے لیے تحفظ مال کا اصول یوں متعین فرمایا کہ "جو شخص اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ (بخاری شریف)

انسان کی آبرو کا تحفظ بھی اس کا ایک بنیادی حق ہے۔ رسول خدا ﷺ نے حرمت اور آبرو کا مسئلہ یوں حل فرمایا کہ جس نے کسی انسان کی بے عزتی یا آبروریزی کی یا کوئی اور ظلم کیا تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے معاف کرا لے اس دن سے پہلے جب اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ (بخاری جلد اول)

حضرات محتشم! ہمارا دعویٰ ہے کہ ابھی تک دنیا کے مہذب ترین ممالک' اسلام کی تہذیب اور معیار عدل و مساوات کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ اشتراکی ممالک' جو پسماندہ طبقہ کے زیادہ خیر خواہ بنتے ہیں ان میں بھی افراط و تفریط موجود ہے جو نہ صرف تقسیم رزق میں ہے بلکہ سماجی اور معاشرتی سطح پر بھی ہے۔ امریکہ جو اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا مہذب و متمدن ملک کہلاتا ہے وہاں چلئے! دیکھتے ہیں کہ امریکہ کی قریباً بیس ریاستوں میں سیاہ فام انسانوں کو اجازت نہیں کہ وہ سفید فام انسانوں کے ساتھ ایک سکول یا ایک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ فلوریڈا کی ریاست نے تو ان کے نصاب تعلیم میں بھی امتیاز ضروری سمجھا ہے۔ امریکہ کی تمام ریاستوں میں کسی سفید فام کا کسی سیاہ فام حبشی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی حبشی مرد کا سفید فام عورت سے رشتہ ہو سکتا ہے۔ سماجی لحاظ سے نسلی امتیاز کا حال یہ ہے

کہ قریباً چودہ ریاستوں میں ریل کے سفر کے دوران قانوناً حبشیوں کو گوروں سے علیحدہ بیٹھنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ دماغی امراض کے ہسپتالوں میں سفید فام پاگلوں کو سیاہ فام پاگلوں پر فوقیت دی جاتی ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب وہ اعلان ہے جو واشنگٹن کے کتوں کے مقبرے کے انچارج نے کیا تھا کہ آئندہ وہ اپنے قبرستان میں ان کتوں کو بھی دفن نہیں ہونے دے گا جن کے مالک سیاہ فام ہوں گے۔

واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس کے عین بالمقابل اور ابراہیم لنکن کے مشہور مجسمے کے زیرسایہ ایک ایسا محلّہ آباد ہے جس میں ڈھائی لاکھ حبشی رہتے ہیں' ان کی زندگی اس طرح گزر رہی ہے جس طرح چوپائے اپنے باڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی امتیاز اور اختلاف سکولوں' کالجوں' ہوٹلوں' ہسپتالوں سے لے کر عبادت گاہوں اور گرجوں تک موجود ہے۔

مسلمانوں کو فرقہ واریت کا طعنہ دینے والوں کا اپنا یہ حال ہے کہ ۱۹۶۴ء میں امریکہ کے شہر کولمبیا میں ان کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات صرف اس بناء پر شروع ہو گئے تھے کہ ایک حبشی عورت نے ایک گورے دوکاندار سے ذرا تلخ گفتگو کی تھی۔

بانی اسلام ﷺ کی سیرت سے ہمیں تو یہ سبق ملتا ہے کہ ؎

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

اس کے مقابلے میں ذرا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کے دو واقعات پر بھی غور کیجئے جو نہایت ہی ایمان افروز ہیں۔ آپ امیر المومنین ہیں اور حضرت بلال ایک سیاہ فام حبشی ہیں لیکن جب وہ امیر المومنین سے ملنے آتے ہیں تو آپ احتراما

کھڑے ہوکر استقبال کرتے ہیں اور سیدنا بلال کہہ کر محبت بھرے الفاظ سے ان کی پذیرائی کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ جب بیت المقدس فتح ہوا تو آپ فاتحانہ شان کے ساتھ شہر میں اس طرح داخل ہوئے کہ خود پیدل تھے اور سواری پر آپ کا غلام تھا۔ دنیا کی دوسری قوموں کے نمائندے بھی وہاں موجود تھے مسلمان پکار اٹھے کہ ؎

وہ دیکھو کس شان سے امت کا امام آتا ہے
خود تو پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

سامعین ذی وقار! آج کل ہر طرف انسانی بنیادی حقوق کا بڑا چرچا ہے اور اقوام متحدہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے انسانی حقوق کو متعین کر کے ان کا چارٹر شائع کر دیا ہے۔ لیکن حقیقۃ الامر یہ ہے کہ انسان کے بنیادی حقوق کا تصور سب سے پہلے قرآن اور اسلام نے دیا تھا اور آج سے چودہ صدیاں قبل صاحب قرآن اور بانی اسلام ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا تھا۔ قلت وقت کے باعث چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

وہ حقوق کیا ھیں:

احترام انسانیت اور تکریم آدمیت، مدارج کا تعین، اطاعت کا اصول، حاکم و محکوم کا تعلق، عدل و احسان کی عملی تشکیل، مال، جان اور آبرو کی حفاظت کے حقوق، معاشرتی اور معاشی حقوق، ہر فرد کے لیے سامان زیست مہیا کرنے کے حقوق، مذہبی وسیاسی آزادی کے حقوق، مزدور اور مظلوم کے حقوق، حیثیت عرفی کے تحفظ کے حقوق، والدین اور اولاد کے حقوق، شاگرد اور استاد کے حقوق، زوجین کے حقوق، صلہ رحمی اور ہمسائیگی کے حقوق، اور اس قسم کے دوسرے تمام حقوق کا تعین ہمیں صرف سیرت النبی ﷺ کے آئینے میں اس وقت سے دکھائی دے رہا ہے جب دنیا میں انسانی حقوق کا نام ونشان

تک بھی نظر نہ آتا تھا۔

آج تمام غیر اسلامی طاقتیں انسانی حقوق کا واویلا اور بنیاد پرستی کا ہوا کھڑا کر کے اسلامی نظام کے خلاف نفرت کا طوفان بپا کر رہی ہیں اہل یورپ انسانی حقوق کا سہرا یونان کے فلسفیوں کے سر پر باندھ رہے ہیں حالانکہ ان کے ہاں انسانی حقوق کا تصور بھی موجود نہیں۔

افلاطون نے ریاست میں صرف فلاسفر کو حکمرانی کا حق دیا ہے۔ ارسطو نے معاشرہ میں طبقاتی تقسیم کو روا رکھا ہے۔ "میگنا کارٹا" کو فرد کی آزادی کا چارٹر قرار دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اسلام کی آمد سے سات سو سال بعد کی پیداوار ہے۔ روسو کے معاہدۂ عمرانی کا بھی یہی حال ہے جو اس نے اٹھارہویں صدی میں پیش کیا اور اسے انقلاب فرانس کی انجیل قرار دیا جاتا ہے۔

یورپ کے نام نہاد محققین اس بصیرت سے بے بہرہ ہیں کہ انسانی حقوق کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے علمبردار پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام ہیں۔
اسی پیغمبر انقلاب کے ایک غلام کی داستان عدل سنئے!

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (گورنر مصر) کے بیٹے نے جب ایک قبطی کو کوڑوں سے پیٹا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی دادرسی کرتے ہوئے عمرو بن عاص کے صاحبزادے کو اسی قبطی سے کوڑے لگوائے اور گورنر مصر کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے فرمایا! عمرو "تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا ہے؟ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا" بعد میں یہی فقرہ اٹھارہویں صدی میں روسو کی زبان سے ادا ہوا تو یورپ کے متعصبین نے اسے انسانی حقوق کا بنیادی پتھر قرار دے لیا۔
حالانکہ۔

اب جو آئی ہے گلشن گیتی میں بہار
رنگ اڑا لائی ہے انہی گلستانوں سے

حاضرین مکرم! آج نام نہاد اقوام متحدہ، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، میں انسانی حقوق کی دھجیاں اڑا رہی ہے اور تمام مہذب قومیں (بزعم خویش) انسانی حقوق کی پامالی پر خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہیں۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے نام نہاد عالمی ادارے کو چھوڑ کر اقوام مسلمہ کا الگ پلیٹ فارم تیار کریں کیونکہ اقوام متحدہ انسانی حقوق کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے اب ہمیں بانگ دہل یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ

ہم پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

علامہ اقبال مرحوم نے اقوام متحدہ کے متعلق فرمایا تھا۔

"بہرِ تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند"

اہل اسلام کو اس حقیقت پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ انسانی حقوق کی پاسداری فقط سیرت النبی ﷺ کے دامان رحمت ہی میں موجود ہے اور اسلام ہی انسانوں کے بنیادی حقوق و فرائض کا واحد علمبردار ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

اللهم صل علی سید نا محمد
بقدر حسنه وجماله وجوده ونواله
وفضله وکماله وقاله وحاله وعزه وجلاله
وصحبه واله وبارک وسلم ابدا ابدا"
وما علینا الا البلاغ

حضور ﷺ ماہ رمضان کیسے گزارتے؟

ماہ رمضان المبارک امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام اور عطیہ ہے یہ مہینہ بے شمار رحمتوں کا حامل اور لاتعداد برکتوں کا ضامن ہے۔ اسی ماہ میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور سرور کائنات ﷺ کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ اسی ماہ میں لیلۃ القدر کی سعادتیں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مقدر میں لکھی گئیں۔

اس مقدس مہینے کے قیمتی لمحات اور بابرکت اوقات کو گزارنے کے لیے سب سے زیادہ بہتر وہ طریقہ ہے جو ہمارے رسول اکرم، نور مجسم ﷺ نے اختیار فرمایا کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی منشاء سے بھی خوب آگاہ ہیں اور اس ماہ کی اہمیت سے بھی۔

لہذا آئیے! ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت وسیرت کی روشنی میں انہی خطوط ونقوش پر ماہ رمضان المبارک گزارنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زندگی برکات وانعامات سے مالا مال ہوجائے۔ حضور سرور کائنات ﷺ جب ماہ رمضان کا چاند دیکھتے تو اپنی مخصوص دعا میں یہ الفاظ بھی استعمال فرماتے ''هَلَالُ رُشْدٍ ''یعنی یہ چاند خیر وبرکت والا ہے۔ جب رمضان شریف شروع ہوتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں یہ مخصوص دعا کیا کرتے ''اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِیْ مِنْ رَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ وَسَلِّمْهُ مِنِّیْ ''یعنی اے اللہ! مجھے رمضان میں آنے والی بلیات سے محفوظ فرما اور رمضان کو میرے لیے سلامتی والا بنا اور مجھے اس میں اپنی نافرمانی ومعصیت سے سلامت رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ماہ رمضان آتا تو اس

خوف کے پیش نظر کہ کہیں کسی مشکل کی وجہ سے اس میں حق عبودیت ادا کرنے میں کمی نہ ہو جائے۔ آپ کا رنگ مبارک فق ہو جاتا اور ماہ رمضان میں اپنی صحت وسلامتی بحال رہنے کی دعا کیا کرتے تھے۔

کنز العمال میں ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ ماہ رمضان کی آمد پر صحابہ کرام کو مبارکباد دیتے اور رمضان المبارک کو مَرْحَبًا بِہٖ وَاَھْلًا کے الفاظ کے ساتھ خوش آمدید فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ سے جو مانگا جاتا آپ کبھی انکار نہ فرماتے۔ خود اپنی زندگی فقر وفاقہ میں بسر فرماتے مگر لوگوں پر عطیات کی ایسی بارش فرماتے کہ شہنشاہ بھی اس پر حیران ہو جاتے پھر آپ کی سخاوت محض مال ودولت لوٹانے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام انواع سخاوت پر مشتمل تھی۔ خاص کر جب رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوتا تو سخاوت میں اور بھی اضافہ فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ہم نے رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی سخاوت کی برسات کو تیز ہوا سے بڑھ کر دیکھا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے مگر ماہ رمضان میں آپ ﷺ کی سخاوت اور بھی زیادہ ہو جاتی۔ ماہ رمضان میں زیادہ سخاوت کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس ماہ میں ثواب ستر گنا سے بھی بڑھ جاتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ بھی اس ماہ میں بندوں پر انعام واکرام کی بارش فرماتے ہیں اس لیے آپ سنت الہیہ کو اپنا کر جود وسخا میں اضافہ فرما دیتے اس میں روزہ داروں کی اعانت کا جذبہ بھی شامل ہوتا' اس طرح آپ ﷺ نے امت کے لیے سخاوت کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

اس ماہ میں حضور سرور کائنات ﷺ روزے کی برکات کے ساتھ ساتھ روزے دار کا مقام اور درجہ بھی خاص طور پر بیان فرماتے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کو رمضان کے حوالے سے

ایسی پانچ چیزیں عطا ہوئی ہیں جو سابقہ کسی امت کو نصیب نہیں ہوئیں

۱۔ روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے

۲۔ افطار کے وقت تک سمندر کی مچھلیاں روزہ داروں کے لیے دعا کرتی ہیں۔

۳۔ ہر روز جنت کو مزین کیا جاتا ہے۔

۴۔ شیاطین کو رمضان میں قید کر دیا جاتا ہے۔

۵۔ آخری رات کو امت کی بخشش کر دی جاتی ہے۔

حضور ﷺ سحری تاخیر سے کرتے اور امت کو بھی سحری میں تاخیر کا حکم دیا تا کہ روزہ دار کو نماز فجر کی ادائیگی میں آسانی ہو اور زیادہ دیر پہلے سحری کر لینے سے نیند غالب نہ آ جائے اور نماز فجر رہ نہ جائے۔

ہر عبادت کے کچھ آداب ہوتے ہیں اگر ان کو پیش نظر رکھ کر اس عبادت کو بجالایا جائے تو اس کے ثمرات زیادہ ہوتے ہیں اسی لیے آپ ﷺ نے روزہ کے آداب بھی بیان فرمائے تا کہ امت' حالت روزہ میں ان کا خصوصی خیال رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو نہ بری بات کرے اور نہ غلط کام کرے۔ اگر اس سے کوئی لڑے یا اسے کوئی گالی دے تو وہ کہے'' اِنِّیْ صَائِمٌ ''میں حالت روزہ میں ہوں۔

السنن الکبریٰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ محض کھانے پینے سے رکنے کا نام ہی نہیں روزہ تو لغویات اور بری باتوں سے بچنے کا نام ہے۔ اسی طرح روزہ کی حالت میں زبان کو جھوٹ اور فحش کلامی سے بچانا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے بھی اپنی زبان کو محفوظ رکھنا لازم ہے۔ قرآن نے غیبت کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم روزہ رکھو تو چاہیے کہ تمہارے کان' آنکھیں اور زبان بھی روزہ سے ہوں۔

حضور ﷺ سارا سال ہی عبادت الٰہی میں کمی نہ فرماتے مگر ماہ رمضان المبارک میں دوسرے مہینوں سے بڑھ کر عبادت فرماتے اور جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو اس میں اور بھی خصوصی عبادت کا اہتمام فرماتے' اعتکاف فرماتے اور کثرت تلاوت وزہد وانابت اختیار فرماتے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ آخری عشرہ میں جتنی محنت فرماتے دوسرے دنوں میں اتنی محنت نہ فرماتے۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے آپ ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دلاتے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وصال کے سال بیس روز اعتکاف فرمایا۔ لیلۃ القدر کے لیے خصوصی اہتمام فرماتے اور فرمایا کرتے کہ ''ھِیَ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ''یعنی لیلۃ القدر قیامت تک باقی ہے رمضان المبارک کی آخری رات کی فضیلت کے بارے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس رات میں اتنی مقدار میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرماتا ہے جس قدر تمام مہینہ میں آزاد فرمائے۔اس آخری رات میں بھی حضور ﷺ ذکر وعبادت اور شب بیداری کا خاص اہتمام فرماتے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اَوَّلُہ' رَحْمَۃٌ اَوْسَطُہ' مَغْفِرَۃٌ وَآخِرُہ' عِتْقٌ مِّنَ النَّار ''ماہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے' درمیانی عشرہ بخشش والا ہے اور آخری عشرہ دوزخ کی آگ سے آزادی دلانے والا ہے۔

اسلام میں عید میلاد النبی ﷺ کی حیثیت

قرآن حکیم کی روشنی میں دن منانے کی حیثیت واہمیت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ............الخ (ابراھیم، ۵)

''اس آیت میں رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو وہ دن یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمتیں نازل فرمائیں۔''

معلوم ہوا کہ نعمتیں ملنے کے دنوں کو یادگار کے طور پر منانا حکم خداوندی ہے۔ یوں تو سب دنوں اور راتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں جن دنوں کا خاص طور پر منانے اور ان کی یاد دلانے کا حکم دیا گیا ہے وہ کون سے دن ہیں؟

مفسرین امت نے فرمایا کہ اَيَّامُ اللّٰهِ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات فرمائے۔ (تفسیر ابن عباس، ابن جریر، خازن، مدارک وغیرہا)

کوئی بھی مسلمان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضور سرور کائنات ﷺ عالمین کے لیے رحمت بھی ہیں اور نعمت بھی''

❁ رحمت کی دلیل تو یہ آیت ہے۔

''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ: ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت بنا کر تمام جہانوں کے لیے''

❁ آپ کے نعمت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔

اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ کُفْرًا (ابراہیم' ۲۸)

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے بدلا اللہ کی نعمت کو کفر کرتے ہوئے؟

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ ﷺ نِعْمَةُ اللّٰهِ (بخاری ۲/۵۶۶)

ترجمہ: ''اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں''

جب ثابت ہوا کہ آپ رحمت بھی اور نعمت بھی ہیں تو اللہ کی رحمت اور اللہ کی نعمت کے حصول پر ان دنوں میں شکر ادا کرنا' اظہار خوشی کرنا اور لوگوں کو ان دنوں کی عظمت و تاریخ سے آگاہ کرنا اور یاد منانا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی آیت: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا هُوَخَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (یونس' ۵۸)

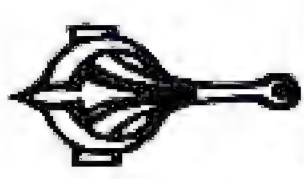
ترجمہ: ''اے محبوب: لوگوں سے فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اسکی رحمت کے ملنے پر چاہیے کہ وہ خوشی کریں' وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

اس آیت میں فضل و رحمت کے حصول پر خوشی منانے اور مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری آیت ''وَاَمَّابِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ط (پ۳۰ ع۱۸)

ترجمہ: ''(اے محبوب ﷺ) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو (یعنی عام چرچا کرو)۔''

اس آیت میں اللہ کی نعمت کا ذکر' عام کرنے اور خوب چرچا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔



تیسری آیت ''وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ط (آل عمران' ۱۰۳)

ترجمہ: ''اور ذکر کرو اللہ کی نعمت کا جو تم پر ہوئی''

جب حضور ﷺ بلاشبہ اللہ کی نعمت ہیں تو آپ کی تشریف آوری کا اجتماع یا انفرادی طور پر ذکر کرنا' قرآن حکیم سے ثابت ہوا اور اسی عمل کا نام محفل میلاد ہے۔

بحمدہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیات مقدسہ کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ رحمتوں اور نعمتوں کے ملنے کے دن' اللہ کے خاص دن ہوتے ہیں لہذا ان دنوں کی یاد تازہ کرنا حکم الٰہی کے عین مطابق ہے۔اس لیے نعمت ملنے پر اس کا چرچا کرنا چاہیے۔ ثابت ہوا کہ رحمت ملنے پر خوشی منانا اور مال خرچ کرنا چاہیے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام رحمتوں میں سے بڑی رحمت اور تمام نعمتوں میں سے اعلیٰ ترین نعمت ہیں۔

لہذا آپ کی تشریف آوری (میلاد) کا دن منانا اور اس دن ہر جائز خوشی کا اظہار کرنا' یہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔آمد محبوب خدا اور ظہور ذات مصطفیٰ ﷺ پر جتنی بھی خوشی منائی جائے کم ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنا بدعت نہیں' برکت ہے۔

احادیث مقدسہ کی روشنی میں دن منانے کی حیثیت وافادیت

حضور ﷺ کی ولادت پر خوشی منانے سے کافر کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔

پہلی حدیث بخاری شریف میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ اُرِيَهٗ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ اَنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعَتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ (بخاری ج ۲ ص ۷۶۴)

ترجمہ: ''جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض اہل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے اس

کوخواب میں بہت برے حال میں دیکھا تو پوچھا تجھ پر کیا گزری؟ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی خیر نہیں ملی سوائے اس کے کہ میں سیراب کیا جاتا ہوں کلمہ کی انگلی سے (پیر کے دن) کہ اس دن میں نے اس انگلی سے (حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں) ثویبہ (لونڈی) کو آزاد کیا تھا''

اس حدیث کو علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (طبع جدید) جلد۲ صفحہ ۹۵ پر نقل فرمایا ہے۔ یہی حدیث خصائص کبریٰ جلد اول میں موجود ہے۔ نیز اسی حدیث کو امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۹۶ پر نقل کیا ہے۔

اسی طرح علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے مختلف اقوال نقل فرما کر آخر میں اپنے قول سے بھی تائید فرمائی۔ (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۱۹)

غور فرمائیے ! ابولہب ایسا سخت کافر تھا جس کی مذمت میں قرآن کی پوری سورۃ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ط) نازل ہوئی۔ وہ کافر تھا ہم مومن ہیں' وہ دشمن تھا ہم غلام ہیں' اس نے رسول اللہ ﷺ کے میلاد کی خوشی نہیں کی تھی بلکہ اپنے بھتیجے کی خوشی کی تھی اور ہم رسول اللہ ﷺ کے میلاد کی خوشی کرتے ہیں۔ جب دشمنوں اور کافروں کو میلاد کی خوشی کرنے سے اتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے تو مومنوں اور غلاموں کو کتنا فائدہ پہنچے گا؟ (فافهم وتدبر)

حدیث مذکورہ بالا سے میلاد کے دن کی اہمیت اور اس دن خوشی منانے کی افادیت ظاہر ہوئی۔ (**فالحمد للّٰہ علٰی ذالک**)

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرورعالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا تم عاشورے کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ دن ہمارے نزدیک نہایت مقدس و بابرکت ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام اوران کی قوم (بنی اسرائیل) کوفرعون اور اس کی قوم کے ظلم سے نجات دلاکر فتح نصیب فرمائی تھی اس لئے ہم اس دن کو "یادگار فتح ونجات" سمجھتے ہیں اور تعظیماً اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ان کے اس جواب پر حضور سرورعالم ﷺ نے ارشادفرمایا۔

فَنَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنکُمْ فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ...... الخ (بخاری ۱/۲۶۸)

ترجمہ: پس ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں' موسیٰ علیہ السلام کی فتح ونجات کا دن منانے کے پس حضوراکرم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھااور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

غورفرمائیے: عاشورے کا دن بنی اسرائیل کے نزدیک بھی مبارک اور حضور ﷺ کے نزدیک بھی مبارک۔بنی اسرائیل اس دن کی سالانہ یادگار منائیں،تعظیم کریں تو حضور ﷺ اس کو بدعت نہ فرمائیں' بلکہ خود بھی منائیں اور صحابہ کو بھی منانے کا حکم فرمائیں۔جس دن (یوم عاشورہ) بنی اسرائیل کوفرعون سے نجات ملی' اگر وہ دن منانا جائز ہے تو جس دن (یوم میلاد) بنی نوع انسان کوکفروشرک اورظلم وستم سے نجات ملی' وہ دن منانا کس طرح بدعت ہوسکتا ہے؟

مندرجہ بالا دوحدیثوں سے ثابت ہوا کہ

مقدس دنوں کی یاد منانا سنت ہے' مستحب ہے' امر مستحسن اور مندوب ہے۔ اس کو بدعت کہنا سراسر زیادتی اور بے انصافی ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام وسلف صالحین کے اقوال واعمال سے یوم میلاد منانا' محافل کرانا ذکر مصطفیٰ ﷺ کے چرچے کرنا ثابت ہے

میلاد اور قرآن حکیم

سب سے پہلے انبیاء کرام کی محفل میں (روز میثاق) حضوراکرم ﷺ کی

تشریف آوری کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ملاحظہ ہو)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ...... الخ (آل عمران ۸۱)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ دیا میں نے تم کو کتاب اور حکمت سے اور پھر آئے تمہارے پاس عظمت والا رسول' جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے ساتھ ہے' تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے۔

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔

معلوم ہوا کہ ذکر مصطفیٰ ﷺ کی پہلی محفل "**محفل انبیاء**" ہے جس میں ذکر میلاد کرنے والا اللہ تعالیٰ اور سننے والے انبیاء کرام تھے۔

اسی طرح انبیاء و مرسلین علیہم السلام اپنے اپنے دور میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے تذکرے فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کی محفل عام میں حضور اکرم ﷺ کی آمد (ولادت) کا یوں چرچا فرمایا۔

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف ۶)

ترجمہ: اے لوگو! میں بشارت دیتا ہوں تم کو اس رسول کی جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جن کا نام پاک احمد (ﷺ) ہے۔

آپ کی آمد کا ذکر قرآن میں خود اللہ تعالیٰ نے بایں طور فرمایا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ ۱۲۸)

ترجمہ: بیشک آ گئے تمہارے پاس تم میں سے وہ رسول' جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے' جو تمہارے خیر خواہ ہیں' مؤمنوں پر بہت زیادہ مہربان اور رحیم ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں اس آیت میں لَقَدْ جَآءَ کُمْ کے جملے میں ولادت کا ذکر ہے اور مِنْ اَنْفُسِکُمْ کے لفظوں میں آپ کا نسب شریف اور خاندان کا بیان فرمایا گیا اور عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ میں آپ کے فضائل، خصائل اور سیرت مقدسہ کا تذکرہ موجود ہے۔

بحمدہ تعالیٰ محفل میلاد شریف میں ہم یہی کچھ بیان کرتے ہیں جو کچھ قرآن مجید میں خود اللہ رب العزت نے بیان فرمایا۔

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی آمد کے تذکرے اور ذکر مصطفیٰ ﷺ کے چرچے کرنے اور محافل میلاد منعقد کروانے کی اصل، قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس عمل کو بدعت کہنے والے عبرت حاصل کریں۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

میلاد النبی ﷺ اور حدیث

خود حضور ﷺ نے اپنا میلاد منایا

پہلی حدیث حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر سوموار کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

"سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُّ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ ...... الخ (مشکوٰۃ، ص ۱۷۹ کتاب الصوم)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ سے پیر کے دن کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کی ابتداء ہوئی۔

الحمدللہ! اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱...... پیر کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کا دن ہے
۲...... حضور ﷺ نے پیر کے روزے کا اہتمام فرما کر خود اپنی ولادت کی یاد منائی
۳...... امت کے لیے یوم ولادت کی اہمیت وفضیلت ظاہر فرمائی۔

۴...... دن مقرر کر کے یادگار منانا سنت نبوی ﷺ ہے۔
۵...... ولادت کی خوشی میں ''عبادت'' کرنا سنت ہے۔
(عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل) خواہ مالی ہو (جیسے صدقہ' خیرات و تقسیم شیرینی وغیرہ)

غرضیکہ حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی منانا' جائز طریقے سے مال خرچ کرنا' اظہار شکر کے لیے دعا' عبادت' تلاوت' نعت وغیرہ سب مستحسن امور ہیں۔

دوسری حدیث : فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَی الْمِنبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا...... الخ
(مشکوٰۃ' ص ۵۱۳ باب فضائل سید المرسلین)

ترجمہ: سرور دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔فرمایا میں محمد ہوں' عبداللہ کا بیٹا ہوں' عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ میں پیدا کیے (یعنی انسان بنایا)' انسانوں میں دو گروہ پیدا کئے (عرب و عجم) اور مجھے اچھے گروہ (عرب) سے بنایا' پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے قبیلے (قریش) میں بنایا پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان (بنو ہاشم) میں پیدا کیا۔پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندانی لحاظ سے بھی سب سے اچھا ہوں۔

تیسری حدیث : حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی محفل میں اپنا میلاد یوں سنایا'

سَأُخْبِرُکُم بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَ بَشَارَۃُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَدْ خَرَجَ لَھَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَھَا مِنْہُ قُصُوْرُ الشَّامِ...... الخ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۳)

ترجمہ: یعنی میں تم کو اپنے ابتدائی معاملات کی خبر دیتا ہوں ۔میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں اور میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ انکے جسم پاک سے

ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انہیں شام کے محلات نظر آ گئے۔

ثابت ہوا : کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے اجتماع میں خود اپنی محفل میلاد منعقد فرمائی اور اپنی ولادت، اپنا حسب نسب، اپنی خاندانی شرافت اور طہارت کا بیان فرما کر اپنی امت کو بھی میلاد منانے کی ترغیب دلائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ کا میلاد پڑھتے اور مناتے تھے۔

پہلی حدیث حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ نعت سناؤ جو تورات میں ہے تو انہوں نے پڑھ کر سنائی۔

قُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی التَّوْرَاةِ قَالَ اَجَلْ......الخ (مشکوۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین)

دوسری حدیث حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی شان میں نعتیہ قصیدے لکھے اور پڑھے، حضور ﷺ نے ان پر اظہار خوشنودی فرمایا اور ان کے لیے یوں دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بخاری ۱/۶۵)

ترجمہ: اے اللہ (حسان) کی مدد فرما، روح القدس کے ساتھ۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نعتیہ قصیدہ کے دو اشعار درج ذیل ہیں۔

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ
وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

ان نعتیہ اشعار میں حضور ﷺ کی ولادت اور بے عیب خلقت کا ذکر ہے۔ گویا یہ قصیدہ میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ہے۔

تیسری حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں حضور ﷺ کا میلاد پڑھا قصیدے کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں

وَ اَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَّ اَشْرَقَتِ
اَلْاَرْضُ وَضَآءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقٗ
فَنَحْنُ فِیْ ذَالِکَ الضِّیَآءِ وَ فِیْ
النُّوْرِ وَ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقٗ (کمافی التنویر)

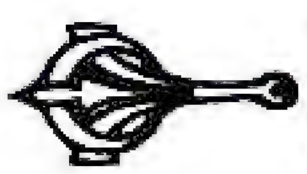
ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کے نور سے تمام زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے تمام آسمانی فضائیں پرنور ہوگئیں پس ہم اسی نور میں رشد وہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں۔

چوتھی حدیث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ عمر میں بڑے ہیں یا نبی اکرم ﷺ۔ تو انہوں نے جواب دیا "رَسُوْلُ اللہ ﷺ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَقْدَمُ فِی الْمِیْلَادِ" یعنی بڑے تو حضور ﷺ ہی ہیں اور میں میلاد النبی سے پہلے ہوں۔ (ترمذی ص ۲۰۲ حصہ دوم باب ماجآء فی میلاد النبی)

اسی طرح دیگر صحابہ کرام بھی وقتاً فوقتاً ذکر ولادت رسول ﷺ کرتے رہے اسی چیز کا نام محفل میلاد ہے۔

میلاد منانا ہمیشہ سے امت کے جلیل القدر بزرگوں کا معمول رہا ہے۔

❁ حضرت شیخ شہاب الدین احمد قسطلانی (شارح بخاری) مواہب اللدنیہ (جلد اول ص ۲۷ مطبوعہ مصر) میں تحریر فرماتے ہیں۔



"وَلَازَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ یَحْتَفِلُوْنَ بِشَھْرِ مَوْلِدِہٖ ﷺ"

ترجمہ: حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اہل اسلام ہمیشہ سے محافل میلاد منعقد کرتے چلے آئے ہیں۔

امام قسطلانی اوران کی اس کتاب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"ان کا وعظ سننے کے لیے دنیا سمٹتی تھی وہ اپنے وقت کے بے نظیر عالم تھے چنانچہ مواہب اللدنیہ انہی کی تصنیف ہے جو اپنے باب میں لا ثانی ہے۔
(بستان المحدثین اردو ترجمہ مولوی عبدالسمیع دیوبندی ص ۳۱۸)

میلاد کے متعلق
امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ کا فرمان

دیگر درباب مولودخوانی اندراج یافته بود درنفس قرآن خواندن بصوت حسن ودرقصائد نعت ومنقبت خواندن چه مضائقه است؟ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۷۲)

نیز آپ نے مولودخوانی کے بارے میں لکھا تھا تو محفل میلاد میں اچھی آواز سے قرآن پڑھنے اور نعت ومنقبت کے قصیدے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمتہ گولڑوی کا فتویٰ

حضرت گولڑوی اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں کے لیے خوشئ میلاد (جلوس وغیرہ) جائز ہے۔ (فتاوٰے مہریہ ص ۱۸)

علماء دیوبند کے پیرومرشد
حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمتہ کا فیصلہ

مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔ (کلیات امدادیہ فیصلہ ہفت مسئلہ)

فرمایا کہ میلاد شریف تمامی اہل حرمین کرتے ہیں۔ اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۴۷)

میلاد کے متعلق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کا عقیدہ وعمل

- حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ نے اپنے ایک مکتوب میں یہ اظہار خیال فرمایا ہے کہ'

آپ کا وجود' ضعف اسلام کے زمانے میں اہل اسلام کے لیے غنیمت ہے

- نیز مخالفین کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی افاضات یومیہ میں لکھتے ہیں کہ'

''حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ بہت بڑے شیخ ہیں۔ ظاہر کے بھی' باطن کے بھی۔''

- اب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ میلاد شریف کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَازَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ يَحْتَفِلُوْنَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهٖ ﷺ (مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ ص ۷۹)

ترجمہ: اور اہل اسلام' ہمیشہ میلاد کے مہینے میں محفلیں منعقد کرتے رہے۔

- مدارج النبوت جلد دوم میں ابولہب کے لونڈی آزاد کرنے کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

"دریں جاسند یست مراہل موالیدرا کہ درشب میلاد سرور کنند وبذل اموال نمایند الخ"

یعنی اس واقعہ میں میلاد منانے والوں کے لیے سند اور دلیل ہے جو کہ حضور ﷺ کی شب ولادت میں خوشی مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں۔

❁ حضرت شیخ محقق اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' کے آخر میں بارگاہ خداوندی میں مناجات کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

دعا

ترجمہ: ''اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فساد نیت موجود رہتا ہے۔ البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقعہ پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں۔ (اخبار الاخیار فارسی صفحہ ۳۲۰)

حضرت شاہ ولی محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کا مکاشفہ

آپ فرماتے ہیں کہ'

میں مکہ معظّمہ میں میلاد کے روز حضور ﷺ کے مولد مبارک میں تھا۔ اس وقت لوگ آپ پر درود شریف پڑھتے تھے اور آپ کی ولادت کا ذکر کرتے اور وہ معجزات بیان کرتے تھے جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے۔ میں نے اس مجلس میں انوار و برکات دیکھے۔

''فَتَامَّلْتُ تِلْكَ الْاَنْوَارَ فَوَجَدْتُّهَا مِنْ قِبَلِ الْمَلَائِكَةِ الْمُتَوَكِّلِيْنَ بِاَمْثَالِ هٰذِهِ الْمُشَاهِدِ'' الخ

ترجمہ: پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار، ان فرشتوں کے ہیں جو ایسی مجالس و مشاہد پر مقرر ہوتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۲۷)

قطب الواصلین حضرت شاہ احمد سعید نقشبندی مجددی دہلوی علیہ الرحمتہ کا فرمان

مے فرمودند کہ خواندن مولود شریف وقیام نزدیك ذکر ولادت باسعادت مستحب است'' (مقامات سعیدیہ ومناقب احمدیہ صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ: آپ فرمایا کرتے تھے کہ میلاد شریف کا پڑھنا اور ولادت باسعادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا مستحب ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں

کہ میلاد شریف کا عمل، قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، سلف صالحین، اولیاء کرام اور علماء ومحدثین سے مسلسل میلاد منانا ثابت ہے

بعض غیر ذمہ دار حضرات کا یہ قول کہ ''میلاد کے بانی عمر بن ملا محمد موصلی اور سلطان اربل ہیں'' حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

غور فرمائیے مندرجہ بالا اقتباسات کے پیش نظر یہ تمام بزرگان دین (میلاد شریف منانے والے) کیا مشرک وبدعتی تھے؟

تعجب ہے

محافل میلاد شریف قیام وسلام اور جلوس عید میلاد النبی ﷺ کو شرک و بدعت قرار دینے والے لوگ خدا سے ڈرتے کیوں نہیں؟ ان لوگوں کی طرف سے فحاشی، عیاشی، سینما بینی، رقص وسرود، سود ورشوت اور فرنگی تہذیب کے مہلک اثرات اور متعدی سیئات وبدعات کے خلاف کبھی کوئی موثر اقدام، اہتمام اور پمفلٹ وغیرہ دیکھنے میں نہیں آتا۔

مگر

شان رسالت، عظمت ولایت، ذکر ولادت اور مسلمانان اہل سنت سے ان

کی دشمنی ونفرت کا یہ عالم ہے کہ جب عید میلاد النبی ﷺ کا مبارک موقع آتا ہے تو ان کی نام نہاد رگ توحید پھڑک اٹھتی ہے۔ اور

ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ

ان کے نزدیک جشن دارالعلوم دیوبند تو جائز ہے لیکن جشن عید میلاد النبی ﷺ بدعت ہے۔

- یوم (مفتی) محمود تو جائز ہے' یوم مولود نا جائز ہے۔
  سیرت کے جلسے تو درست ہیں مگر ولادت کے جلسے درست نہیں۔
  آخر انہیں نبی کریم ﷺ کی عظمت وشان سے ضد کیوں ہے؟
- اپنے مولویوں کا استقبال وجلوس' سالانہ اجتماعات وکانفرنسیں' یوم عثمانی' یوم عطاء اللہ بخاری' احمد علی کی سالانہ برسی' کافرہ ومشرکہ اندرا گاندھی کی جشن دیوبند میں صدارت وتعظیم' گاندھی وکانگریس کے جلسوں وجلوسوں میں شرکت' مس فاطمہ جناح کے جلوس وجلسے اور قرآن وحدیث کے خلاف انہیں سربراہ مملکت بنانے کی کوششیں' دیوبند میں سابق صدر بھارت راجندر پرشاد کے ''نعرے واستقبال اور نجد میں مرحبا نہرو رسول السلام'' کے نعرے وجلوس (معاذاللہ)' یوم شوکت اسلام اور غلاف کعبہ کے جلوس' یہ سب جائز وعین توحید ہیں۔

مگر پیارے محبوب' تاجدار مدینہ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی اور آپ کی عظمت وشوکت کے مظاہرے کے لیے منعقد ہونے والے تمام جلسے وجلوس بدعت ونا جائز ہیں (ولاحول ولاقوۃ الاباللہ)

حالانکہ پاکستانی عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ بھٹو حکومت کے خلاف ''قومی اتحاد'' کے سلسلے میں تمام دیوبندی' اہلحدیث علماء وعوام عید میلاد کے جلسوں اور جلوسوں میں باقاعدہ شریک ہوتے رہے ہیں' ختمات شریفہ کی شیرینیاں کھاتے

رہے' مزارات مقدسہ پر حاضریاں دیتے رہے' چادریں چڑھاتے رہے'

کیا یہ سب کچھ بدعت اور ناجائز سمجھ کر کرتے رہے ہیں یا (اقتدار کے لالچ میں اپنا مسلک وعقیدہ بدل کر) جائز اور سنت سمجھ کر؟

ع الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

یوم ولادت اور یوم وصال کی تحقیق

مخالفین کی عادت ہے کہ تقریباً ہر سال عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک ومسعود موقعہ پر مسلمانان اہل سنت کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار شروع کر دیتے ہیں اور امن عامہ واستحکام ملکی کے خلاف فتنہ وفساد کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

اس سال (**1984**) عید قربان کے موقعہ پر گوجرانوالہ کے اہلحدیث حضرات کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع کیا گیا' جس میں عید میلاد النبی ﷺ کو شرک وبدعت قرار دیا گیا اس پمفلٹ میں کوئی خاص قابل ذکر بات تو موجود نہیں البتہ ایک مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے جس کا جواب اور رد ہماری مذہبی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس پمفلٹ میں سارا زور اس بات پر صرف کیا گیا ہے کہ

''**بارہ ربیع الاول** باتفاق اہل اسلام' حضور ﷺ کا یوم وفات ہے نہ کہ یوم ولادت! چونکہ حضور کی وفات کے دن' صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین انتہائی غمزدہ تھے لہٰذا اس تاریخ کو خوشی کا اظہار کرنا' ان کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔''

گویا ان کے نزدیک بارہ ربیع الاول کا یوم ولادت ہونا مشکوک اور یوم وفات ہونا یقینی ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ !

تاریخ ولادت میں معمولی اختلاف کے باوجود، جمہور محققین و اکثر علمائے امت کے نزدیک حضور ﷺ کا یوم ولادت بارہ ربیع الاول ہی ہے اور اسی پر امت کا عمل وتعامل ہے اور امت کا تعامل بجائے خود دلیل ہے۔

✿ چونکہ شریعت مطہرہ میں بطور شکریہ یادگار و خوشی منانا جائز اور مستحسن ہے لیکن تین دن سے زیادہ سوگ منانا منع ہے۔ اسلئے اہل اسلام وعلمائے امت نے ہمیشہ یوم ولادت منایا ہے بطور سوگ وغم یوم وفات منانا ہرگز ثابت نہیں ہوا۔

✿ ہم حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں زندہ کا سوگ وغم منانا عقل و دیانت کے خلاف ہے ہے اگر مخالفین کے نزدیک بارہ ربیع الاول، ولادت کا نہیں بلکہ وفات کا دن ہے تو وہ یہ دن بطور یوم وفات ہی منالیا کریں۔ لیکن وہ بیچارے

ے نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے

اب آیئے ! آئمہ اسلام سے دریافت کریں کہ بارہ ربیع الاول حضور سید عالم نور مجسم، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت کا دن ہے یا وفات کا؟

پہلے یوم وفات کے بارے میں تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

قول اول

وفات رسول ﷺ یکم ربیع الاول کو ہوئی

"قَالَ یَعْقُوْبُ ابْنُ سُفْیَانَ عَنْ یَحْیٰی بْنِ بُکَیْرٍ عَنِ اللَّیْثِ اِنَّهٗ قَالَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لَیْلَةً خَلَتْ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ"

ترجمہ: روایت کیا یعقوب بن سفیان نے یحییٰ بن بکیر سے انہوں نے لیث سے

انہوں نے کہا کہ وفات پائی رسول پاک ﷺ نے پیر کے دن ربیع الاول کی پہلی رات گزرنے پر۔

وَقَالَ فَضْلُ ابْنُ دُکَیْنٍ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ مُسْتَهَلَّ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ"

ترجمہ: کہا فضل ابن دکین نے وفات پائی رسول خدا ﷺ نے ربیع الاول کا چاند چڑھتے ہی پیر کے دن۔(البدایہ والنہایہ)

قول دوم

وفات رسول ﷺ دو ربیع الاول کو ہوئی

قَالَ الْبَیْهَقِیُّ اَنْبَاءَ نَا اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ الْحَافِظُ قَالَ اَنْبَاءَ نَا اَحْمَدُبْنُ حَنْبَل (الی آخر السند) وَکَانَ اَوَّلُ یَوْمٍ مَرِضَ یَوْمَ السَّبْتِ وَکَانَتْ وَفَاتُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْ شَهْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ

ترجمہ: کہا امام بیہقی نے ہمیں ابو عبداللہ حافظ نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں احمد بن حنبل نے خبر دی (سند کے آخر تک) اور پہلے دن جب حضور ﷺ بیمار ہوئے ہفتے کا دن تھا اور آپ کی وفات پیر کے دن ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ)

قَالَ الْوَاقِدِیُّ وَقَالَ سَعْدُ بْنَ زَهْرِیْ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِیْلَتَیْنِ خَلَتَامِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ (وَرَوَاهُ الْوَاقِدِیُّ عَنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ عَنْ مُحَمَّدِابْنِ قَیْسٍ)

ترجمہ: کہا واقدی نے اور کہا سعد بن زہری نے کہ وفات پائی رسول ﷺ نے پیر کے دن ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر۔

قول سوم

وفات رسول ﷺ دس ربیع الاول کو ہوئی

"عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَاتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِعَشَرٍ خَلَوْنَ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ (البدایہ والنہایہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فوت ہوئے رسول اللہ ﷺ پیر کے دن ربیع الاول کے دس دن گزرنے پر۔

قول چہارم

وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی

- وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہ قول محمد ابن اسحاق کا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد پنجم صفحہ ۲۵۴،۲۵۵،۲۵۶)

مذکورہ بالا آئمہ اسلام کے اقوال آپ نے ملاحظہ فرمائے جن میں وفات رسول ﷺ کے متعلق بعض ائمہ نے فرمایا کہ تاریخ وفات، یکم ربیع الاول ہے۔ بعض ائمہ نے فرمایا تاریخ وفات دو ربیع الاول ہے۔ بعض ائمہ نے فرمایا کہ تاریخ وفات دس ربیع الاول کو ہوئی۔

- محمد بن اسحاق کی ایک روایت میں وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو بیان کی گئی ہے۔
- مخالفین کہتے ہیں کہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔
- لیکن روایات بالا پڑھ کر آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ صرف ایک روایت میں بارہ ربیع الاول کو تاریخ وفات بتائی گئی ہے اور آٹھ روایات اس کے برعکس ہیں۔
- اب آخر میں مشہور سیرت نگار امام ابوالقاسم سہیلی علیہ الرحمتہ کا فیصلہ سنئے۔ آپ

فرماتے ہیں

"لایتصور وقوع وفاتہٗ علیه السلام یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول من سنة احدی عشر وذالک لانه علیه السلام وقف فی حجة الوداع سنة عشر یوم الجمعة فکان اول ذی الحجة یوم الخمیس فعلٰی تقدیر ان تحسب الشهور تامة او ناقصةاو بعضها تام وبعضها ناقص لایتصور ان یکون یوم الاثنین ثانی عشرربیع الاول "

ترجمه: یعنی حضور ﷺ کی وفات بارہ ربیع الاول کو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز سوموار ہوئی اور سنہ ۱۰ھ کا حج یعنی حجۃ الوداع بروز جمعہ ہوا۔

پس اس حساب سے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ بروز خمیس (جمعرات) بنتی ہے۔اس کے آگے ربیع الاول تک تمام مہینے تیس دن کے شمار کریں یا انتیس دن کے۔یا بعض تیس کے اور انتیس کے، کسی صورت میں بھی بارہ ربیع الاول کو سوموار کا دن ہو ہی نہیں سکتا۔

پس روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ کی وفات ربیع الاول کی اور جونسی تاریخ میں بھی ہو، بارہ ربیع الاول کو ہرگز نہیں کیونکہ یہ کسی بھی حساب سے درست نہیں۔

بارہ ربیع الاول یوم وفات نہیں ہے

چنانچہ علماء دیوبند کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی (نشر الطیب ص ۲۰۳) پر رقم طراز ہیں۔

''اور وفات آپکی شروع ربیع الاول سنہ دس ہجری روز دوشنبہ کو قبل زوال یا بعد زوال آفتاب ہوئی'' اس کے بعد حاشیے پر لکھا ہے۔

اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے

پس جمعہ کو نویں ذی الحجہ ہو کر بارہ ربیع الاول دوشنبہ کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔''

اس تحقیق کی روشنی میں مخالفین کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی وفات کی وجہ سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) غمزدہ تھے۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بارہ ربیع الاول بالاتفاق یوم وفات نہیں ہے۔ البتہ بارہ ربیع الاول کے یوم ولادت ہونے پر امت کی اکثریت متفق ہے۔ جمہور محققین، مؤرخین اور امت کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ یوم ولادت، بارہ ربیع الاول روز دوشنبہ (سوموار) ہے۔

اس سلسلہ میں گو روایات مختلف ہیں مگر مشہور ترین قول کے مطابق جملہ اہل اسلام کے نزدیک قرن اول سے لے کر آج تک بارہ ربیع الاول ہی یوم ولادت ہے۔

بارہ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے

(حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے۔!)

حضرت امام بیہقی، امام قسطلانی اور محدث دہلوی علیہم الرحمتہ کے اقوال

چنانچہ امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب دلائل النبوت میں تحریر کرتے ہیں۔

''وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ عَامَ الْفِیْلِ لِاثْنَتَیْ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ''

ترجمہ: رسول کریم ﷺ کی ولادت، سوموار کے دن عام فیل میں ماہ ربیع الاول کی بارہویں رات گزرنے پر ہوئی۔

اسی طرح امام احمد قسطلانی رحمتہ اللہ علیہ (شارح بخاری) زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۱۳۲ میں فرماتے ہیں۔

''وَالْمَشْهُوْرُ اَنَّهٗ ﷺ وُلِدَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ ثَانِیْ عَشَرَ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ وَعَلَیْهِ اَهْلُ مَكَّةَ قَدِیْماً وَحَدِیْثاً وَفِیْ زِیَارَتِهِمْ مَوْضِعُ مَوْلِدِهٖ فِیْ هٰذَا الْوَقْتِ''

ترجمہ: مشہور قول یہی ہے کہ پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی ولادت شریفہ ہوئی اسی بات پر تمام اہل مکہ اگلے پچھلے متفق ہیں کہ وہ آج تک بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کے مقام ولادت کی زیارت کرتے ہیں

✿ چونکہ حضور ﷺ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی لہٰذا تاریخ ولادت کے معاملہ میں انکی بات کو ترجیح دینا' تقاضائے عقل کے عین مطابق ہے۔

✿ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے مدارج النبوت میں سب سے پہلا یہ قول نقل کیا ہے کہ ولادتِ نبوی ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ بعض اور اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

''قول اول اشہر و اکثر است و عمل اہل مکہ بریں است' زیارت کردن ایشاں موضع ولادت را دریں شب و خواندن مولود''

ترجمہ: اکثر اہل اسلام کے درمیان مشہور ترین قول یہی ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے کہ وہ بارہ ربیع الاول کی رات کو حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں اور اس رات کو مولود خوانی کرتے ہیں۔

اب ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ ولادت کی تاریخ میں مکہ والوں کی بات معتبر ہے یا گوجرانوالہ' امرتسر اور روپڑ والوں کی؟

✿ مسلم شریف کی ایک حدیث ملاحظہ ہو!

حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ دس محرم کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس تاریخ کو روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے

شر سے نجات دی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں' لہٰذا ہم بھی اس تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ چنانچہ آپ نے مشہور بین الیہود تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا دن منایا۔ (مسلم شریف)

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کا دن منانا ہو تو اس کے ماننے والوں میں جو تاریخ مشہور ہو' اسی تاریخ کو منانا چاہیے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ تو اہل یہود کی شہرت کو بھی کافی جانتے ہیں مگر مخالفین میلاد اہل اسلام کی شہرت کو بھی ناکافی تصور کرتے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کی کھلی خلاف ورزی کے باوجود پھر بھی اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے پر مصر ہیں **(فیاللعجب)**

❁ بارہ ربیع الاول کو ولادت رسول ﷺ کی شہرت یوں ہی نہیں ہوئی ملاحظہ ہو!

"اَوْ قِیْلَ اِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ خَلَتْ مِنْہُ نَصَّ عَلَیْہِ ابْنُ اسْحَاقَ"

ترجمہ: یعنی حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہونے پر ابن اسحاق نے نص کی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۰)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ اَنَّہٗ وُلِدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الثَّانِیْ عَشَرَ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

مکہ والے کہتے ہیں کہ ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی اور گھر والے بھی کہتے ہیں کہ ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی لیکن مخالفین' بدستور ضد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں

علامہ محمد بن جریر طبری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ

کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۳۹)

- علامہ محمد بن اسحاق مطلبی علیہ الرحمتہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت بارہ ربیع الاول سنہ عام الفیل میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ (سیرت ابن ہشام جلد اص ۱۵۳)
- تاریخ ابن خلدون جلد اول ص ۲۸۹ میں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت' بارہ ربیع الاول سنہ عام الفیل میں اس وقت ہوئی جب نوشیرواں کی حکومت کا چالیسواں سال تھا۔
- حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

''ولادت وے ﷺ روز دوشنبہ دوازدہم ربیع الاول''

یعنی حضور کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ (شواہد النبوۃ ص ۲۲)

- **اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار** جلد اول ص ۶ (مطبوعہ مصر) میں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت' دوشنبہ کے دن بارہ ربیع الاول کو صبح کے وقت ہوئی۔
- **عجائب القصص** (علامہ عبدالواحد حنفی) ص ۲۳۷ مطبوعہ نول کشور میں ہے کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔
- کتاب سیرت پاک شائع کردہ ادارہ مطبوعات پاکستان کے ص ۱۷۵ میں ہے کہ'

''یہ صحیح ہے کہ ربیع الاول میں ہی حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور ربیع الاول ہی میں ولادت ہوئی۔ ولادت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ تاہم اگر بارہویں کو تاریخ ولادت مان لی جائے تو کوئی تاریخی قباحت لازم نہیں آتی' لیکن بارہویں کو وفات ماننا تو عقلاً ونقلاً ہر طرح غلط ہے۔''

علماء اہلحدیث کے نزدیک تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہے

غیر مقلدین (اہل حدیث) کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی نے اپنی تصنیف ''الشمامة العنبریة'' ص ۷ میں لکھا ہے کہ'

''ولادت شریف' مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر کے' روز دوشنبہ' شب دواز دہم' ربیع الاول عام فیل کو ہوئی ۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے - ابن الجوزی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

علماء دیوبند کے نزدیک تاریخ ولادت ۸ یا ۱۲ ربیع الاول ہے

مولوی اشرف علی تھانوی (دیوبندی) اپنی کتاب '' نشر الطیب'' کی ساتویں فصل میں لکھتے ہیں۔

''یوم تاریخ سب کا اتفاق ہے کہ یوم دوشنبہ تھا اور تاریخ میں اختلاف ہے آٹھویں ہے یا بارہویں۔ (کذا فی الشمامہ)

گذشتہ اوراق میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔

لہٰذا صحابہ کرام واہل بیت (رضی اللہ عنہم) عظام' بارہ ربیع الاول کو نہ تو غم زدہ ہوئے اور نہ روئے۔'' اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ بارہ ربیع الاول کو کون رویا تھا۔

امام ابوالقاسم سہیلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ابلیس چار مرتبہ رویا ہے۔

حِيْنَ لُعِنَ وَحِيْنَ اُهْبِطَ وَحِيْنَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَحِيْنَ نُزِلَتْ فَاتِحَةٌ

ترجمہ: ابلیس اپنی زندگی میں چار بار رویا (پہلی بار) اس وقت جب اس پر لعنت کی گئی اور پھر (دوسری بار) جب اس کو راندۂ درگاہ کیا گیا اور پھر (تیسری بار) جب حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور (چوتھی بار) جب سورۃ فاتحہ اتاری گئی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۶)

''یہی روایت خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۱۰ اپر بھی موجود ہیں''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حضور ﷺ کے کنبہ کے فرد اور چچا زاد بھائی ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو حضور کی ولادت ہوئی اور امام سہیلی

ودیگر علماء محدثین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت کے دن شیطان رویا تھا۔

اب بارہ ربیع الاول کوغم کا دن کہہ کر شریک غم ہونے والے خود سوچ لیں کہ وہ کس کے شریک غم ہیں۔

بصورت دیگر: اگر مان بھی لیا جائے کہ بارہ ربیع الاول یوم وصال ہے تو پھر بھی اس دن جلوس اور محفل میلاد کا اہتمام کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ مقبولان بارگاہ خداوندی کے وصال کا دن خوشی اور عرس کا دن ہوتا ہے کہ وہ اس دن دنیا کے قید خانے سے نکل کر اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوتے ہیں۔لہٰذا محبوب سے وصال کے دن خوشی ہوتی ہے نہ کہ غم۔

ہوسکتا ہے کہ یوم ولادت ہی کے یوم وصال ہونے میں یہ حکمت پوشیدہ ہو کہ عشاق رسول ﷺ کے لیے اس دن رنج وافسوس کا فقدان اور خوشی ومسرت کا غلبہ ہو۔

''نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے''

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ (مسند بزاز'الشفا' قاضی عیاض)

ترجمہ: میری ظاہری زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔

ثابت ہوا کہ امت کے حق میں حضور ﷺ کی ولادت اور رحلت دونوں رحمت ہیں۔اب دیکھنا تو یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑی رحمت کونسی ہے؟ تو ظاہر ہے کہ آپ کا میلاد امت کے لیے سب سے بڑی رحمت اور نعمت ہے۔لہٰذا اسی کا حکم غالب رہے گا کیونکہ آپ کا وصال ایسا نہیں ہے جو امت سے آپ کا تعلق اور رشتہ ختم کردے بلکہ آپ کا فیضان رسالت تا قیامت جاری وساری ہے۔

''حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح الشفا میں فرماتے ہیں''

''لَیْسَ ھُنَاکَ مَوْتٌ وَلَا وَفَاتٌ بَلْ اِنْتِقَالٌ مِنْ حَالٍ اِلٰی حَالٍ''

ترجمہ: یعنی حضور ﷺ کے معاملات میں موت اور وفات کا عام تصور مراد نہیں بلکہ

یہاں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شریعت نے بچہ کی ولادت کے موقعہ پر اللہ کے شکر اور خوشی کے اظہار کے لیے عقیقہ کا حکم دیا ہے لیکن وفات کے وقت ایسی کسی چیز کا حکم نہیں۔

"علٰی اَنَّهٗ مُحْسَنٌ فِیْ هٰذَا الشَّهْرِ اِظْهَارَ الْفَرْحِ بِوِلَادِتِهٖ ﷺ دُوْنَ اِظْهَارِ الْحُزْنِ فِیْهِ بِوَفَاتِهٖ" (الحاوی للفتاوی)

یوم ولادت کو یوم عید کہنا درست ہے

منکرین میلاد عوام کو اکثر یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) ہیں یہ تیسری عید (عید میلاد) کہاں سے آ گئی؟

چنانچہ ان کے اس مغالطے کا مکمل اور شافی جواب ملاحظہ ہو۔

جب آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" الخ نازل ہوئی تو ایک یہودی نے امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن عید مناتے۔

"قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَالِکَ الْیَوْمَ (بخاری ۱/۱۱)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں وہ دن اور جگہ معلوم ہے۔ (وہ دن جمعہ و عرفہ تھا اور مقام عرفات تھا)

امام نووی فرماتے ہیں: وَمُرَادُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اِنَّا قَدِ اتَّخَذْنَا ذَالِکَ الْیَوْمَ کَانَ عِیْدًا" الخ (نووی شرح مسلم ۲/۳۲۰)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ ہم واقعی اس دن کو عید کا دن مانتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں

❁ "اس دن ہماری دو عیدیں جمع تھیں (جمعہ و عرفہ یوم حج)" (ترمذی ۲/۱۳۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا' عرفات میں اس دن پانچ عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ جمعہ' عرفہ' یہود کی عید' نصاریٰ کی عید' مجوس کی عید۔

''حضرت امام احمد بن محمد قسطلانی مصری فرماتے ہیں کہ''

ہر جمعہ مسلمانوں کی عید اس لیے ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ''فَمَا بَالُ السَّاعَةِ الَّتِیْ وُلِدَ فِیْهَا سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن'' ط

تو جس دن سید المرسلین پیدا ہوئے اس دن کے عید ہونے میں کیا شک ہے۔

پس معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا حج کا دن' بارہ ربیع الاول کا دن اور جمعہ کا دن مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور غور کریں کہ صرف جمعہ' سال میں ۵۲ ہوئے باقی دو مشہور عیدیں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ)' حج کا دن' بارہ ربیع الاول کا دن ملا کر سال میں مسلمانوں کی تقریباً ۵۶ عیدیں بنتی ہیں۔ مخالفین بیچارے تو صرف دو عیدیں لیے بیٹھے ہیں لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔

تعصب سے الگ ہوکر !

سوچیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی'

''رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ الخ (المآئدہ' ۱۱۴)

ترجمہ: اے اللہ ہمارے اوپر آسمان سے دستر خوان (کھانا) نازل فرما تاکہ ہمارے پہلے اور پچھلوں کی عید بن جائے اور تیری طرف سے دلیل ونشانی۔

علمائے اصولیین نے قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن پاک' سابقہ شریعتوں کا جو قصہ ہم پر بیان کرے اور اس کی تردید نہ کرے وہ ہمارے لیے حجت ہے۔ (نور الانوار' حسامی)

لھٰذا: بطور حجت تامہ کے ثابت ہوا کہ اگر بنی اسرائیل کھانا ملنے کے دن کو عید کہہ سکتے ہیں تو مسلمان بھی محبوب خدا ﷺ کی تشریف آوری کے دن کو عید کہہ سکتے ہیں۔

کیا کھانا ملنے کی خوشی رسول پاک ﷺ کی ولادت کی خوشی سے زیادہ ہے؟

"فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَکٰى"

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ شریعت عیسوی منسوخ ہے اس پر قیاس ٹھیک نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ یہ دعا اخبار سے ہے۔ نسخ انشاء میں ہوتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ (کتب اصول وتفسیر) لہٰذا یہ منسوخ نہیں "**فافھم وتدبر**"

بصورت دیگر مخالفین کے پاس اسکے نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہے تو پیش کریں۔ **هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ**

محفل میلاد کی اصل حیثیت

محفل میلاد کی اصل حیثیت یہ ہے کہ تلاوت قرآن، نعت خوانی کے علاوہ حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر ہوتا ہے۔ فضائل ومناقب بیان ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات پر تقاریر ہوتی ہیں صلوٰۃ وسلام ہوتا ہے اور تعظیم رسول ﷺ شرعاً مطلوب ہے جیسا کہ حکم قرآنی ہے،

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ......الآیہ (الفتح ۹)

ترجمہ: اور ان (اللہ کے رسول ﷺ) کی تعظیم وتکریم کرو۔

صاحب روح البیان نے اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

"وَمِنْ تَعْظِيْمِهٖ ﷺ عَمَلُ الْمَوْلِدِ" الخ

ترجمہ: یعنی میلاد منانا حضور ﷺ کی تعظیم میں داخل ہے۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم میلاد کی اصلیت شرع سے ثابت مانتے ہیں لیکن موجودہ ہیئت کذائی اور صورت مجموعی پر ہمیں اعتراض ہے۔

تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ جس چیز کی اصلیت شرع سے ثابت ہو اور اس کی ہیئت انفرادی، قرآن یا سنت میں موجود ہو وہ کسی ہیئت مباحہ (جائز شکل و صورت) کے لاحق ہونے سے ممنوع نہیں ہو سکتی۔

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اپنی موجودہ صورت میں حضور ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں تھیں اور بعد میں نکالی گئیں مگر آجکل سارے مسلمان انھیں کار خیر سمجھتے ہیں مثال کے طور پر۔

۱۔ پختہ مساجد (بلند مینار اور محراب) ۲۔ دینی مدارس اور ان کا نصاب تعلیم

۳۔ قرآن پاک پر اعراب اور پاروں، رکوعوں اور رموز او قاف کی تعیین۔

۴۔ مسافر خانے ۵۔ احادیث کی کتابیں، اسناد و اقسام وغیرہ

۶۔ مصافحہ بوقت رخصت ۷۔ اذان کیلئے منبر

۸۔ وعظ و تبلیغ کا مروجہ طریقہ (مثلاً اشتہار چھاپ کر، اسٹیج بچھا کر، لاؤڈ سپیکر لگا کر، لحن سرود کے انداز میں یا چند ماہ کے تبلیغی چلے کٹوا کر) ۹۔ سیرت کانفرنسیں

۱۰ سیاسی یا دینی جلوس (یوم شوکت اسلام، غلاف کعبہ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے جلوس)

۱۱ نماز میں زبان سے نیت کرنا ۱۲ زکوۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا

۱۳ بذریعہ ہوائی جہاز حج کرنا ۱۴ تدوین کتب اور ترتیب دلائل

۱۵ طریقت کے چاروں سلاسل کے مشاغل، مراقبے وظائف اور ذکر کے اقسام

۱۶ شریعت کے چاروں سلاسل اور انکے اجتہادی کارنامے وغیرہم،

تو مخالفین میلاد جس دلیل سے ان تمام مذکورہ بالا امور کو جائز، صحیح اور مستحسن کہتے ہیں (حالانکہ یہ تمام امور زمانہ نبوی ﷺ یا قرون اولیٰ میں نہ تھے) کیا بطور الزام خصم اسی دلیل سے محفل میلاد اور جلوس کا صحیح اور درست ہونا ثابت نہیں ہوتا؟

(جبکہ تحقیقی دلائل پیش کئے جا چکے ہیں)

علم اصول کا قاعدہ ہے جسے شامی اور ابن ہمام وغیرہما نے بیان کیا ہے۔

اَلْمُخْتَارُ عِنْدَالْجُمْهُوْرِ مِنَ الشَّافِعِيَّهِ وَالْحَنْفِيَّةِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْ الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ

ترجمہ: جمہور شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں، اباحت اور جواز ہے۔

جیسا کہ "مرقاۃ شرح مشکوۃ اور اشعۃ اللمعات" میں بھی یہی مذکور ہے

پس ثابت ہوا کہ جس چیز کی ممانعت شرع سے ثابت ہو جائے، وہ ممنوع اور حرام ہے اور جس چیز کی ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہو وہ جائز و مباح ہے۔

تو جو شخص جس چیز یا فعل کو ناجائز، حرام یا مکروہ کہتا ہے اس پر واجب ہے کہ اپنے دعویٰ پر دلیل شرعی قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ اس چیز کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا ہی جواز کی دلیل کافی ہے۔

جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا۔

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ......الخ

ترجمہ: حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس پر سکوت فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے اس کے کرنے پر کچھ گناہ نہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ امور متنازعہ فیہا (میلاد شریف و جلوس و قیام و سلام) کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ شرع سے ممانعت ثابت نہ ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے۔

لہٰذا ہم (اہل سنت) سے دلیل و سند مانگنا مخالفین کی بے علمی و جہالت ہے۔ ہم کہتے ہیں تم تو میلاد و جلوس کو ناجائز و حرام و بدعت سیئہ کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا اور رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز و حرام فرمایا ہے؟ اور اگر ثبوت نہ دو اور انشاء

اللہ ہرگز نہ دے سکو گے تو یادرکھو تم نے اللہ ورسول پر افتراء باندھا ہے۔

احادیث مبارکہ اورعلماء اسلام کی تعلیمات وتصریحات کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ ہر احداث(نئی چیز)بدعت ہو بلکہ اِحداث فی الدین بدعت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَامَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ۱/۳۷۱)

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے

اس حدیث میں حضور ﷺ نے خاص اسی بات کو مردود فرمایا ہے جو دین کے خلاف ہو ٔ ہر نئی بات کو منع نہیں فرمایا- اگر آپ ہر نئی بات کو ناپسند فرماتے تو ''مالیس منه'' کی قید نہ بڑھاتے۔

بعض کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ ٔ ہر نئی بات خواہ دین کے مخالف ہو یا موافق سب منع ہے ٔ حاشاو کلّا یہ بات غلط ہے۔

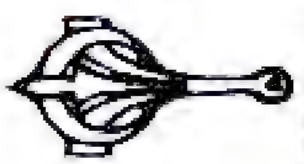
اصل بات یہ ہے کہ جو نئی چیز خلاف دین ہو منع ہے اور جو نئی چیز دین کے خلاف نہ ہو بلکہ مددگار ہو وہ ہرگز منع نہیں بلکہ اس پر حضور ﷺ نے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا (مسلم ۲/۳۴۱)

ترجمہ جس نے کوئی اچھا طریقہ اسلام میں جاری کیا ٔ پھر اس کے بعد اس طریقے پر لوگوں نے عمل کیا تو طریقہ جاری کرنے والے کو اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہوگا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فیصلہ ھفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔

''انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جاے۔



مخالفین اگر اکابرین امت کی تشریحات کونہیں مانتے تو کم از کم اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمتہ کا ارشاد تو مان لیں'

ع شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

حرف آخر

بحمدہ تعالٰی میلاد شریف کے مسئلے پر قرآن وحدیث' آثار صحابہ وتابعین اقوال علماء ومحدثین وتعامل امت کی روشنی میں دلائل قاہرہ بیان ہوئے - امید واثق ہے کہ قارئین کرام کو اس علمی مواد سے اطمینان قلبی حاصل ہوگا اور معاندین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

ہمارا موقف یہ ہے

مطلقاً ذکر میلاد شریف' قرآن وسنت کی روشنی میں شرعاً محمود اور مندوب ہے۔ آثار صحابہ وسلف صالحین سے ''میلاد شریف'' کی حیثیت انفرادی اور اباحت اصلی ثابت ہے کسی ہیئت مباحہ اجتماعیہ کے لاحق وعارض ہونیسے اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ خصوصا جبکہ محافل میلاد وجلوس سے مقصود دعوت الی اللہ تبلیغ دین اور بیان سیرت ومعجزات ہوتو یہ عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب قرار پاتا ہے۔ نیز یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ابتداء سے لے کر آج تک اکابرین علمائے امت کی واضح اکثریت عمل میلاد پر متفق رہی ہے اور ائمہ اسلام اپنے قول وعمل سے اس کی مسلسل تائید وتصدیق فرماتے رہے ہیں۔

جن حضرات نے مروجہ محافل میلاد' جلوس ہائے عید میلاد النبی ﷺ کا انکار کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس قسم کے اجتماعات میں منکرات محرمات اور بدعات کا ارتکاب ہے وہ اصل میلاد کے منکر ومخالف ہرگز نہیں ہیں اور یہی علماء اہل سنت کا موقف ہے۔ چنانچہ آخر میں ہم اہلسنت کے نزدیک محافل میلاد وجلوس کی پسندیدہ

اورناپسندیدہ صورتوں کا اجمالی خاکہ پیش کررہے ہیں تا کہ حق واضح ہوجائے اور باطل کا غبار دور ہوجائے۔

مباحات و مستحبات (پسندیدہ امور)	منکرات و بدعات (ناپسندیدہ امور)
❁ تلاوت قرآن حکیم	❁ ذکر میلاد کے لیے گیارہویں یا بارہویں تاریخ (رات یا دن) کو ہی شرعاً مخصوص و مسنون خیال کرنا
❁ نعت سرور کائنات ﷺ	❁ ریاکاری، نمائش اور حصول اغراض نفسانی کی نیت سے ان تقریبات کا اہتمام کرنا
❁ صلوٰۃ وسلام اور قیام	❁ بیجا اسراف وفضول خرچی کرنا مثلاً پہاڑیاں بنانا، گلیوں اور بازاروں میں بے مقصد چراغاں کرنا خاص کر جبکہ ایسے چراغاں سے طرح طرح کے فتنے جنم لے رہے ہوں
❁ توحید ورسالت، سیرت ومیلاد کے موضوعات پر کتاب وسنت کی روشنی میں علماء کی تقاریر۔	❁ مردوں اور عورتوں کے بے پردہ مخلوط اجتماعات منعقد کروانا
❁ ولادت مقدسہ کے مستند واقعات اور رضاعت مبارکہ کے صحیح حالات کا بیان اور ہدیۂ ایصال ثواب۔	❁ روایات موضوعہ، کاذبہ اور من گھڑت قصے بیان کرنا
❁ ادعیہ ماثورہ وغیر ماثورہ	❁ اسی طرح جلسے اور جلوسوں میں گانے باجے، ڈھول، تماشے، مروجہ قوالی سارنگی، بھنگڑے اور دھمالیں ڈالنے کا اہتمام والنصرام کرنا۔
❁ اظہار فرحت وسرور بحوائے حکیم قرآنی "فبذلک فلیفرحوا" الخ اور اس سلسلے میں صدقات نافلہ اور دعوت صالحہ کا اہتمام	
تعظیم رسالت واتباع سنت کا التزام	
❁ مساجد یا محافل کو بہ نیت تعظیم ذکر رسول ﷺ مناسب روشنی (چراغاں)	

اور خوشبو وعطر وغیرہ سے معنبر ومزین کرنا ❁ صاف اور نئے کپڑے پہننا' لوگوں کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا ❁ میلاد کی خوشی میں (پیر کے دن) نفلی عبادات مثلاً روزہ یا صدقات و خیرات کا اہتمام کرنا'	"وغیر ھامن الخرافات والبدعات اعاذنا الله منها"

"وغیر ھامن الحسنات والخیرات رزقنا الله ایاھا"

ضروری گزارش

علماء ومشائخ اہلسنت اور عامۃ المسلمین کی خدمت میں گزارش ہے کہ

میلاد شریف کے تمام اجتماعات وتقریبات

کوسنت اور شریعت کی روشنی میں مرتب ومنظّم فرمائیں۔

اور

اس پاکیزہ عمل کو (جس کی بنیاد عشق رسول ﷺ پر ہے)
ہر قسم کی بدعات ومنکرات سے پاک رکھنے کے لیے عملی جہاد فرمائیں

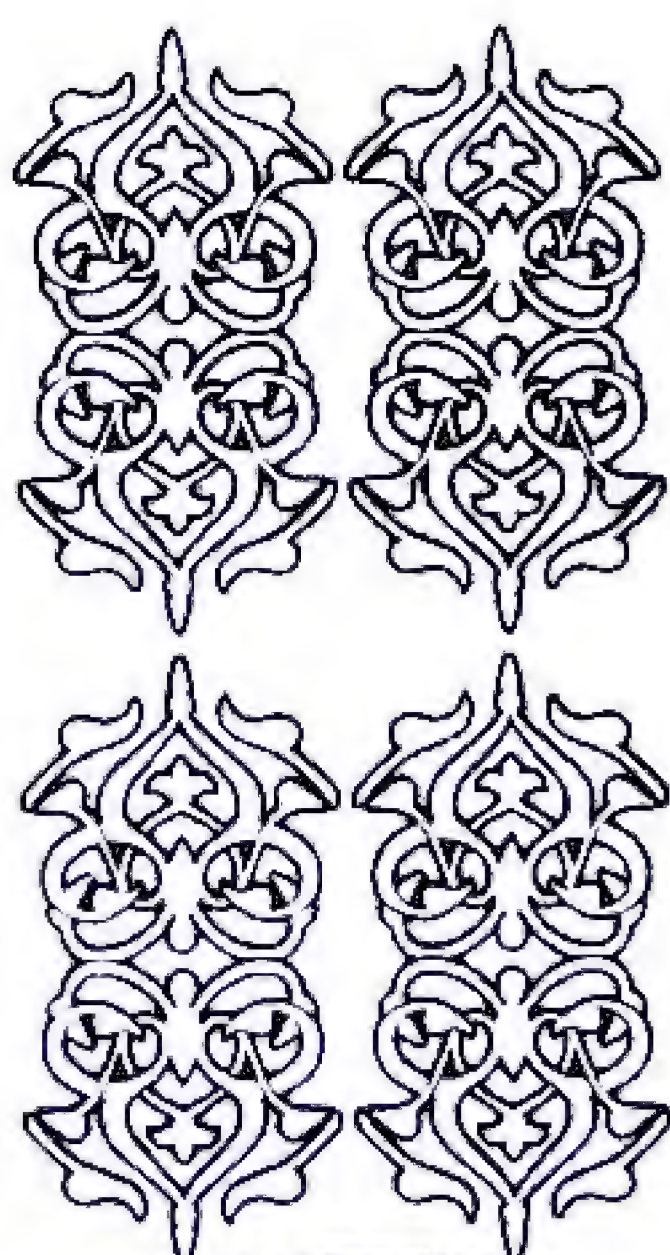
اوراس حقیقت کا برملا اعلان فرمادیں

کہ غیر شرعی حرکات اور دیگر خرافات کا مظاہرہ کرنے والے لوگ
قابل نفرت ولائق ملامت ہیں

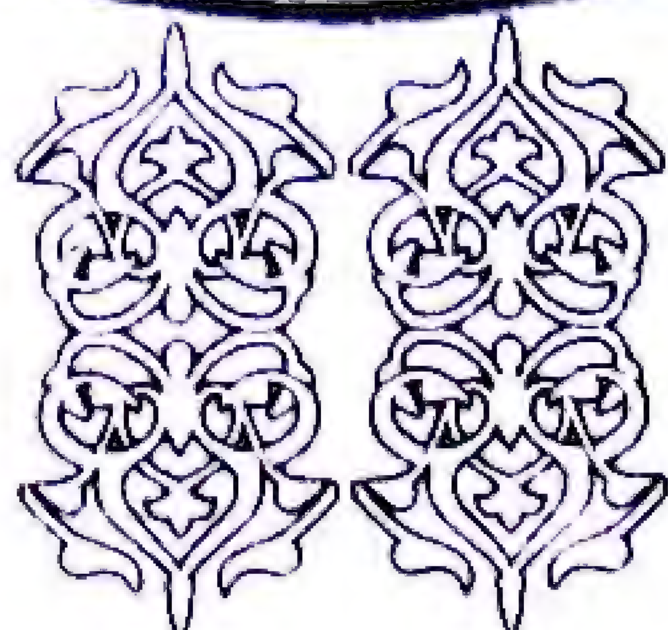
اور یہ کہ ہم
ان لوگوں کے ناپسندیدہ افعال واعمال کی

کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرسکتے

فقط : واللہ الموفق نعم باالخیر




تَصَوُّف



بیعت کی شرعی حیثیت

لفظ بیعت قرآنی اصطلاح ہے۔ احادیث مبارکہ اور کتب تفاسیر وتصوف میں بھی کثرت کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے بیعت کی شرعی حیثیت وافادیت واضح ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

پہلی آیت: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ...... الخ (الفتح)

ترجمہ: بیشک جولوگ آپ سے (اے محبوب ﷺ) بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس آیت میں حدیبیہ کے مقام پر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ جس کو ''بیعت رضوان'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیت کریمہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح) انہی حضرات کی شان میں اتری تھی۔

یہ آیت مبارکہ بیعت کے امر شرعی ہونے پر دلیل ہے۔

دوسری آیت: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (المائدہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔

اس آیت میں وسیلہ سے ذات مرشد مراد ہے۔

جیسا کہ القول الجمیل میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

وَاعۡلَمۡ اَنَّ الۡاٰ یَۃَ الۡکَرِیۡمَۃَ صرَّحت بِالامر بابتغاء الوسیلۃ وَلَابُدَّ مِنۡھا اَلۡبَتَّۃَ فَاِنَّ الۡوُصُوۡلَ اِلَی اللہِ تَعَالیٰ لَایَحۡصُلُ اِلَّا بِالۡوَسِیۡلَۃِ وَھِیَ عُلَمَاءُ الۡحَقِیۡقَۃِ وَمَشَائِخُ الطَّرِیۡقَۃِ (روح البیان)

ترجمہ: جان لے کہ اس آیت کریمہ نے اللہ کیطرف وسیلہ تلاش کرنے کی صراحت فرمائی ہے اور یہ امر بے حد ضروری ہے، کیونکہ وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اور وسیلہ سے مراد علماء حقیقت اور مشائخ طریقت (پیران عظام) ہیں۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ قرب خداوندی کیلئے مرشد کا وسیلہ اور بیعت کا ذریعہ و معاملہ ضروری ہے۔

تیسری آیت: یٰاَ یُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوۡااللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصَّادِقِیۡنَ (التوبہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

صاحب تفسیر روح البیان اس آیت کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

اَلصَّادِقُوۡنَ ھُمُ الۡمُرۡشِدُوۡن یعنی اس آیت میں صادقین کے ساتھ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک وصول کے لئے کوئی مرشد اور راہنما اختیار کرو۔

چوتھی آیت: یٰاَ یُّھَاالنَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنَاتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلیٰ اَنۡ لَّایُشۡرِکۡنَ بِاللہِ شَیۡئًا وَ لَایَسۡرِقۡنَ وَلَا یَزۡنِیۡنَ (الممتحنہ)

ترجمہ: اے نبی ﷺ جب آپ کے پاس مومنہ عورتیں ان شرطوں پر بیعت کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی وغیرہا۔

آیت مذکورہ سے مومنہ عورتوں کا بیعت میں داخل ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

احادیث مبارکہ

پہلی حدیث عَنۡ عُبَادَۃَ بۡنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللہِ ﷺ

وَحَوْلَہٗ عُصَابَۃٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ تَبَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّاتُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئاً وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ (بخاری ۱۰۷۱/۲)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا۔ (جبکہ آپ کے گرد صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی) کہ اے صحابہ میری بیعت کرو اس امر پر کہ تم خدا کے ساتھ شرک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے۔

اس حدیث میں جہاد بالنفس کے لئے بیعت لینے کا ذکر ہے جو آج تک مشائخ کرام و پیران عظام کے سلاسل میں جاری ہے

دوسری حدیث: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ لِاُبَایِعَکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَہٗ فَقَبَضْتُ یَدَیْہِ ......الخ

(رواہ مسلم)

ترجمہ: یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پس میں نے عرض کی کہ اپنا دایاں ہاتھ مبارک کھولیں تا کہ میں آپ کی بیعت کروں پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ مبارک کھول دیا تو میں نے آپ کا ہاتھ مبارک (بیعت کے لئے) پکڑ لیا، اس شرط پر بیعت کی کہ میرے لئے بخشش طلب کی جائے، آپ نے فرمایا تو نہیں جانتا کہ اسلام، ہجرت اور حج پہلے گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔

یہ حدیث اعمال صالحہ پر بیعت کے مسنون ہونے کی وضاحت کر رہی ہے۔

تیسری حدیث: غزوۂ خندق کے موقعہ پر جب حضور ﷺ نے انصار و مہاجرین کے لئے دعا فرمائی تو صحابہ نے عرض کی:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّداً ﷺ (بخاری ۵۷۷/۲)

ترجمہ: یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام سے مختلف قسم کی بیعتیں لیتے تھے۔

تارۃً علی الْھِجْرَۃِ والْجِھادِ تارۃً علیٰ اِقَامَۃِ اَرْکانِ الْاِسْلامِ وتارۃً علی الثَّباتِ والْقَرارِ فِیْ مَعْرَکَۃِ الْکُفَّارِ وَتَارۃً عَلَی التَّمَسُّکِ بالسُّنَّۃِ وَالْاِجْتِنابِ عَنِ الْبِدْعَۃِ والْحِرْصِ عَلَی الطَّاعَاتِ ......الخ (القول الجمیل)

ترجمہ: کبھی ہجرت اور جہاد پر، کبھی ارکان اسلام (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کی ادائیگی پر، کبھی معرکہ کفار میں ثبات وقرار پر اور کبھی سنت نبوی پر عمل کرنے، بدعت سے بچنے اور عبادات کیلئے حریص ہونے پر بیعت لیا کرتے تھے۔

تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کی مثالیں خود حضور سرور کائنات ﷺ کے عمل سے ثابت ہیں جیسا کہ اہل علم پر ظاہر ہے۔

حقیقتِ بیعت

اِنَ اللّٰہ اشْترٰی مِنَ الْمُوْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (التوبہ)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے۔

بیعت، بیع سے مشتق ہے، ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز لی جائے تو اس لین دین کو بیع کے نام سے پکارتے ہیں۔ بندہ جب کسی پیر کامل، متبع سنت کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم علیہ التحیۃ والثناء کے احکام وفرامین کے تابع کر دینے کا عہد کر کے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور مغفرت حاصل کر لیتا ہے، تو یہی بیعت کی حقیقت ہے۔ جس طرح بیع شراء (خرید وفروخت) کی تکمیل کے لئے صرف نیت کافی نہیں، بلکہ عمل کے ذریعے

اس کا اظہار بھی ضروری ہے اسی طرح بیعت صرف زبانی اقرار یا قلبی نیت تک ہی محدود نہیں بلکہ عزم بالجزم کے ساتھ شریعت وطریقت کے آداب وشرائط کے اہتمام وعملی مظاہرے کو بیعت کہا جاتا ہے۔ وَللہ الحمد

قرآن وحدیث سے بیعت کا ثبوت اس کی شرعی حیثیت وضرورت واضح ہوئی۔

خلاصتہ المرام

- بیعت کا سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) ہونا ثابت ہوا
- بیعت کرنے والوں کو مومنین کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔
- بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی اور فتح ونصرت کی بشارت سنائی گئی۔
- بیعت بخشش اور دعا کا ذریعہ ثابت ہوئی۔
- بیعت عقبہ اولیٰ وعقبہ ثانیہ تبلیغ اسلام کا ذریعہ اور شرک وگناہ سے بچنے کا وسیلہ ثابت ہوئی۔
- عورتوں کی بیعت (بشرط پردہ وتوبہ) کا مسئلہ بھی حل ہوا۔

تمام سلاسل طریقت (خصوصاً نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہا) کے بزرگان عظام نے بہ طریق بیعت ہی مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا۔ اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا آیا، اور طریقت وتصوف کی انہی سرگرمیوں کی بدولت دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے انوار جگمگانے لگے اور آج بھی اسلام کے برگ وبار کی نشو ونما اور روحانی اقدار کی بقاء وارتقاء کے لئے اولیاء کرام کی نگاہ فیض بار کی اشد ضرورت ہے، پیری، مریدی وبیعت، دکانداری یا ریاکاری کا نام نہیں بلکہ عہد خداوندی کی عملی فرمانبرداری کی شہادت وپاسداری کا نام ہے۔

آداب طریقت

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ)
یعنی تحقیق فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کرلیا۔

تزکیۂ نفس کی غرض حصول قرب خدا اور وصول الی اللہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنا) ہے۔ اسلام کے تمام امور اور علوم وفنون کا مقصد خدا تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تمام امور مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچنے کے لئے ذرائع اور وسائل ہیں۔ مقصود صرف ذات حق عزوجل ہے۔ قرآن نے ہمیں اسی مقام کی طرف دعوت دی ہے۔

اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا (النازعات)
یعنی تیرا آخری مقام اللہ تعالیٰ تک رسائی ہے۔

بندہ طالب ہے اور اللہ مطلوب (مقصود) ہے۔ طالب اور مطلوب کے درمیان پیر کامل وسیلہ اور برزخ ہے۔ قرآن پاک میں پیر کامل کو وسیلہ بتایا گیا ہے:

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدہ)
یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو (جیسا کہ مفسرین نے صراحت فرمائی)

اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات منطق اور عقل سے وراء الوراء ہے۔ اسلام عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے۔ تاکہ انسان کے دل اور روح کے اندر وجود باری تعالیٰ کا کامل احساس بیدار ہو جائے۔ اور طالب ذات وصفات حق میں فنا ہو کر معرفت اور رضا کے مقام تک پہنچ جائے۔ (ذالک الفوز العظیم)

ظاہر ہے کہ یہ رستہ کسی کامل رہبر یا مرشد کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔

اوصاف مرشد

جو عقائد اہلسنت کے مطابق شریعت کا عالم اور عامل ہو' متقی' زاہد اور آخرت کا راغب ہو' متبع سنت اور عاشق رسول (ﷺ) ہو' اس کا شجرۂ طریقت مربوط اور مسلسل ہو' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔ نیز صحبت کاملین سے بہرہ یاب ہو' سلوک باطنی طے کر چکا ہو' صاحبِ حضوری ہو' ترک ماسوی اللہ اور سیر الی اللہ کے راستوں سے واقف ہو۔

ایسے پیر کامل کی بیعت وصحبت کو اکسیر سمجھنا چاہئے۔

(ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

مرید کیسا ہونا چاہیے

جو اپنے آپ کو کسی دانائے راہ مرد کامل کے حوالے کر دے اور اس کی پیروی اس طرح کرے جیسے ''مردہ بدست زندہ''

الطالبُ عند المرشدِ کالمیّتِ بین یدی الغاسِل

یعنی مرید اپنے پیر کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں۔

ضروری ہے کہ مرید اپنے پیر کی محبت میں دیوانہ ہو جائے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دریں راہ اند کے جنوں ہم درکار است

یعنی اس راہ (طریقت) میں تھوڑی سی دیوانگی بھی ضروری ہے

سچا مرید وہ ہے

جس کو خدا اور رسول ﷺ کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے پیر کے ساتھ

ہو۔جس کو پیر کی صحبت تمام تفکرات سے آزاد کردے جس کو پیر کی ہر نقل وحرکت میں خوبی اور کمال نظر آئے اور اکثر اوقات تصور شیخ اور شغل رابطہ میں مصروف رہے۔جس کو مرشد کی کسی غلطی پر بدظنی یا بداعتقادی کا شائبہ تک پیدا نہ ہو بلکہ مرشد سے پوچھ کر صورت حال سے آگاہی حاصل کرے۔

مرید کو چاھیئے

کہ اپنے پیر سے سوائے محبت اور رضائے الٰہی کے کوئی دنیاوی غرض نہ رکھے۔اپنی تمام خواہشیں اور ارادے پیر کی خواہش اور مرضی کے تابع کردے۔صوفیاء فرماتے ہیں: اَلْمُرِیْدُ لَایُرِیْدُ اِلَّا اللہ یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کے سوا کسی شے کی خواہش نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کیلئے صرف اپنے پیر کو ہی کامل وسیلہ جانے اور دوسرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

ایک دن شہنشاہ اولیاء حضرتؒ شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد برحق حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وقدم بوسی کے لئے روانہ ہوئے۔راستے میں حضرت خضر علیہ السلام ملے۔انہوں نے محبت آمیز لہجے میں کئی مرتبہ پکارا۔"بہاؤ الدین کہاں جاتے ہو ذرا ٹھہرو میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں" لیکن حضرت شاہ نقشبند نہ ٹھہرے اور اپنے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔حضرت خواجہ امیر کلال نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔بہاؤالدین آج راستے میں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام ملے مگر تم نے ان کی طرف توجہ نہ کی؟ آپ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کی۔حضور! جس کو آپ جیسا خضر (پیر کامل) مل چکا ہو اور جو آپ کے چہرہ پرانوار کی زیارت سے فیضیاب ہو چکا ہو اس کو کسی دوسرے خضر سے کیا کام! سبحان اللہ اس کا نام ہے مریدی اور ارادت۔(اللھم ارزقنا ایاھا)

پیر اور مرید کا باھمی رشتہ

حضرت داؤد علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ سے حکم ملا کہ

اِذَا رَأَيْتَ لِيْ طَالِبًا فَكُنْ لَه' خَادِمًا (رسائل نقشبندیہ)

یعنی جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔

معلوم ہوا کہ پیر اور مرید کا باہمی رشتہ خادم اور مخدوم کا ہے۔ کیونکہ آج تک خدمت خلق کے بغیر کوئی انسان مسند ارشاد تک نہیں پہنچا۔ ''ھر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ''جو خادم بنتا ہے وہی مخدوم ہونے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ پیر اپنے مریدوں کی خدمت باعث سعادت سمجھتا ہے اور مرید بھی پیر کی خدمت کو وسیلۂ قرب جانتا ہے۔

سلطنت در دین ما خدمت گری است
عدل فاروقی و فقر حیدری است
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

معروف صوفی بزرگ حضرت اسماعیل اتا رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو مرید بناتے تو ارشاد فرماتے ہیں۔ آج سے میں اور تو دونوں برادر طریقت (پیر بھائی) ہو گئے ہیں۔ امام الطریقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اسماعیل اتا کے اس قول سے مجھے توحید کی عجیب خوشبو آتی ہے۔ (سبحان اللہ)

یاران طریقت (پیر بھائیوں) کا باھمی رشتہ

قرآنی حکم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات) کے مطابق ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان پر استقامت علم باطنی لدنی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور باطنی علوم کے طالب علم ہی آپس میں حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ایمانی روحانی رشتہ میں منسلک ہونے والے یاران طریقت یا پیر بھائی بننے کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔ اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ عشق حقیقی کی لذت سے آشنا کر کے دو کو ایک بنا کر آپس میں رشتۂ اخوت و محبت کو فروغ دیتا ہے۔

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ
شمشیر حق بیں کہ دو کس را یکے کند

o خود سرورِ عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عقدِ مواخات کے رشتے میں پرو کر پیر بھائی بنا دیا تھا۔ پیر بھائیوں کا یہ سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہوا اور حکم خداوندی رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح) کے مطابق صحابہ کرام کے درمیان آپس میں پیار اور محبت کا تعلق ہمیشہ مضبوطی سے قائم رہا۔

o پیر بھائیوں کا یہ باہمی رشتہ محبت مادرزاد (سگے) بھائیوں سے زیادہ اہم اور مضبوط ہے۔ کیونکہ سگے بھائیوں کا آپس میں جسمانی رشتہ ہے اور پیر بھائیوں کا آپس میں روحانی رشتہ ہے۔ جسم فنا ہونے والا ہے اور روح باقی رہنے والی ہے۔ لہٰذا پیر بھائیوں کا تعلق قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔ اور یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ (بنی اسرائیل) کے مطابق اپنے شیخ طریقت کے نام پر پکارے جائیں گے۔ اور اسی کے جھنڈے کے سائے میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ لواء الحمد کے تلے جمع ہو جائیں گے۔ (والحمد للہ علیٰ ذلک)

o مشائخ نے فرمایا کہ مرید دوبار پیدا ہوتا ہے۔ ایک بار اپنی ماں کے پیٹ سے (جسمانی جنم) اور دوسری بار اپنے پیر کے سینے سے (روحانی جنم) روحانی بھائیوں کا رشتہ الفت جسمانی بھائیوں کے رشتے سے زیادہ اہم اور مفید مطلب ہوتا ہے۔ ان کا رشتہ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (الزخرف) کے مطابق قیامت کے دن بھی نہ ٹوٹے گا کیونکہ ان کا تعلق تقوے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیر بھائی کسی وجہ سے ناراض ہو گیا تھا آپ نے مصالحت کے لئے خود ابتدا فرمائی اور ایک مکتوب شریف میں تحریر فرمایا کہ:

نسبت هم پیرگی نه ازآں قبیل است که گسسته می شود
یعنی پیر بھائی ہونے کی نسبت کبھی نہ ٹوٹنے والی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر بھائیوں کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کے لئے ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ ''اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِیَّ'' یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ پھر آواز آئے گی ''اَیْنَ الْمُتَجَالِسُوْنَ فِیَّ'' یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو میری رضا کیلئے مل جل کر بیٹھا کرتے تھے۔ پھر فرمایا جائے گا ''اَیْنَ الْمُتَزَاوِرُوْنَ فِیَّ'' کہاں ہیں وہ لوگ جو میری خوشنودی کے لئے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان سب کو بلا کر بخشش اور نجات کی نوید سنائی جائے گی۔ (سبحان اللہ)

آداب پیرو مرید کے سلسلے میں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مکتوبات شریفہ سے

چند اقتباسات

بدانکہ سالکانِ ایں راہ از دو حال خالی نیستند مرید اند یا مراد اگر مراد ندطوبیٰ لھم براہِ انجذاب ومحبت ایشاں راکشاں کشاں خواہند بر دو بمطلب اعلیٰ خواہند رسانید وہر ادبے کہ در کار شود بتوسط یابے توسط تعلیم شاں خواہد شد واگر زلتے واقع شود زود متنبہ خواہند فرمود وبآں مواخذہ نخواہند کرد واگر بہ پیر ظاہر احتیاجے داشتہ باشد بے سعی ایشاں بآں دولت دلالت خواہند فرمود وبالجملہ عنایت ازلی جل سلطانہ متکفل حال ایں بزرگواراں است بسبب وبے سبب کارایشان راکفایت خواہند کرد اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ واگر مرید اند کار ایشاں بے توسط پیر کامل مکمل دشوار است ......الخ (دفتر اول مکتوب ۲۹۲)

ترجمہ: اس راستے کے سالک دو حال سے خالی نہیں مرید ہیں یا مراد ہیں۔ اگر مراد ہیں تو ان کے لئے خوشخبری ہے کشش (جذبہ) اور محبت کے ذریعے سے ان کو کھینچ کھینچ کر لے جائیں گے اور اعلیٰ مطلب (منزل مقصود) تک پہنچا دیں گے اور ہر ادب جو درکار ہو بالواسطہ یا بلا واسطہ انہیں سکھا دیں گے اور اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو گی تو اس پر انہیں جلدی آگاہ فرما دیں گے اور ان پر گرفت نہیں کریں گے اور اگر انہیں ظاہری پیر کی ضرورت ہو گی۔ تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت تک پہنچا دیں گے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت ازلی ان بزرگوں کے حال کی کفیل ہے۔ بذریعہ سبب یا بے سبب ان کے کام کو پورا کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

اور اگر مرید ہیں تو ان کا کام بغیر واسطہ پیر کامل و مکمل کے دشوار ہے ان کے لئے ایسا پیر چاہئے جو جذبہ و سلوک کی دولت سے مشرف اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکا ہو اور سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ، سیر فی الاشیاء باللہ کو مکمل طور پر طے کر چکا ہو اور اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت سے پرورش پائی ہو تو کبریت احمر (نہایت ہی اکسیر) ہے۔ اس کا کلام دوا اور اس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دلوں کی زندگی اس کی توجہ شریفہ سے وابستہ ہے اور پژمردہ جانوں کی تازگی اس کی التفات لطیف کے ساتھ مربوط ہے اور اگر اس طرح کا صاحب دولت پیر میسر نہ آئے تو پھر سالک مجذوب ہی غنیمت ہے۔ اس سے بھی ناقصوں کی تربیت ہو سکتی ہے اور اس کی وساطت سے فنا و بقا کی منزلیں حاصل ہو جائیں گی۔

آسمان عرش کی نسبت تو بہت نیچے ہے۔ لیکن زمین سے پھر بھی اونچا ہے۔

مرید کو اپنا آپ پیر کے حوالے کر دینا چاہئے

اگر بعنایت خداوندی جل سلطانہ طالبے را بایں طور

پیر کامل مکمل دلالت فرمودند باید که وجود شریف او را مغتنم داند و خود را بتمام باو سپارد۔۔۔۔الخ

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا کامل مکمل پیر مل جائے تو اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت اس کی رضامندی میں جانے۔غرض اپنی خواہش کو اس کی رضا کے تابع بنالے۔

حدیث نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ہے

لَنْ یُؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ

یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش اس امر کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

صحبت پیر کے آداب اور مجلس کے شرائط

مرید پیر کے سامنے نوافل اور وظائف میں مشغول نہ ہو

وبداند کہ رعایت آداب صحبت ومراعات شرائط از ضروریات این راہ است تا راہ افادہ واستفادہ مفتوح گردد وبدونہا لانتیجۃ للصحبۃ ولا ثمرۃ للمجلس بعضے از آداب وشرائط ضروریہ درمعرض بیان آوردہ می شود بگوش ہوش باید شنید بدانکہ طالب را باید کہ روئے دل خود را از جمیع جہات گردانیدہ متوجہ پیر خود سازد و باوجود پیر بے اذن او بنوافل واذکار نپردازد……حتی کہ بذکرھم مشغول نشود مگر آنکہ او امرکند وغیر از نماز فرض وسنت درحضور او ادانہ کند……الخ

ترجمہ جاننا چاہئے کہ صحبت شیخ کے آداب اور شرائط کو پیش نظر رکھنا اس راہ (طریقت)

کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ واستفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ پیر کی صحبت اور مجلس کا کوئی نتیجہ یا ثمرہ برآمد نہ ہوگا۔ بعض ضروری آداب وشرائط بیان کئے جارہے ہیں گوش ہوش سے سننے کی ضرورت ہے۔

مرید کو چاہئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں اس کے اذن کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ کرے اور پورے طور پر اپنے پیر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے حتی کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کے سامنے نماز فرض اور سنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

سلطان وقت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر پڑی' کپڑے کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اس حال میں جب بادشاہ نے دیکھا کہ وزیر میرے سامنے آکر بھی غیر کی طرف متوجہ ہے تو جھڑکتے ہوئے کہا کہ میں ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میری موجودگی میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے۔ تو سوچنا چاہئے کہ جب کمینی دنیا کے معاملات اور وسائل کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل کے لئے ان آداب کی رعایت کتنی ضروری ہوگی۔

مرید پیر کے کپڑے پر اپنا سایہ نہ پڑنے دے اور مصلیٰ پر قدم نہ رکھے

ومهما امكن درجائے نه ايستد كه سايه اوبر جامهٔ اوافتدو برمصلائے اوپانه نهد ودرمتوضائے اوطهارت نكند وبظروف خاصه اواستعمال نه كند ودر حضور اوآب نخورد وطعام تناول نه نمايدوبكسے سخن نكند بلكه متوجه احدے نه گردد و در غيبت پير

درجانب که اوست پا دراز نه کند وبزاق دهن بآنجانب نیندازد۔
ترجمہ: جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ بھی نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سائے پر پڑتا ہو اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ طہارت (استنجا) نہ کرے اور اس کے مخصوص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور پیر کے سامنے پانی نہ پیئے۔ کھانا نہ کھائے کسی دوسرے آدمی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور پیر کی عدم موجودگی میں جس طرف کہ وہ رہتا ہے پاؤں دراز نہ کرے اور اس طرف تھوک بھی نہ پھینکے۔

مرید پیر کے حرکات وسکنات پر اعتراض نہ کرے اور نہ کرامات طلب کرے

وهر چه از پیر صادر شود آں راصواب داند اگرچه به ظاهر صواب ننماید اوهر چه میکند از الهام میکندوباذن کارمیکند بریں تقدیر اعتراض راگنجائش نباشد واگر دربعضے صور درالهامش خطا را یا بد خطائے الهامی دررنگ خطائے اجتهادی است ۔ملامت واعتراض براں مجوز نیست وایضاً چوں ایں را محبتے به پیر پیدا شده است درنظر محب هرچه از محبوب صادرمی شود محبوب نماید پس اعتراض رامجال نباشد ودرکلی وجزئی اقتداء به پیر کند چه درخوردن وپوشیدن وچه درخفتن وطاعت کردن۔نماز را بطرز او ادابایدکرد وفقه را از عمل اوباید اخذ نمود............الخ
ترجمہ: اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب اور بہتر جانے اگر چہ بظاہر بہتر نظر نہ آئے۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا

ہے۔اس تقدید پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔اگر چہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے۔لیکن خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی طرح ہے اور ملامت و اعتراض اس پر جائز نہیں اور جب مرید کو اپنے پیر سے محبت ہے تو محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محبّ کی نظر میں محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔پھر اعتراض کی کیا مجال ہے اور کلی و جزئی امور مثلاً کھانے پینے، پہننے، سونے اور طاعت کے تمام معمولی کاموں میں پیر ہی کی اقتداء کرنی چاہئے۔اور نماز بھی اسی کی طرح ادا کرنی چاہئے اور فقہ کے مسائل بھی اسی کے طریق عمل سے سیکھنے چاہییں۔اس لئے کہ جس شخص کے گھر میں خود باغ لگا ہوا اس کو غیروں کے باغ دیکھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔پیر کے حرکات وسکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے اگر چہ وہ اعتراض رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اعتراض سے سوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوق میں بد بخت شخص وہ ہے جو پیران عظام کے اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس گناہِ عظیم سے بچائے۔(آمین)

اور اپنے پیر و مرشد سے کرامتیں طلب نہ کرے۔اگر چہ وہ طلب دل میں وسوسہ اور خطرہ کی طرح ہی گذرے۔کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔معجزے کے طالب تو کافر اور منکر لوگ ہوا کرتے ہیں۔

مرید کے دل میں پیر کے متعلق جو شبہ پیدا ہو پیر سے اس کا حل دریافت کرے۔اگر حل سمجھ میں نہ آئے پھر بھی اپنا قصور سمجھے۔پیر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے۔جہاں سے فیض ملے اسکو اپنے پیر ہی کا فیضان سمجھے اور یقین جانے کہ میرے پیر کا لطیفہ دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

اگر شبہ پیدا شود در خاطر از بے توقف عرض نماید اگر حل نشود تقصیر بر خود بنهد ...... آواز خود را بر آواز او بلند نکند و سخن بلند باو نگوید که سوء ادب است و هر فیضے وفتوحے که برسد آنرا بتوسط پیر تصور نماید...... الخ

ترجمه: اگر مرید کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو بلا توقف عرض کر دے اگر حل نہ ہو تو پھر بھی اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب منسوب نہ کرے۔ جو واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر خود طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کر دے اور اس میں درستی یا خطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشف پر ہرگز بھروسہ نہ کرے کیونکہ اس جہاں میں حق' باطل کے ساتھ اور ثواب' خطا کے ساتھ ملا جلا ہے اور بلا ضرورت و بے اذن اس سے جدا نہ ہو کیونکہ غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو پیر کی آواز پر بلند نہ کرے اور اونچی آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے۔ کہ یہ بے ادبی میں داخل ہے اور مرید کو جو فیوض اور فتوحات حاصل ہوں ان کو پیر کی وساطت سے تصور کرے اور اگر فی الواقعہ دیکھے کہ کوئی فیض کسی دوسرے بزرگ سے ملا ہے تو اس کو بھی اپنے پیر کا ہی فیض سمجھے کیونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے۔ وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے کمال کے موافق کہ جس سے یہ صورت افاضہ (فیض دینا) ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بواسطۂ ابتلاء یا غلبۂ محبت مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض اس کی طرف سے محسوس کیا ہے یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر ﷺ کی طفیل پیر کی محبت اور اعتقاد پر ثابت قدم رکھے (آمین)

الغرض طریقت سراسر ادب ہے مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا

اور اگر مرید بعض اوقات آداب بجالانے میں اپنے آپ کو قصوروار جانے اور کماحقہ اس کو ادا نہ کر سکے اور کوشش کے باوجود بھی آداب پورے نہ کر سکے تو اس کو معاف ہے۔ لیکن قصور اور کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے اگر نعوذ باللہ پیر کے آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔ جس کی قسمت میں ہدایت نہ ہو وہ نبی (ﷺ) کی زیارت کے باوجود بھی بدقسمت رہتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں فیض کا حصول پیر کی صحبت اور تعلیم طریقہ پر منحصر ہے

پیری مریدی درطریقۂ علیّہ نقشبندیہ به تعلیم وتعلم طریقه است نه بکلاه وشجره که درسلاسل دیگر متعارف است طریق ایں بزرگواراں صحبت است وتربیت ایشاں انعکاسی است لاجرم دربدایت ایشاں نهایت دیگراں اندراج یافته است ......الخ (دفتر دوم مکتوب ۱۸)

ترجمہ: سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں پیری مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر منحصر ہے نہ کہ ٹوپی، دستار و شجرہ جیسا کہ بعض دوسرے سلسلوں میں مشہور ہے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کا طریقہ صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے اسی لئے انکی ابتداء میں دوسروں کی انتہاء مندرج ہیں۔

مرید کلی طور پر پیر کے تابع رہنا چاہئے

اختیار خود را بالکلیه دراختیار شیخ گم کندوخودراز جمیع مرادات تهی ساخته کمر همت را در خدمت او بندد وهرچه شیخ

اوراامر فرماید۔سرمایه سعادت خودرادراں دانسته درامتثال آں بجاں سعی نماید......الخ (دفتر اول مکتوب ۲۸۶)

ترجمہ: مرید کے لئے لازم ہے کہ اپنے اختیار کو مکمل طور پر پیر کے اختیار میں گم کر دے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے اسکی خدمت میں کمرِ ہمت باندھ لے اور جو کچھ پیر حکم دے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ سمجھ کر اس کے پورا کرنے میں جان سے کوشش کرے پیر مقتداء اگر ذکر کو مرید کی استعداد کے مناسب دیکھے گا تو ذکر کرائے گا اور اگر توجہ ومراقبہ کے مناسب سمجھے گا تو اس کی طرف اشارہ کرے گا اور اگر مرید کے لئے صرف صحبت میں رہنا کافی دیکھے گا تو اس کا امر کرے گا۔ الغرض پیر کی صحبت حاصل ہونے کے بعد اس راہ کی شرائط میں سے کسی شرط کے فکر کرنے کی حاجت نہیں۔ پیر جو کچھ طالب کے مناسب حال دیکھے گا فرمادے گا۔

سچامرید کون ہے ؟

بزرگے فرموده است مرید صادق آنست که مدت بست سال کاتبِ شمال اوچیزے نیا بدکه بروے نویسد (دفتر اول مکتوب ۲۲۲)

ترجمہ: ایک بزرگ نے فرمایا کہ سچا مرید وہ ہے کہ بیس سال تک اس کی بائیں طرف کے عمل لکھنے والے فرشتے (کراماً کاتبین) اس کے عمل نامہ میں کچھ (گناہ وغیرہ) لکھنے نہ پائیں۔

پیر کی صحبت ذکر حق سے زیادہ مفید ہے

حضرت خواجۂ احرار قدس الله تعالیٰ سره العزیز درفقرات می آرندکه سایه رهبر به است ازذکر حق به گفتن باعتبار نفع است (دفتر اول مکتوب ۱۸۷)

ترجمہ: حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ”کہ ذکر سے پیر کا سایہ بہتر

ہے" یہاں بہتر کہنا نفع اور فائدہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ مرید ابھی مذکور (ذات خدا) کے ساتھ کامل مناسبت نہیں رکھتا لہٰذا ایسی حالت میں صحبت شیخ زیادہ فائدہ دیتی ہے۔

ناقص پیر سے تعلیم حاصل کرنا بدعت باعث نقصان ہے

ومما ینبغی ان یُعلم ان اضاعة الارض وتعطیلها امابان لایزرعَ فیها شیئاً اوالقٰی فیها بِذُراً خبثاً فاسدًا وھٰذا لقسم من الاضاعة اشدّ مضرة واکثر فساداً من القِسْم الاوّل...... (الی اخرہ) (دفتر اول مکتوب ۲۳)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ زمین کا ضائع کرنا دو طریق پر ہے ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرے یہ کہ اس میں خبیث اور خراب بیج ڈالے اور دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ ضرر رساں ہے اور بیج کا خبیث وخراب ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص پیر سے طریقہ اخذ کرے اور اس کے مسلک پر چلنے لگے کیونکہ ناقص پیر حرص اور طمع کے تابع ہوتا ہے اور جو حرص وطمع کے تابع ہو اس کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو وہ اسکی حرص وہوا کو ہی زیادہ کرے گی۔ پس اس کا نتیجہ تاریکی پر تاریکی ہے نیز چونکہ ناقص پیر خود ہرگز واصل نہیں اسلئے اس کو خدا تک پہنچانے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے...... اگر ایسے ناقص پیر نے کسی مرید کو طریق سلوک پر چلایا تو جیسا خود گمراہ تھا اس مرید کو بھی راہ حق سے گمراہ کر دیا...... طالب کے لئے ایسے ناقص پیر کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔

اور اسکی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے...... مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے دوائی کھاتا ہے وہ اپنے مرض کے زیادہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور مرض دور ہونے کی قابلیت ضائع کر دیتا ہے اگرچہ ابتداء میں اس دوائی سے مرض میں کچھ تخفیف ہو جائے لیکن حقیقت میں یہ عین نقصان ہے۔ یہی مریض اگر بالفرض کسی حاذق طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے اس دوائی کی تاثیر کو دور کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات

کے ساتھ اس کا علاج کرے گا۔ اس تاثیر کے زائل ہو جانے کے بعد اس کے اصل مرض کے ازالہ کی فکر کرے گا۔ ان بزرگوں کے طریق کا مدار صحبت پر ہے صرف کہنے سننے سے کام نہیں بن سکتا' بلکہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

پیر اپنے مریدوں میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں

بدانکہ مقامی شیخی ودعوت خلق بحق جل وعلا بس مقام عالی است (اَلشَّیُخُ فِیُ قَوُمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیُ اُمَّتِهٖ)شنیده باشد هر بے سروبرگ رابایں منزلت علیه چه مناسبت...... علم بتفصیل احوال ومقامات ومعرفت بحقیقت مشاهدات وتجلیات وحصول کشوف والهامات وظهور تعبیرات واقعات از لوازم ایں مقام عالی ست ''وَبِدُوُنِهَا خَرُطُ الُقَتَاد'' (دفتر اول مکتوب ۲۲۴)

ترجمه: جاننا چاہئے کہ پیر بننے اور حق کی طرف مخلوق کو دعوت دینے کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ''پیر مریدوں میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں'' ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبہ کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔

احوال ومقامات کا مفصل علم ہونا مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت کو پہچاننا' کشفوں اور الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیرات کا ظاہر ہونا' اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے اور امور مذکورہ کے حاصل ہوئے بغیر پیر بننے کا دعویٰ کرنا بے فائدہ رنج وتکلیف (اور کانٹوں والے درخت پر ہاتھ پھیرنا) ہے۔

پیر سے مدد طلب کرنا اور اس کا کرتہ بطور تبرک رکھنا

میدانی که پیر کیست پیر آں کس است که ازو طریق وصول بجناب قدس خداوندی جل شانه استفاده نمائی ومدد هاواعانت

هادریں طریق یابی......مگر آنکه جامهٔ تبرك از شیخ کامل ومکمل بدست آری وباعتقادواخلاص باوزندگانی نمائی احتمال ثمرات ونتائج دریں صورت قوی است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۹۰)

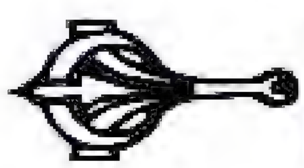
ترجمہ: تو جانتا ہے پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تو خدا تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے کا راستہ سیکھے اور اس راستہ میں تو اس سے امداد واعانت (روحانی) حاصل کرے...... ہاں یہ بات درست ہے کہ پیر کامل، مکمل کا کرتہ (کپڑا) بطور تبرک اپنے پاس رکھے اور اس کے ساتھ اعتقاد واخلاص سے زندگی گذارے۔ شیخ کے کرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات ونتائج کا قوی احتمال ہے۔

پیر کے حقوق

خدا (عز و جل) اور رسول (علیه التحیة و الثناء) کے بعد سب سے زیادہ ہیں

جاننا چاہیے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ بلکہ پیر کے حقوق اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رسول کریم علیہ الصلوات والتسلیمات کے احسانات کے بعد دوسروں میں سے کسی کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کے مرشد حقیقی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگر چہ ظاہری ولادت والدین سے ہے مگر ولادت معنوی پیر کے ساتھ مخصوص ہے ظاہری ولادت کی زندگی چندروزہ ہے اور ولادت معنوی کی زندگی ابدی ہے۔ پیر ہی ہے جو مرید کی نجاسات معنویہ (اندرونی پلیدیوں) کو اپنے قلب وروح سے صاف کرتا ہے اور اس کے معدہ کو پاک کرتا ہے ان توجہات میں جو بعض طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ انکی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحب توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہے اور کچھ دیر تک مکدر رکھتی ہے۔

پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے خداعز وجل تک پہنچتے ہیں جو دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔



پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے نفس امارہ جو بذات خود خبیث ہے پاک ہو جاتا ہے اور امارگی سے اطمینان تک پہنچتا ہے۔اور کفر ذاتی سے اسلام حقیقی میں آ جاتا ہے۔

پس مرید کو چاہئے کہ اپنی سعادت پیر کے قبول کر لینے میں جانے اور اپنی بدبختی پیر کے رد کر دینے میں سمجھے۔(العیاذ باللہ)

حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کر دے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں میں نہیں پہنچ سکتا۔مرید کی آفت پیر کی ایذا اور ناراضگی میں ہے۔اس کے سوا جو لغزش ہو اس کا علاج ممکن ہے لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے ممکن نہیں۔کیونکہ مرید کے لئے بدبختی کی جڑ اور بنیاد پیر کی ناراضگی ہے۔(العیاذ باللہ)

اعتقادات اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ کی بجا آوری میں سستی کا واقع ہو جانا' پیر کی ناراضگی اور غضب کے نتائج وثمرات میں سے ہے احوال ومواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہے ان میں جس قدر خلل اور سستی واقع ہوتی ہے اس کا کیا ذکر کروں۔اگر باوجود آزار پیر کے احوال ومواجید میں کچھ اثر باقی رہے تو اس کو استدراج سمجھنا چاہیے کیونکہ پیر کے ناراض ہو جانے کا نتیجہ عاقبت کی خرابی اور نقصان ہے(مبداء ومعاد) وماعلینا الا البلاغ المبین

قارئین کی توجہ کیلئے

اس مقالہ میں قیوم اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں پیری مریدی کے آداب وشرائط اور پیر بھائیوں کے باہمی تعلقات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔تاکہ میدان طریقت کے مسافر اس چراغ کی روشنی میں منزل تک پہنچ سکیں۔

اعتراض یا تنقید کرنے والے حضرات کی تسکین کے لئے اس میں کوئی سامان موجود نہیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

لطائف عشرہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔انسان کی ساخت دس اجزاء سے ہوئی ہے ان میں سے پانچ عالم خلق کے اجزاء ہیں اور پانچ عالم امر کے اجزاء ہیں۔ ان ہی اجزائے عشرہ کو لطائف عشرہ کہا جاتا ہے۔

انسان لطائف عشرہ سے مرکب ہے ان میں پانچ لطائف عالم خلق سے ہیں جو عرش کے نیچے کی مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ عناصر اربعہ (ہوا' پانی' آگ' مٹی) اور لطیفہ نفس ہیں۔

دوسرے پانچ لطائف عالم امر سے ہیں جو عرش سے اوپر کی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں انکا وطن اصلی فوق العرش (عالم ارواح) ہے لیکن انکے تعینات انسان کے جسم میں جدا جدا مقام رکھتے ہیں اور وہ قلب، روح، سر، خفی، اخفی ہیں۔

جسم انسانی میں یہی وہ مواضع ہیں جن پر انوار واسرار اور فیوض و برکات الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔گویا یہ لطائف اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے مختلف راستے ہیں اور ہر راستہ ایک اولوالعزم رسول کے زیر قدم ہے، انسانی جسم میں آ کر انکی نورانیت زائل ہوگئی ہے اس لئے سالکین ذکر کرنے کے ذریعے دوبارہ ان کو نورانی بنا لیتے ہیں۔

لطیفہ : -انسان کے جسم میں محل نور کو لطیفہ کہتے ہیں اور اسکو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں یہ وہ جوہر ہے جو مادہ سے خالی ہوتا ہے **وھی الجوھرُ المجرّد عن المادّة**

(کتاب التعریفات)

ان لطائف کا اصل مقام عرش کے اوپر ہے لیکن جسم انسانی کے ساتھ ان کا ایک لطیف تعلق قائم ہے، جسکی تطہیر سے سالکین کو عالم امر میں روحانی سیر و عروج نصیب ہوتا ہے۔

لطائف کے نام قرآن میں

صوفیائے کرام نے لطائف کے اصطلاحی نام قرآن حکیم سے لئے ہیں۔

مثلاً......قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور نفس کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِکْریٰ لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ (ق ۳۷)

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل، ۸۵)

فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی (طٰہٰ، ۷)

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً (الاعراف، ۵۵)

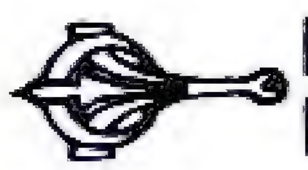
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاھَا (الشمس، ۷)

فائدہ:- صوفیائے محققین کے نزدیک لطائف کے انوار میں جو اختلاف ہے وہ مکشوفات کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ لہٰذا لطائف کے انوار کو رنگوں کے ساتھ مخصوص ومقید جاننا لازمی نہیں کیونکہ مقصود، دائمی ملکہ ذکر ہے نہ کہ رنگ ونور، البتہ اگر لطائف کے رنگ کبھی ظاہر بھی ہوں تو مضائقہ نہیں۔

مقامات لطائف عالم امر

لطیفہ قلب:- لطیفہ قلب کا مقام انسان کے جسم میں بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے اس کی فنا، قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلی فعل کا ظہور ہے اس کی علامت، ذکر کے وقت ماسوی اللہ کا نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت ہے (اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو) اس کی تاثیر رفع غفلت اور دفع شہوت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا نور زرد ہے۔

لطیفہ روح:- اس کا مقام انسان کے سینے میں دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے۔ اس کی فنا روح پر اللہ تعالیٰ کی تجلی صفات کا ظہور ہے۔



اس کی علامت ذکر کے وقت کیفیات ذکر (قلبی وروحی) میں اضافہ وغلبہ ہے۔اس کی تاثیر،غصہ وغضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں اصلاح وسکون کی کیفیت کا ظہور ہے۔اس کا نور سرخ ہے۔

لطیفہ سر:- اس کا مقام انسان کے سینے میں بائیں پستان کے برابر دوانگشت کے فاصلے پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔اس کی فنا لطیفہ سر پر اللہ تعالیٰ کی صفات کے شیونات واعتبارات کا ظہور ہے۔

اس کی علامت، ہردو سابقہ لطیفوں کی طرح اس میں ذکر کا جاری ہونا اور کیفیات میں ترقی رونما ہونا ہے۔(یادر ہے کہ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے) اس کی تاثیر طمع اور حرص کے خاتمے نیز دینی امور کے معاملے میں بلا تکلف مال خرچ کرنے اور فکر آخرت کے جذبات کی بیداری سے ظاہر ہوتی ہے۔اس کا نور سفید ہے۔

لطیفہ خفی:-اس کا مقام انسان کے سینے میں دائیں پستان کے برابر دوانگشت کے فاصلے پر مائل بوسط سینہ ہے۔اس کی فنا صفات سلبیہ تنزیہیہ کا ظہور ہے۔اس کی علامت اس میں ذکر کا جاری ہونا اور عجیب وغریب احوال کا ظہور ہے۔اس کی تاثیر حسد وبخل اور کینہ وغیبت جیسی امراض سے مکمل نجات حاصل ہو جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔اس کا نور سیاہ ہے۔

لطیفہ اخفیٰ:- اس کا مقام انسان کے جسم میں وسط سینہ ہے۔اس کی فنا مرتبہ تنزیہیہ اور مرتبہ احدیت مجردہ کے درمیان ایک برزخی مرتبے کے ظہور وشہود سے وابستہ ہے اور یہ ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات کا مقام ہے۔

اس کی علامت اس میں بلا تکلف ذکر کا جاری ہونا اور قرب ذات کا احساس وشہود ہے اس کی تاثیر تکبر،فخر وغرور اور خود پسندی جیسی مہلک روحانی امراض سے رہائی پانے اور مکمل حضور واطمینان کے حصول سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔اس کا نور سبز ہے۔

فائدہ:- واضح ہو کہ لطائف عالم امر کو کمالات ولایت کے ساتھ مناسبت ہے اور لطائف عالم خلق کو کمالات نبوت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے، عالم امر کے پانچوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کو عالم خلق کے کسی نہ کسی لطیفہ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے، مثلاً لطیفہ قلب کو لطیفہ نفس کے ساتھ، لطیفہ روح کو لطیفہ آب کے ساتھ، لطیفہ سر کو لطیفہ باد کے ساتھ، لطیفہ خفی کو لطیفہ نار کے ساتھ، لطیفہ اخفیٰ کو لطیفہ خاک کے ساتھ
(ملخصاً مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۱۳)

نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ عالم خلق کے لطائف عالم امر کے لطائف کی اصل ہیں، یعنی لطیفہ نفس کا معاملہ، لطیفہ قلب کے معاملے کی اصل ہے اور لطیفہ باد (ہوا) کا معاملہ لطیفہ روح کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفہ آب (پانی) کا معاملہ لطیفہ سر کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفہ نار (آگ) کا معاملہ لطیفہ خفی کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفہ خاک (مٹی) کا معاملہ لطیفہ اخفی کے معاملے کی اصل ہے۔

مقامات لطائف عالم خلق

لطیفہ نفس:- یہ عالم خلق کا پہلا لطیفہ ہے سلسلہ نقشبندیہ میں اسکا مقام وسط پیشانی یا ام الدماغ ہے۔ بعض کے نزدیک اسکا مقام متصل زیر ناف ہے اگر چہ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ارباب عرفان کے نزدیک ابتدا اور انتہا کا فرق ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تطبیق فرمائی ہے اکہ اسکا سر ام الدماغ یا وسط پیشانی ہے اور اسکا قدم متصل زیر ناف ہے (اہل کشف کے نزدیک ہر دو مقام نفس کے لحاظ سے برابر ہیں) اس کا نور سبز اور نیلگوں ہے اسکی تاثیر نفسانیت اور سرکشی کے مٹ جانے، عجز وانکساری کا مادہ پیدا ہونے اور ذکر میں ذوق وشوق بڑھ جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔

لطیفہ قالبیہ:- یہ عالم خلق کا بظاہر دوسرا لطیفہ ہے لیکن درحقیقت چاروں

لطائف (ہوا، پانی، آگ اور مٹی) پر مشتمل ہے۔اسکا مقام سارا قالب (جسم) ہے۔ (بعض کے نزدیک متصل ناف ہے) اس کی علامت ہر ہر جزو بدن اور بال بال سے ذکر کا جاری ہو جانا ہے۔اس کی تاثیر رذائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پا لینے سے ظاہر ہوتی ہے اسکا نور آتش نما ہے

(تفسیر مظہری، الحدیقۃ الندیہ، اسرار طریقت، عمدہ السلوک وغیرہ)

مقامات لطائف کا ثبوت

لطائف کے مقامات کے تعین وثبوت کیلئے صوفیائے فن طریقت کی تصریحات وتعلیمات ہی دلیل کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ وہ احکام روحانیہ، باطنیہ کے مجتہد ہوتے ہیں۔

جس طرح فقہائے مجتہدین احکام ظنیہ، ظاہرہ کا استنباط کرتے ہیں اسی طرح صوفیائے مجتہدین بھی احکام ظنیہ باطنیہ کا استخراج کرتے ہیں اور جس طرح قیاس ورائے کی صحت کا معیار کتاب وسنت کی مطابقت ہے اسی طرح کشف والھام کی صحت کا معیار بھی کتاب وسنت کی موافقت ہے اور یہ امر بھی مستحضر رہے کہ کشف والھام اور فراست وبصیرت کا نور صوفیاء وفقہاء کی برابر رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر ۲۲)

یعنی تو کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے

فتح الباری میں ہے۔

انّما الالھامُ نورٌ یختصُّ به اللہُ تعالیٰ من یشآء من عبادہٖ

یعنی الهام ایک نور ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ مخصوص فرمالیتا ہے۔

فائدہ:- فقہاء کا اجتہاد مرتبہ میں مقدم ہوتا ہے کیونکہ صوفیاء کرام فقہاء عظام کے مقلد ہوتے ہیں۔اس کی دلیل بھی صوفیاء کا تعامل ہے۔لہذا مسائل شرعیہ،فقہیہ میں علماء وفقہاء کے اقوال کو معتبر سمجھا جائے گا۔اور مسائل روحانیہ ذوقیہ واحکام باطنیہ میں صوفیاء کے اقوال واحوال کا اعتبار کیا جائے گا۔کیونکہ لِکُلِّ فنٍّ رجالٌ کے مطابق ہر فن کیلئے مخصوص افراد ہوتے ہیں۔

حدیث ابومحذورہ:- صوفیائے کرام نے لطائف کے جن مقامات کی تخصیص وتعیین فرمائی ہے۔اس کی تائید میں مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو۔

ثُمَّ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی نَاصِیَةِ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ ثُمَّ اَمَرَّهَا عَلٰی وَجْهِهٖ مِنْ بَیْنِ ثَدْیَیْهِ وَفِیْ نُسْخَةٍ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ ثُمَّ عَلٰی کَبِدِهٖ ثُمَّ بَلَغَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سُرَّةَ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ ثُمَّ قَالَ ﷺ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَیْکَ (ابن ماجہ باب ترجیع الاذان)

ترجمہ:- پھر سرور عالم ﷺ نے ابومحذورہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا پھر اپنا ہاتھ مبارک ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے اور ایک نسخہ میں ہے کہ اس کے جگر پر لے گئے۔پھر آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک ان کی ناف تک پہنچا۔پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے۔

فائدہ:- حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے سر سے لیکر ناف تک ہاتھ پھیرا اور برکت کیلئے دعا مانگی۔ارادی طور پر جسم کے اتنے حصے پر ہاتھ پھیرنا کسی طرح بھی حکمت سے خالی نہ تھا جیسا کہ اہل بصیرت پر ظاہر ہے جب کہ جسم کا یہی حصہ لطائف کے مقامات کا حصہ ہے۔بہر حال

حدیث سے ان مقامات کا اہم اور متعین و متبرک ہونا ثابت ہو گیا۔ (فھو المراد)

لطیفہ جاری ہونے کامطلب:- کسی بھی لطیفہ میں ذکر جاری ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مضغہ گوشت یا لطیفہ کا مقام جنبش و حرکت کرتا ہے۔ بلکہ ''حرکت ذکر از دل بہ سمع خیال برسد'' یعنی دل سے ذکر کی حرکت خیال کے کانوں تک پہنچتی ہے'' اور خیال کے کان دل کا ذکر (لفظ اللہ کا تکرار) سنتے ہیں۔

بعض مشائخ مبتدی کیلئے مضغہ گوشت کی ظاہری طور پر حرکت و جنبش کو ضروری سمجھتے ہیں اور اسی طریق پر مریدین کو ذکر القاء کرتے ہیں لیکن حقیقت الامر یہی ہے کہ ذکر قلبی وغیرہ میں مقام لطیفہ کی حرکت ضروری نہیں۔ حضور قلبی (یعنی غفلت کا نہ رہنا) اور حضور مع اللہ ہی لطیفہ جاری ہونے کی ضروری علامت ہے **وھو المقصود** ہمارے مشائخ نے فرمایا۔ **حقیقة الذکر رفع الغفلة** یعنی ذکر کی حقیقت غفلت کا نہ رہنا ہے۔

جذب وسلوک

جذب کا معنی ہے ”کشش“ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی طرف کھینچ لینا‘ مجذوب وہ ہے جس پر اللہ کی طرف سے ایسا جذبہ طاری ہوجائے کہ بلاکسب ومجاہدہ محض اللہ کے فضل سے اس کے باطنی مقامات طے ہوجائیں اور واصل باللہ ہوجائے۔ لیکن **بقابعد الفنا** ء اور **صحو بعد المحو** اور **جمع الجمع** کے مرتبے تک نہ پہنچ سکے۔

سلوک کا معنی ہے ”راستہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب اور وصل کے راستے پر چلنا۔ سالک وہ ہے جو قرب حق کے راستوں اور طریقت کی منزلوں کو مجاہدات وریاضات اور اتباع سنت وشریعت کے ذریعے طے کر کے مقصود تک پہنچے۔

سالکین کو کبھی وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوجاتا ہے پھر شوق عبادت اور ذوق ریاضت اس کے بعد پیدا ہوتا ہے اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور کبھی مجاہدہ وریاضت کا شوق پہلے پیدا ہوجاتا ہے اور وصول الی اللہ بعد میں میسر ہوتا ہے۔ اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔

فائدہ : صوفیاء کے نزدیک آیت قرآنیہ اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوری،۱۳) میں اجتباء سے مراد جذبہ ہے اور اهتداء سے مراد سلوک ہے۔ نیز سلوک پر جذبہ کی تقدیم بھی ثابت ہوئی۔ اسی لئے مشائخ نقشبندیہ جذبہ کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اور مجذوب سالک کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الانعام) میں اول کا حاصل جذب ہے اور ثانی کا حاصل سلوک ہے۔

اقسام سالک

سالک کی دو قسمیں ہیں۔ سالک مجذوب اور مجذوب سالک۔

سالک مجذوب وہ ہے جس کو سلوم کی انتہاء میں جذبہ نصیب ہو۔

مجذوب سالک وہ ہے جس کے سلوک کی ابتداء جذبہ سے ہو۔

نقشبندی مشائخ مجذوب سالک ہوتے ہیں انکا سلوک جذبہ سے شروع ہوتا ہے۔

فائدہ :- جذبہ سے مقصود سلوک کی منزلوں کا آسانی کے ساتھ جلدی طے ہونا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں سالک کو نسبت جذبہ حضرت خواجہ بلاگرداں شاہ نقشبند بخاری اویسی قدس سرہ العزیز کے توسل و فیضان سے ابتداء میں ہی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ آپ کو باطنی طور پر سیر آفاقی پر سیر انفسی کو اور سلوک پر جذبہ کو مقدم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ تاکہ سیر انفسی کے ضمن میں سیر آفاقی اور جذبہ کے ضمن میں سلوک خود بخود طے ہو جائے۔

جبکہ دوسرے سلسلوں میں سب سے آخر میں نسبت جذبہ عطا کی جاتی ہے لیکن نقشبندی مشائخ ذکر قلبی کی توجہات کے ساتھ ہی جذبہ کی ابتدائی توجہ سے بھی سرفراز فرما دیتے ہیں۔ تاکہ مرید اگر نسبت جذبہ کی تکمیل سے پہلے مر جائے تو محروم مطلق نہ مرے کم از کم جذبہ کی لذت تو چکھ لے۔

اقسام جذبہ

جذبہ کی دو قسمیں ہیں۔ جذبہ صوری اور جذبہ حقیقی

جذبہ صوری:- وہ جذبہ جو سیر فی اللہ سے قبل ابتدائے سلوک میں تصفیۂ لطائف سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور صرف تسہیل منازل سلوک کے لئے عطا کیا جاتا

ہے اس کو جذبہء صوری کہتے ہیں اس کو جذبہ بدایت یا جذبہء اولی بھی کہا جاتا ہے۔

جذبه حقیقی:- وہ جذبہ جو سیر فی اللہ کے دوران انتہائے سلوک میں حاصل ہوتا ہے اس کو جذبۂ حقیقی کہتے ہیں اس کو جذبہء نہایت یا جذبہ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ جذبہ حقیقی بلا امتیاز تمام سلاسل طریقت میں موجود ہے لیکن جذبہ صوری طریقہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے اور یہ نعمت حضرت خواجہ بزرگ شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخلصین کو بطور خیرات وصدقہ جاریہ عطا فرمائی ہے۔

اس حقیقت کا اظہار آپ نے یوں فرمایا ہے۔"مانهایت راد ر بدایت د رج می کنیم" یعنی وہ جذبہ جو تمام سلاسل کے سالکین کو آخر میں دیا جاتا ہے۔ہم بفضلہٖ تعالیٰ اپنے سلسلے کے مریدین کے لئے اس کو انتہا سے ابتداء میں کھینچ لائے ہیں چنانچہ باقی سلاسل کی ابتدا عالم خلق کی سیر سے ہوتی ہے اور انتہا عالم امر کی سیر پر ہوتی ہے۔لیکن سلسلہ نقشبندیہ میں اس کے برعکس عالم امر سے سیر شروع ہوتی ہے۔

اس جذبہ کی تعریف میں آپ نے فرمایا

جذبةٌ من جذباتِ الحق تُوازی عمل الثقلین (نفحات الانس)

یعنی ایک جذبہ اللہ تعالیٰ کے جذبات سے ساری کائنات کے جنوں اور انسانوں کے اعمال کے برابر ہے۔ یہ جذبہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی عطیات میں سے ہے اور اس کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔

آپ نے فرمایا...... مافضلیانیم

ہم فضلی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت فضل ہم کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہائت ان بزرگوں کو بدایت میں میسر ہے ۔

اگر از جانب معشوق نباشد کششے
کوشش عاشق بیچارا بجائے نرسد

طریقه جذبه صوری:- سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر نے حصول جذبہ صوری

کا ایک مخصوص طریقہ وضع کیا ہے اور وہ تکرار اسم ذات ونفی اثبات حبس دم اور رعایت وقوف عددی ہے۔ جبکہ دوسرے سلاسل میں اس جذبہ ابتدائی کے حصول کا کوئی معین طریقہ اور مخصوص ضابطہ نہیں۔ البتہ اگر **علی سبیل الاتفاق** ان کو یہ جذبہ حاصل ہو جائے تو کوئی امر مانع بھی نہیں۔ (**ذالک فضل اللہ یؤ تیہ من یشاء**)

توجہ شیخ

شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اسکی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا توجہ کہلاتا ہے۔

سلوک کی منزلوں میں شیخ ہر سبق کیلئے توجہ کے ذریعے طالب کے لطائف پر فیض القا کرتا ہے اسکو تصرف یا ہمت بھی کہا جاتا ہے۔

توجہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے

توجہ کے اس مفہوم کی قرآن وحدیث سے تائید ہوتی ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اولاد کے لئے اصلاح احوال کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صَالِحِيْنَ (یوسف)

یعنی تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہوگی تو اس کے بعد تم صالحین بن جاؤ گے۔

یہاں صالحیت سے مراد صلاحیت دینیہ بھی ہے اور دنیویہ بھی۔ (فافہم)

دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الانفال ۱۲)

''یعنی یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کی ہمت بڑھاؤ''

فرشتوں کے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کی ہمت بڑھانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی **قوت** اور جذبہ القاء کریں کہ وہ کفار کے

مقابلے میں مضبوطی دکھائیں اور ڈٹ کر لڑیں۔ یہ عمل بھی توجہ ہی کہلائے گا۔

اسی طرح پہلی وحی کے نزول کے وقت جبریل امین علیہ السلام کا حضور سرور عالم ﷺ کو سینے سے لگا کر دبانا قوت توجہ اور صرف ہمت کا واضح ثبوت ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ (بخاری ج ا ص ۲)

یعنی جبریل نے مجھے دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی

اس حدیث کی شرح میں عارف کامل حضرت عبداللہ بن ابی حمرہ نے فرمایا۔

جرم الغط بالمغط وضمهٔ اليه وهو احدى لطرق الافاضة يحدث به في الباطن قوة نورانية

ترجمه: یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جس کو دبایا گیا ہے' تو یہ اتصال حصول فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کا حضرت سیدنا عمر حضرت علی المرتضیٰ' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابومحذورہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر' سینے پر ہاتھ رکھ کر' سر سے ناف تک ہاتھ پھیر کر' نظر خاص فرما کر توجہ کے ذریعے احوال و کیفیات بدل دینا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام کی توجہات اور تصرفات سے بے شمار انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں انقلاب پیدا ہونا' توبہ کی توفیق ملنا اور فیض ولایت حاصل ہونا بھی تسلسل کے ساتھ ثابت ہے جس سے کسی بھی اہل عقل وفہم کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شیخ کی توجہ کے لئے طالب اور مرید کے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا

ضروری ہے اس لئے یہ اعتراض فضول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جناب ابو طالب وغیرہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ کی توجہات حکمت خداوندی کے تابع ہوتی ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرہ ۲۶)

اقسام توجہ

صوفیاء کرام نے توجہ و تصرف کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین اقسام زیادہ معروف ہیں۔

توجه انعکاسی: جیسے کسی چیز پر شیشے یا روشنی کا عکس اور پرتو پڑنا یا اہل مجلس کا عطر وغیرہ کی خوشبو پانا انعکاسی توجہ کے مشابہ ہے۔ یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے اس قسم کا اثر بھی تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے اسلئے یہ توجہ اگرچہ ضعیف ہوتی ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں۔

توجه القائی: اس توجہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص دیئے میں بتی اور تیل ڈال کر لایا تو دوسرے نے آگ لگا کر روشن کر دیا۔ یہ تاثیر کچھ طاقت رکھتی ہے اور کچھ دیر اسکا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی بیرونی صدمہ پہنچے مثلاً آندھی، بارش وغیرہ تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے اس لئے یہ توجہ کسی حد تک مفید ضرور ہے لیکن لطائف کی مکمل اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس لئے مرید کو مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

توجه اتحادی: یہ توجہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے اس میں شیخ اپنی پوری ہمت صرف کر کے اپنی روح کے کمالات طالب کی روح میں القاء کر دیتا ہے اس طرح کہ دونوں روحیں باہم جذب ہو جاتی ہیں جیسے کہ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نانبائی کو توجہ اتحادی دے کر اسکے ظاہر و باطن کو اپنے جیسا بنادیا جس کو وہ ضبط نہ کر کے وصال پا گیا۔ (تفسیر عزیزی)

فائدہ: اولیائے کرام سے ازالہ گناہ، القائے توبہ، حل مشکلات، سلب امراض اور احیائے اموات کیلئے بھی توجہ ڈالنا ثابت ہے اور یہ معاملہ ان کی کرامات کے زمرے میں آتا ہے۔

طریق توجہ: شیخ مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو اس کے قلب پر غالب کرے اور خطرۂ غیر کو اس کے قلب پر آنے سے روک کر جذبہ قلبی کے ساتھ مرید کے دل پر اپنی نسبت القاء کرے اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خیالات سے خالی کر کے اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں متوجہ ہو جائے جسکو طالب کے دل میں ڈالنا منظور ہو اور اپنی پوری باطنی ہمت کے ساتھ یہ تصور کرے کہ میرے دل سے فیوض و انوار طالب یا مرید کے دل میں سرایت کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ طالب کی قابلیت اور استعداد کے مطابق اسکو فیوض و برکات حاصل ہوں گے۔ اسی طرح مرید کے جس لطیفہ میں ذکر جاری کرنا مقصود ہو اپنے اسی لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے مقابل سمجھ کر ہر قسم کے خیال کو دونوں طرف سے روک کر مرید کے دل کو اپنے دل کی طرف کھینچے اور اسم ذات کی ضرب لگائے تا کہ اس توجہ اور ضرب کے اثر سے مرید کے اس لطیفہ میں جنبش پیدا ہو کر ذکر جاری ہو جائے۔ اسی طرح دیر تک متوجہ رہے اور روزانہ اس عمل کا تکرار جاری رکھے تا کہ توجہ کی تاثیرات راسخ ہو جائیں اور مرید کے دل میں حرارت اور نفی خاطر کی کیفیت پیدا ہو جائے اگر مرید غیر حاضر ہو تو اسکی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ بھی دی جا سکتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ کا معمول منقول ہے۔

صرفِ ہمت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جمعیت اور یکسوئی رہے اور ارادہ مضبوط رہے تا کہ دل میں اس مراد کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آسکے۔

تصورِ شیخ

تصور شیخ کا مفہوم

قرآن پاک میں فرمایا گیا: کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ ۱۱۹)

یعنی صادقین (سچوں) کے ساتھ صحبت رکھو۔

کینونیت اور صحبت دو قسم پر ہے۔ کینونیت ظاہری اور کینونیت باطنی

طریق رابطہ کینونیت باطنی کا نام ہے۔

طریق رابطہ (تصور شیخ) کے ثبوت میں مندرجہ ذیل حدیث بھی دلیل ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یُحْکِیْ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ ......الخ (بخاری ۱/۴۹۵)

یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ کی طرف کہ آپ حکایت فرماتے ہیں حال ایک نبی کا منجملہ انبیاء کے۔

اس حدیث کا یہ جملہ ''گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ کی طرف'' اس حالت (غائب کو خیال نظر سے مثل حاضر کے دیکھنا) کی طرف اشارہ ہے جو حقیقت ہے طریق رابطہ اور تصور شیخ کی یہ حالت کبھی خود بخود طاری ہو جاتی ہے اور کبھی تکلف کے ساتھ پیدا کی جاتی ہے۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ ''سایۂ رهبر به است ازذکر حق'' یعنی رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے

فرمایا کہ "صاحب این معامله مستعد تام المناسبت ست" (دفتر دوم مکتوب ۳۰)
یعنی صاحب طریق رابطہ صاحب استعداد اور کامل مناسبت کا حامل ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے طریق رابطہ کے ثبوت پر دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۶۵)

طریق رابطہ

رابطہ سے مراد یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کی صورت کو اپنے دل یا خیال میں محفوظ رکھے اس طرح کہ شیخ کا تصور اس پر غلبہ کر جائے جب یہ رابطہ بڑھ جائے اور ہر طرف شیخ کی صورت نظر آئے تو اسی کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔ اسی طریق رابطہ کو تصورِ شیخ اور شغل برزخ بھی کہا جاتا ہے۔

تصورِ شیخ کے فوائد

تصورِ شیخ کے بے شمار فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ: تصورِ شیخ سے وحدت خیال کی مشق ہوتی ہے اور وحدت خیال کے حصول کے ذریعے ذاتِ احدیت کے مشاہدے کی راہ کھلتی ہے

دوسرا فائدہ:- تصورِ شیخ باطنی مناسبت کے حصول کا موثر ذریعہ ہے۔ مبتدی طالب ابتدائی مرحلے میں عالم وجوب کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتا بلکہ عالم وجوب میں قدسیت محضہ ہے اور طالب میں بشریت محضہ "چہ نسبت خاک را بعالم پاک"، لیکن شیخ کامل "قدسیت و بشریت" دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ اس کے باطن میں قدسیت کی نسبت ہوتی ہے اور ظاہر میں بشریت کا رنگ۔ لہذا طالب بشریت کی بناء پر شیخ کے ساتھ یک گونہ مناسبت رکھتا ہے۔ انبیاء کو بشریت کے ساتھ مبعوث

فرمانے میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ مخلوق خدا بشریت کی نسبت سے ان سے فیوض لے سکے۔ (واللہ اعلم)

قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ ہر سالک قبور اولیاء سے استفادہ نہیں کرسکتا۔ یہ سعادت اس سالک کو حاصل ہوتی ہے جو فنائے قلب سے مشرف ہو کیونکہ فنائے قلب سے پہلے اس میں عدم مناسبت کی بناء پر استفادہ کی استعداد نہیں ہوتی۔

تیسرا فائدہ:- تصور شیخ سے طالب صادق ہر جگہ شیخ کو اپنے ساتھ ملاحظہ کرتا ہے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام' زلیخا کے فتنے سے تصور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سبب سے نجات پا گئے تھے معلوم ہوا کہ نسبت رابطہ سبب نجات ہے۔

چوتھا فائدہ:- نسبت رابطہ (تصور شیخ) باطن شیخ سے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ جب طالب نسبت رابطہ قائم کرتا ہے تو شیخ کے لطائف باطنیہ سے اس کے لطائف پر انوار و تجلیات منعکس ہوتے ہیں' کیونکہ فیوض انعکاسی ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نسبت رابطه همواره شمارا باصاحب رابطه میدارد و واسطه فیوض انعکاسی میشود شکر این نعمت عظمیٰ بجاباید آورد

(دفتر دوم مکتوب ۲۴)

یعنی رابطہ کی نسبت تم کو ہمیشہ صاحب رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور شیخ کے فیوض و برکات کے پرتو کا واسطہ ہے۔ اس بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے۔

آپ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ تصور شیخ' مرشد کے کمالات کے جذب کا واسطہ ہے۔

رابطے کے طریقے

تصورِ شیخ کے کئی طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: مرید ہر تصور اور خیال سے اپنے دل کو خالی کر ڈالے، آنکھیں بند کر لے اور شیخ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے شیخ کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا تصور کرے اور اسکے لطیفہ قلب سے اپنے لطیفہ قلب میں فیض آتا ہوا دیکھے۔

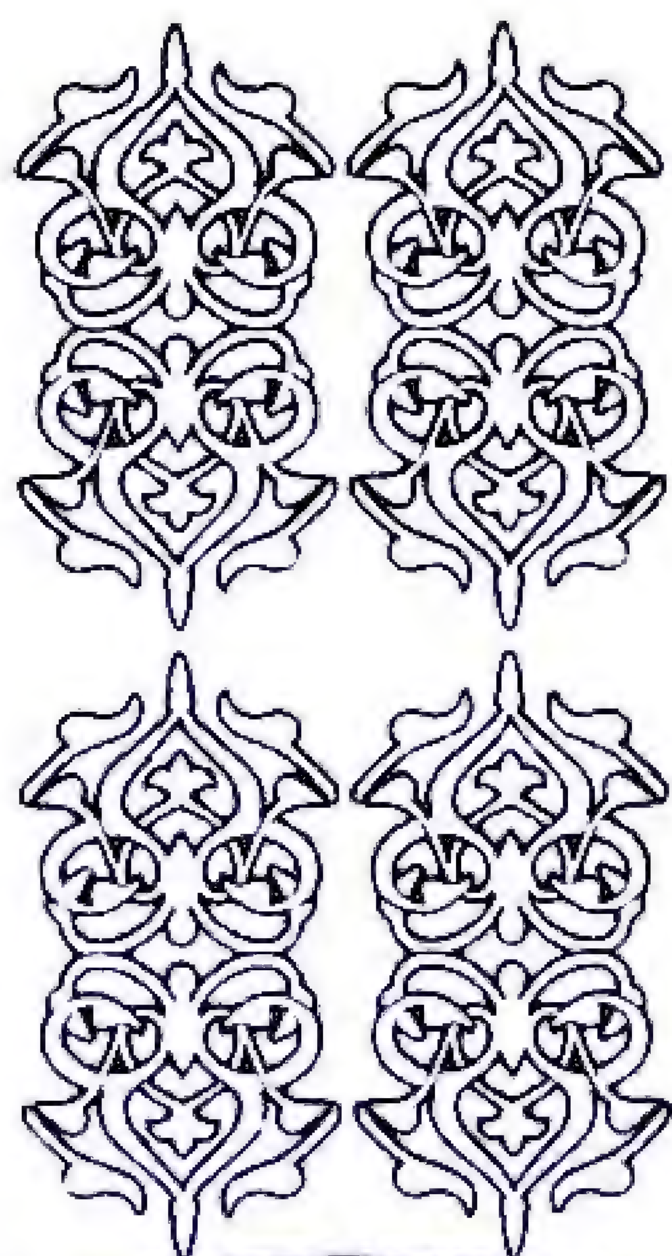
دوسرا طریقہ: اپنے شیخ کی صورت اپنے دل کے آئینے میں ملاحظہ کرتا رہے۔

تیسرا طریقہ: شیخ کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان محبت اور تعظیم کے طور پر خیال کرتا رہے اگر چہ بظاہر شیخ دور بھی ہو اس کی صورت بھی وہی فائدے دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔

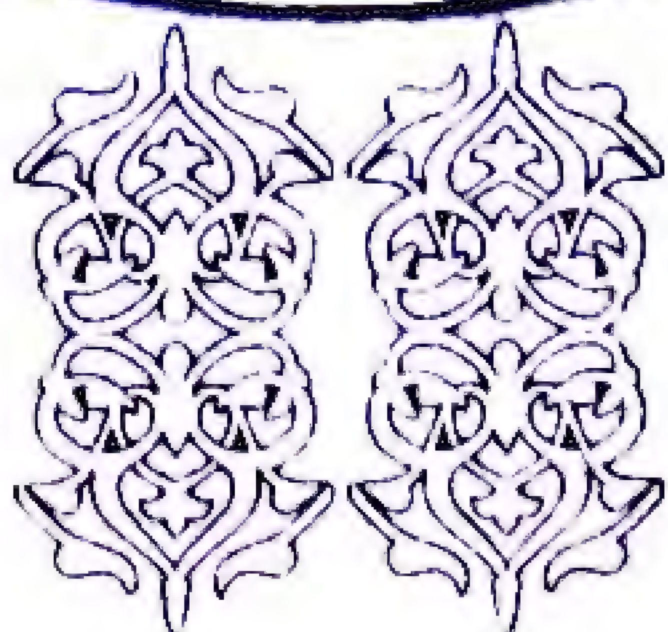
چوتھا طریقہ: مرید اپنا وجود شیخ کے وجود میں گم کر دے اور اپنے آپ کو عین شیخ تصور کرے بعض اوقات مرید غلبہ محبت شیخ کی وجہ سے شیخ کے افعال واقوال اور آثار وحرکات بھی اپنے اندر محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کی طبیعت میں سے ''انا الشیخ'' کی آواز آنے لگتی ہے۔

حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ اسی منزل میں اپنے شیخ کے متعلق لکھتے ہیں:

خسرو رین سہاگ کی سوئی میں پی کے سنگ
تن مورا من پی کا ہویا دونوں ایک ہی انگ



افکار
حضرت مجدد الف ثانی
قدس سرہ السبحانی



سرمایۂ ملت کا نگہبان

غوث صمدانی، قیوم زمانی، امام ربانی، مجدد و منور الف ثانی ابوالبرکات حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت مقدسہ پر ایک طائرانہ نظر

نام و نسب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ' ۱۴ شوال ۹۷۱ھ جمعہ کی شب سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔آپ کی کنیت ابوالبرکات ،لقب بدرالدین اور نام احمد رکھا گیا جو بعد میں قیوّمِ اول' امام ربانی' مجدد الف ثانی کے خطابات سے مشہور ہوئے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے آپ کی پانچویں پشت میں حضرت امام رفیع الدین بانی سرہند شریف کا نام آتا ہے۔آپ کے والد ماجد حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد اور دادا حضرت شیخ زین العابدین ہیں۔

خطہ سرہندشریف کا پس منظر

سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں شاہی خزانہ پنجاب سے دہلی جارہا تھا۔قافلے کا گزر اس جنگل میں سے ہوا جہاں آج کل سرہند شریف واقع ہے ایک صاحب کشف مرد کامل حضرت خواجہ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ (جو قافلے میں شامل تھے) نے انکشاف کیا کہ ایک بہت بڑے ولی اللہ اس مقام پر پیدا ہوں گے۔ حضرت سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں (جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرشد تھے) نے بھی اپنے کشف سے یہ معلوم کر کے سلطان کو حکم دیا کہ

اس جنگل میں ایک شہر آباد کیا جائے۔

؎ حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

چنانچہ اس شہر کی تعمیر کا مقدس فریضہ شیخ مجدد کے مورث اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین کے سپرد کیا۔ حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حضرت امام رفیع الدین دونوں نے ایک ایک اینٹ اٹھا کر شہر کی بنیاد رکھی۔ سبحان اللہ! شیخ مجدد کا علو مرتبت ملاحظہ ہو کہ امام رفیع الدین اور شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمہما اللہ جیسے اولیاء کاملین آپ کے کاشانہ اقدس کی تعمیر میں مزدور بنے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**

بعد میں حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر نے امام رفیع الدین کو بشارت دی کہ وہ عظیم ولی کامل آپ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام رفیع الدین نے شہر کا نام سیر ہند رکھا جو بعد میں سرہند کے نام سے مشہور ہوا اور آپ نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت امام رفیع الدین کا مزار مبارک سرہند شریف سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر تین سو سال سے زیادہ عرصہ خوب آباد رہا بعد میں سکھوں نے ۱۱۷۷ھ میں تاخت وتاراج کیا اور اب تک ویران پڑا ہے۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا جہاں درندے رہتے تھے۔ اس جنگل کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر رند یعنی جنگل) یعنی شیروں کا جنگل تھا۔

سرہند شریف کی عظمت وشرافت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس کے قرب وجوار میں انبیاء علیہم الصلوات کی قبریں ہیں۔ سرہند سے چند کوس کے فاصلہ پر براس ایک شہر تھا جہاں پر شیخ مجدد کو انبیاء کرام کے مزارات کا انکشاف ہوا۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں ہے

''بخارا اور سمرقند سے بیج لا کر سرزمین ہند (سرہند) میں جس کو بطحاء کی خاک سے سرمایہ حاصل ہے بویا گیا پھر سالہاسال آب وصل سے اس کی تربیت کی گئی''۔

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم شوق یک دانائے راز آید بروں

حضرت کا خمیر بقیہ طینت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات (خمیر جسم اقدس) سے تیار کیا گیا جس کا اظہار آپ نے مکتوبات دفتر سوم میں کیا ہے۔(جیسا کہ بقیہ طینت آدم علیہ السلام سے خرما کی خلقت، حدیث سے ثابت ہے)

شواہد التجدید

مجدد الف ثانی رسالت مآب ﷺ کی نظر میں

ہمارا ایمان ہے کہ از آدم تا ایں دم و بعد از حشر و نشر کے تمام احوال و واقعات سرور کائنات ﷺ کی نگاہ نبوت میں تھے جس کا تفصیلی ذکر کتب احادیث میں موجود ہے۔ حضور ﷺ نے امت کی خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا

1...... میری امت کی عمر (خیریت) پانچ سو برس ہے۔

2...... میری امت کی عمر (خیریت) ہزار برس ہے۔ (الیواقیت والجواہر جلد دوم)

بعد میں یہ پیش گوئیاں نکھر کر سامنے آئیں۔

چنانچہ پانچویں صدی گذرنے پر فتنہ تا تاریاں ہوا جس نے قبائے خلافت کو تار تار کر دیا۔ مسلمانوں کا لہو پانی کے قطروں سے ارزاں ہو گیا، ان کے اقبال کا ستارہ غروب ہو گیا، ان کی آبرو کا سفینہ ڈوب گیا، لاکھوں علماء وصلحاء کو قتل کیا گیا، انکی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں اور عباسی تاجدار مستعصم باللہ کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ شیخ

سعدی پکار اٹھے ؂

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

حکومت تاتار کی استیلاء نے علماء واولیاء کو ہند کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان التمش نے ان کا استقبال کیا اور ایک کروڑ روپیہ صرف کر کے ان کو آباد کیا۔ بالآخر قدرت ایزدی نے دستگیری فرمائی کہ خلافت عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام کی نئی روح کا آغاز ہوا۔ اقبال نے کہا ؂

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

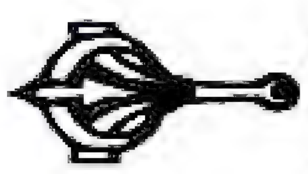
یہی فتنہء تاتار تھا جو پانچ صدیاں گذرنے پر ظاہر ہوا تھا اور اسی فتنے کا انکشاف کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ "میری امت کی عمر پانچ صدیاں ہے۔"

دوسری حدیث میں امت کی عمر ہزار برس بتائی گئی۔ چھٹی صدی سے گویا امت کی تعمیر نو ہوئی اور اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ علماء وفضلاء اٹھے اور دین کو از سر نو زندہ کیا حتیٰ کہ یہ پانچ صدیوں کا دوسرا دور ختم ہوا' اور امت پھر سے انحطاط پذیر ہوگئی۔ غرضیکہ الف اول (پہلے ہزار برس) کا اختتام اور الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کا آغاز، ملت اسلامیہ کا دور انحطاط ہے۔ یہی انحطاط تھا جو بعثت نبوی کے ہزار برس بعد وجود پذیر ہوا۔ اسی کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی عمر خیریت ہزار برس ہے۔ الف اول کے بعد اسلام پر زوال آنا شروع ہوا اور الف ثانی میں دین کو از سر نو زندہ کرنے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مبعوث ہوئے۔

✿ سنن ابی داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجددلھا دینھا

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں کسی ایسے شخص



کو مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

✿...... مکتوبات دفتر دوم میں ہے کہ

ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد ہوتا ہے لیکن ایک الف (ہزار سال) کا مجدد ہوتا ہے اور جو فرق سو اور ہزار کا ہے وہی فرق انکے مجددوں کا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

✿...... حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب میں لکھا ہے۔

لایحبہٗ الامؤمن تقیّ ولا یبغضہٗ الا منافق شقیّ

ترجمہ: ان سے وہی شخص محبت رکھے گا جو مومن تقی ہو اور وہی بغض رکھے گا جو منافق شقی ہو۔

✿...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے

یکون رجلاً فی امتی یقال لہٗ صلۃ ید خل الجنۃ بشفاعتہٖ کذا وکذا

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا (طریقت وشریعت کو ملانے والا) اس کی شفاعت سے میری امت کے بیشمار افراد جنت میں داخل ہوں گے۔

علماء محدثین نے اس حدیث سے شیخ مجدد کی ذات مراد لی ہے۔ نیز خود حضرت شیخ مجدد مکتوبات شریف جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں۔

الحمد للّٰہ الذی جعلنی صلۃ بین البحرین ومصلحاً بین الفئتین

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا بنایا اور دو لشکروں میں صلح کرانے والا بنایا۔

(دو سمندروں سے مراد شریعت وطریقت ہے اور دو لشکروں سے مراد علماء اور صوفیاء ہیں)

دوسری حدیث: قال رسول اللہ ﷺ بعث اللہ رجلاعلیٰ رأس

احد عشر مائة سنة ھو نور عظیم، اسمه اسمی، بین السلطانین الجابرین ویدخل الجنة بشفاعته رجال الوفا (روضۃ القیومیہ رکن اول مطبوعہ لاہور)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ گیارہویں صدی کے شروع میں دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک شخص بھیجے گا جو میرا ہم نام (احمد) ہوگا اور نور عظیم ہوگا اور اس کی شفاعت سے ہزاروں انسان جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضور علیہ السلام ہر وقت عواقب امت کی فکر میں محو رہتے تھے۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں ایسا نور مشاہدہ کیا تھا جو عظمت اسلام کا موجب ہوسکتا تھا۔ اسی لئے آپ نے دعا کی تھی۔ **اللھم اعز الاسلام من اسلام عمر بن خطاب**...... نیز...... **لو کان بعدی نبیا لکان عمر** میں بھی بالواسطہ شیخ مجدد کی وراثت نبوت اور تجدیدی اصطلاحات کی طرف اشارہ ہے۔ **واللہ ورسولہ اعلم**

حضرت مجدد الف ثانی......اولیاء سابقین کی نظر میں

1...... حضرت داؤد قیصری جو کہ فصوص کے شارح ہیں، قیصری کے مقدمہ کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں کہ

''ہر ایک اسم اور ستارے کا دورہ ہزار سال بعد ہوتا ہے۔ انبیاء اولوالعزم (علیہم السلام) کی شریعتیں بھی ہزار ہزار سال رہی ہیں۔ پس اس امت میں بھی ایک شخص مبعوث ہوگا جو وارث انبیاء ہوگا اور مجدد الف ثانی کہلائے گا اور اس کی تجدید کا دور ہزار سالہ ہوگا۔''

2...... شیخ الجن والانس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ مراقب تھے کہ ایک نور عظیم ظاہر ہوا اور اس کی روشنی محیط کائنات ہوگئی۔ اس روشنی سے گزشتہ وآئندہ اولیاء نے استفادہ کیا۔ آپ متحیر ومتعجب ہوئے تو الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو آپ سے پانچ

سو سال بعد پیدا ہوگا اور دین کی تجدید کرے گا۔ اس کے فرزند اور خلفاء بارگاہ احدیت کے صدر نشین ہوں گے۔ آپ نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر اپنی مخصوص نسبت ودیعت کر کے بطور امانت اپنے خلیفہ کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ نسلاً بعد نسلٍ بہ کمال حفاظت یہ خرقہ شخص معہود تک پہنچا کر میرا اسلام کہنا۔ چنانچہ حسب وصیت حضرت شاہ کمال کیتھلی کے پوتے حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمہ اللہ علیہما نے تجدید کے دوسرے سال وہ خرقہ آپ کو عنایت فرمایا جس کے بعد آپ نسبت قادریہ کے بھی جامع کہلانے لگے۔

3...... شیخ الاسلام حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں ہے کہ شیخ نے فرمایا:

میرے بعد چار سو سال کے عرصہ میں سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہوں گے ان میں آخری شخص ہجرت نبوی کے ہزار سال بعد پیدا ہوگا جو اولیاء سے افضل ہوگا۔

4...... مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

ہند میں سلسلۂ نقشبندیہ سے ایک شخص پیدا ہوگا جو افضل ترین اولیائے امت سے ہوگا۔ افسوس کہ مجھے اس عزیز الوجود ہستی کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط بطور عرضداشت تحریر کیا جس میں دعا کی استدعا کی گئی تھی۔ وہ خط اپنے خلیفہ عبدالرحمٰن بدخشی کے سپرد کیا' جو ۱۰۲۲ھ میں آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے قبول فرما کر دعا کی۔

5...... حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاہدہ کیا کہ ایک نور سرزمین سرہند سے ظاہر ہو کر محیط عالم ہوگیا ہے۔ الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو اسی سرزمین میں پیدا ہوگا اور تجدید دین کرے گا۔

علاوہ ازیں منجموں' اختر شناسوں نے بھی آپ کی ولادت کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں۔

علوم شریعت میں آپ کا مقام

حضرت امام ربانی نے سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم آپ نے مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا محمد یعقوب کشمیری، مولانا قاضی بہلول بدخشانی رحمہم اللہ سے حاصل کی۔ ٹھیک سترہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ مسند ارشاد وہدایت پر متمکن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو **الراسخین فی العلم** میں سے بنایا تھا۔ اس سلسلے میں **سواطع الالہام** کے چند اوراق بھی آپ کی قلم کے مرہون منت ہیں۔ جب فیضی، الفاظ کے ہیر پھیر میں سرگرداں ہوا تو حضرت مجدد نے قلم برداشتہ کئی اوراق لکھ ڈالے۔ نیز ابوالفضل نے تفسیر بے نقط کا ایک ورق تحریر کیا اور تفسیر سے تمام علماء مجبور ہو گئے۔ حضرت سے استفادہ چاہا تو آپ نے قلم برداشتہ تذکیر، تبشیر، قصص، حکم، اسباب نزول کے ساتھ تفسیر بے نقط بشمول معنی تحت اللفظ کا وافر حصہ تحریر فرمادیا۔ آپ کے اس تبحر علمی پر ابوالفضل اور دیگر تمام علماء متحیر ہو گئے۔ آپ کے علم وفضل کی سب سے بڑی شہادت آپ کے مکتوبات شریفہ ہیں جن میں آپ نے وہ علوم ومعارف بیان فرمائے جو آج تک کسی نے بیان نہ فرمائے۔ علماء سادات ترکیہ میں سے ایک مقتدر عالم مولانا عبدالحکیم بن مصطفیٰ نقشبندی مجددی خالدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”بعداز کتاب اللہ وبعد کتب حدیث افضل کتب مکتوبات است“

یعنی قرآن پاک اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) کے بعد مکتوبات تمام کتابوں سے افضل ہیں۔

آپ نے متعدد تصنیفات عربی اور فارسی میں تحریر فرمائیں جو درج ذیل ہیں:۔

مبدأ ومعاد　　　　معارف لدنیہ

آداب المریدین	رسالہ تہلیلیہ
رسالہ اثبات نبوت	رسالہ ردروافض
تعلیقات عوارف	مکاشفات غیبیہ
رسالہ خواجگان نقشبند	رسالہ علم حدیث

شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ (رحمۃ اللہ علیہ)

مکتوبات سہ جلد

وغیرہا کتب میں علوم ومعارف کے کئی ناپیدا کنار سمندر موجزن ہیں۔

آپ کی دعوت تجدید کا بنیادی رکن شریعت کی ترویج ہے اور اسی امر کی تکمیل کیلئے آپ نے علماء اور امراء کو بیدار کرنا چاہا ہے۔

آپ نے فرمایا شریعت کے تین جزو ہیں۔علم، عمل، اخلاص

آپ علم وعمل کے اس کمال کے باوجود مقلد تھے اور حنفی المذہب تھے۔

آپ نے فرمایا

''مجتہد کا اجتہاد...... مقلد کے لئے حجت ہے۔کسی شئے کی حلت وحرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں ہے بلکہ حلت وحرمت کے امور میں ہمارے لئے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا۔''

نیز آپ نے مکتوبات دفتر دوم میں فرمایا۔

فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں، تمام فقہاء ان کے عیال ہیں۔مذہب حنفی کی نورانیت، نظر کشفی میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے جبکہ دوسرے مذاہب، حوضوں اور تھالوں کی طرح نظر آتے ہیں۔

علوم طریقت میں آپ کا مقام

علوم شریعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تصوف کی عملی تعلیم اپنے

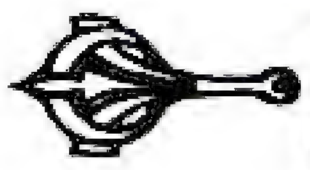
والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کا انتساب بھی انہی سے حاصل کیا۔ آپ کے والد، حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہما اللہ کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کو انتساب حضرت شاہ کمال کیتھلی کے نبیرہ اعلیٰ حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمہما اللہ سے حاصل ہوا اور حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ عنہ سے سلسلہ سہروردیہ میں بھی خلافت پائی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت شیخ مجدد، حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب دہلی پہنچے تو اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی تحریک سے حضرت خواجہ باقی باللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور چند دنوں میں تکمیل سلوک کے بعد خرقہ خلافت نقشبندیہ حاصل کیا۔ ایام قیام دہلی کے دوران تقریباً ڈھائی ماہ کے عرصے میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل کر لی۔ نسبت نقشبندیہ ''دوام حضور و آگاہی'' کا نام ہے جس میں غیبت بالکل نہ ہو۔ یہ نسبت حدیث نبوی واعبدربک کانک تراہ سے تعبیر ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا تھا کہ وہ افغانستان سے ہندوستان تشریف لے جائیں۔ یہاں ان کی وساطت سے ایک عزیز الوجود عظیم ہستی سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوگی جس سے سارا عالم منور ہوگا اور ان کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ چنانچہ شیخ مجدد نے وہ مقام بلند حاصل کیا کہ خود حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے کہ

''شیخ احمد ایک ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں...... اس وقت ان جیسا اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں۔''

مرشد برحق کی ہدایت کے مطابق آپ بسلسلہ رشد و ہدایت لاہور میں بھی



تشریف لائے اور ہزاروں نفوس سلسلے میں داخل ہوئے۔آپ نے لاہور کی قطبیت حضرت شیخ ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو ودیعت فرمائی۔

مکتوبات دفتر سوم میں آپ نے فرمایا کہ

آں حضرت سرور عالم ﷺ سے میری ارادت بہت واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقہ قادریہ میں پچیس واسطوں سے، طریقہء چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے۔میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمان کا بندہ ہوں، میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے پہنچا ہوں۔

غرضیکہ آپ صوفیاء کے پندرہ سلاسل کے علی الاطلاق مرشد مجاز اور پیر ماذون تھے لیکن آپ پر سلسلہ نقشبندیہ کا غلبہ رہا اور اسی سلسلہ کو آپ نے فروغ بخشا۔ دیگر سلاسل میں تزکیہ نفس پہلے ہوتا ہے اور تصفیہء قلب بعد میں، لیکن سلسلہء نقشبندیہ میں تصفیہ قلب کو مقدم رکھا گیا ہے اور یہی اندراج النهاية فی البداية کا مفہوم ہے۔اس سلسلہ میں استکمال شریعت کا نام ہی طریقت وحقیقت ہے، اسی لئے ذکر خفی، جلی پر...... حال، قال پر...... صحو، سکر پر اور فکر، ذکر پر مقدم سمجھا گیا ہے۔اگرچہ یہ سلسلہ حال و وجد کی دلآویزی اور نعرہ ہائے حق ھو کی ظاہری دلکشی وطرب انگیزی سے یکسر خالی ہے تاہم خلوت در انجمن اور نظر بر قدم کے اصولوں میں احوال و مواجید کے تمام اسرار و رموز مضمر کر دیئے گئے ہیں۔ ؎

نقشبنداں عجب قافلہ سالار انند

کہ بحرم می روند پنہاں قافلہ را (عارف جامی)

بلکہ آپ نے راہ سلوک میں بعض ایسے مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی جو اس سے پیشتر، بیشتر صوفیائے عظام کے ذاتی تجربات ومشاہدات سے بالاتر تھے۔

آپ کو ۱۰ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ بروز جمعہ ''خلعت مجدد الف ثانی'' عطا ہوا

والحمد للّٰہ علٰی ذلک۔

طبقہ علماء میں سے سب سے پہلے حضرت ملا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مجدد الف ثانی لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ بنام ''دلائل التجدید'' تصنیف فرمایا۔ اور ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ بروز پیر منصب قیومیت عطا ہوا۔ خود سرور دو عالم ﷺ نے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی بشارت و مبارک دی۔

تعین وجودی جس کے متعلق کسی عارف کامل نے لب کشائی نہ کی تھی وہ آپ پر ظاہر ہوا۔ آنجناب پر ہرسہ درجات ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا منکشف فرمائے گئے۔ حقیقت محمدیہ' حقیقت احمدیہ' حقیقت کعبہ' حقیقت بیت المقدس' حقیقت قرآن کے علاوہ سیر آفاقی و سیر انفسی کا بھی کشف ہوا۔ آپ کو نسبت فردیت، اپنے پدر بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ علوم لدنیہ روحانیہ حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کئے اور علوم آسمانی سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کئے۔ مقام فنا فی اللہ' بقا باللہ' مقام محبوبیت ذاتیہ' حب صرفہ ولاتعین' مقام شہادت و مرادیت' مقام قیومیت' مقام مجددیت وقطبیت' مقام قربت و معیت اور مقام بحت احدیت و فردیت سے بھی آپ کو سرفراز کیا گیا۔ نیز رموز متشابہات فرقانی و مقطعات قرآنی سے بھی آپ کو وافر حصہ عطا ہوا۔

آپ مجموعہ قطب مدار' قطب ارشاد ہیں اور قیامت تک قطب مدار و ارشاد آپ ہی کے سلسلہ میں ہوا کریں گے۔ حضرت امام مہدی (آخر الزمان) علیہ السلام آپ کے ہی خلفاء سلسلہ سے ہوں گے۔

آپ کو مرتبہ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین و جمع الجمع و ادراک بسیط عطا کیا گیا۔ (ان مقامات کی تفصیل وتشریح البینات شرح مکتوبات میں ملاحظہ فرمائیں)

آپ کی زیارت کیلئے کعبہ شریف آیا اور آپ کی خانقاہ شریف کے کنویں سے آب زمزم برآمد ہوا۔ آپ کے سلسلے کے کل مریدین و متوسلین جو قیامت تک ہوں گے آپ کو دکھلائے گئے۔ ہر ایک کا نام ونسب اور مولد و مسکن بھی بتایا گیا بلکہ آپ نے وعدہ

فرمایا کہ میں اپنے سلسلے کے تمام مریدوں کو ساتھ لے کر جنت میں جاؤں گا۔

مبداء معاد میں ہے کہ آپ ایک مرتبہ مراقب تھے کہ یکا یک بارگاہ خداوندی سے خطاب ہوا۔

غفرت لک ولمن توسل بک الیّ بواسطة اوبغیر واسطة الٰی یوم القیامة

ترجمہ: اے امام ربانی! میں نے تجھ کو اور قیامت تک بالواسطہ یا بلاواسطہ تیرے سلسلے سے منسلک ہونے والوں کو بخش دیا۔

بملک اولیاء چوں او نزادہ
محمد ثمرۂ چوں او ندادہ

حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کے تجدیدی کارناموں پر

طائرانہ نظر اور الحاد اکبری کا استیصال

ہمایوں کے انتقال کے بعد جلال الدین اکبر تخت شاہی پر براجمان ہوتا ہے تو اکبر نے سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کیلئے یہ سوچا کہ محبت، اتحاد اور صلح کلیت سے ہندوستان میں میری حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان جیسے مختلف الاقوام ملک میں بادشاہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندو اسے ہندو سمجھیں، مسلمان اسے مسلمان خیال کریں اور پارسائی، جین اور عیسائی وغیرہ بھی اس کو اپنا ہم عقیدہ متصور کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مذاہب کے اختلافات کو درمیان سے اٹھا دیا جائے اور ہندوستان کی سرکش قوموں کو تلوار سے ختم کرنے کی بجائے باہم میل جول، رشتہ وناطہ سے ختم کیا جائے اور نہ صرف ان کے جسموں پر بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی جائے۔ اکبر چونکہ جاہل تھا اس کی رہنمائی اور مذہبی معاملات میں مداخلت وراشتاً ان لوگوں کے ہاتھ میں

آئی جو علماء حق نہ تھے بلکہ علماء سوء تھے۔ابتداء میں ایرانی عقائد کو اہلسنت کے عقائد سے مطابق کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور توہین صحابہ کا اقدام ہوا۔شطاریہ' مداریہ' روشنیہ فرقوں کی آزاد خیالی اور نظریہ وحدت الوجود کو نافہمی کی بناء پر غلط رنگ دے کر اکبر کے اعتقادات میں لغزش پیدا کی گئی۔اسی اثنا میں اکبر کے حرم میں ہندو راجاؤں کی لڑکیاں بھی داخل ہو چکی تھیں۔اس لئے وہ اب قولاً و فعلاً مذہبی جوا کو اپنے کندھے سے اتارنے کی تراکیب سوچ رہا تھا تا آنکہ ابوالفضل اور فیضی نے اس کے دربار تک رسائی حاصل کرلی۔اتفاق کی بات ہے انہی دنوں قاضی عبدالرحیم نے متھرا میں مسجد بنانے کے لئے سامان جمع کیا لیکن کسی برہمن نے وہ تعمیری مسالہ مندر بنانے میں استعمال کرلیا جس پر باہم چپقلش ہوئی۔نوبت بانیجا رسید کہ اس برہمن نے بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی (معاذ اللہ) گالیاں دینا شروع کردیں۔یہ مقدمہ اکبر کے دربار میں پیش ہوا۔اکبر اس کو ٹالنا چاہتا تھا لیکن شیخ عبدالنبی کے حکم سے وہ برہمن قتل ہوا جس کا اکبر کے دل پر ناگوار اثر ہوا۔چنانچہ ایک محضر نامہ تیار ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اختلافی مسائل میں صرف بادشاہ وقت کا فیصلہ ہی قابل قبول ہوگا خواہ کتاب و سنت کے مطابق ہو یا مخالف۔اب اکبر کے سامنے علماء کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔فیضی اور ابوالفضل جیسے آزاد منش فضلاء معاون بن چکے تھے۔چنانچہ اکبر نے دین الٰہی کا اعلان کردیا اور وہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ کہلانے لگا۔کچھ عرصہ بعد دعوی خدائی کیا اور اپنی مہر پر یہ عبارت لکھوائی۔''جل جلالہٗ است اکبر ما اکبر شانہٗ تعالےٰ''۔

دراصل اکبر کے دماغ میں صرف یہی جذبہ کارفرما تھا کہ کسی طرح ہندوستان کا تخت و تاج اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے ہمیشہ قائم رہے۔

کاش!اگر بادشاہ وقت یہی اعلان کردیتا کہ حکومت کا مذہب لادینی ہے تو شاید اسلام کو اتنا دھچکا نہ لگتا۔

جب شہنشاہ اوراس کے درباریوں کا مشغلہ، تضحیک اسلام بن گیا، اکبر برملا کہتا تھا کہ رام اور رحیم میں کوئی فرق نہیں، ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب ایک ہیں، تصوف نے اپنا مقام کھو کر ویدانت سے ساز بازکی، مذہب وطریقت کی اصل روح مفقود ہوئی، رہنما اصول، صلح کل تھا، شیعہ سنی ایک مسجد میں، فرنگی یہودی ایک کلیسا میں آداب عبادت بجالاتے، ہندو کے برت کا اہتمام ہوتا، رمضان کے مہینے میں کھلے بندوں کھانا کھلایا جاتا، نماز باجماعت ممنوع کردی گئی، مساجد شہید کر کے ان کی جگہ مندر تعمیر ہونے لگے، بموجب عقائد ہنود خنزیر کی تعظیم کی جاتی' ذبیحہ گاؤ پر پابندی عائد کی گئی، جزیہ ختم کیا گیا، تعظیمی سجدہ رواج پذیر ہوا، سورج کی دن میں چار مرتبہ پوجا کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی، قشقہ لگایا جاتا، سود، شراب اور جواء حلال سمجھا گیا، داڑھیاں منڈوائی گئیں، غسل جنابت فضول سمجھا گیا اور قرآن کو مخلوق' وحی کو محال' معراج اور شق القمر کو غلط سمجھا گیا (العیاذ باللہ تعالےٰ) تو علماء حق نے آوازیں بلند کیں لیکن وہ صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

اندریں حالات ہندوستان کی مرکزیت کی وجہ سے اکبری الحاد کے جراثیم دنیائے اسلام میں منتشر ہو رہے تھے' علماء وفقراء اپنے مراکز کھو چکے تھے' چاروں طرف تاریکی بھیانک مناظر پیش کر رہی تھی اور کوئی بھی ایسا مرد میدان نظر نہیں آتا تھا جو ان جراثیم کا کلیتاً خاتمہ کر سکے۔ آخرش پو پھٹنے کا وقت قریب آیا۔ صبح صادق کے نشانات ہویدا ہونے لگے، اسلام کے بطل جلیل امام ربانی کی رگ تجدید پھڑکی، غیرت فاروقی جوش میں آئی اور آپ نے اعلانیہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعے اسلامی اقدار کے تحفظ کا کام شروع کردیا۔

آپ نے اکبر کے مقربین کو بلوا کر کہا کہ

''بادشاہ، خدا اور رسول کا باغی ہو چکا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اس کو

کہہ دو کہ عنقریب اس کی شہنشاہی مٹنے والی ہے۔ وہ فوراً توبہ کرے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔"

اکبر نے اس مرد حق آگاہ کا یہ پیغام سن کر کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی سطوت و کبر ونخوت کے نشے میں مست رہا۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ شیخ مجدد شعلہ ء جوالا بن کر چمکے اور برق خاطف بن کر گرے اور سطوت اکبری کو خاکستر بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ الحاد اکبری کے اصل قاطع شیخ مجدد تھے۔

اکبر کے انتقال کے بعد اسی گھناؤ نے وتیرہ وتار اور متعفن ماحول میں ایک عیاش اور مخمور بادشاہ نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ نور جہاں سے نکاح کیا جو جہانگیر کے قلب ودماغ پر پوری طرح مسلط ہوگئی۔ کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر اثنا عشری (شیعہ) عقائد سرایت کرنے لگے اور عہد اکبری کے بیشتر قوانین وقواعد جاری رکھے گئے۔

حضرت شیخ مجدد نے اپنے مکتوبات اور تصنیفات میں عقائد باطلہ کی تردید شروع کردی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنے مبلغین کو اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجنا شروع کر دیا اور ایک منظّم جدوجہد شروع کردی۔ علماء سوء نے ہوس اقتدار میں آپ کی مخالفت شروع کردی اور آپ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور ہر طرح کے الزام دھرے۔ بالآخر شیخ مجدد کو دربار جہانگیری میں بلایا گیا اور سجدہ تعظیمی کا حکم دیا گیا۔ آپ نے سختی سے انکار کیا اور فرمایا

"اے جہانگیر! جو پیشانی اپنے معبود برحق کے سامنے جھک چکی ہے وہ تیرے سامنے ہرگز نہ جھکے گی"۔

جہانگیر کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں اور پھر سجدے پر اصرار کیا۔ مفتی وقت نے جب دیکھا کہ جہانگیر آپ کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ

کر چروانے والا ہے تو بے اختیار بول پڑا۔

''اے شیخ احمد! میں از روئے شرع فتویٰ دیتا ہوں کہ گردن جھکا دی جائے اور جان بچالی جائے۔''

آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا ''واقعی فتویٰ تو یہی ہے لیکن تقویٰ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ گردن غیر خدا کے سامنے جھکنے پائے۔'' آپ کے اسی استقلال وعزیمت کے پیش نظر علامہ اقبال نے آپ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

(بال جبریل)

آپ کے ان برجستہ الفاظ سے دربار جہانگیری میں سناٹا طاری ہو گیا۔ نہ معلوم قدرت نے کیا کرشمہ دکھایا کہ جہانگیر نے قتل کی بجائے گوالیار کے قلعہ میں قید کر کے آپ کے مکان اور کتابوں کو لوٹ لینے کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت مجدد، یہ واقعہ رونما ہونے سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو بتا چکے تھے کہ ہم پر مصائب نازل ہونے والے ہیں۔ ان کو ہم خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔

آپ کے قلعہ گوالیار میں پہنچتے ہی قید خانے کی نوعیت بدل گئی۔ ذکر وفکر کی محفلیں ہونے لگیں۔ غیر مسلم، دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ غرضیکہ حضرت مجدد کے قدم سے وہ قید خانہ نقشبندیہ مجددیہ آستانہ کی صورت اختیار کر گیا۔ بادشاہ بزعم خود مطمئن تھا کہ باغی کو سزا دے دی گئی لیکن وہ اس امر سے غافل تھا کہ قدرت نے یہ سارا انتظام صرف اسی کو راہ راست پر لانے کیلئے کیا ہے۔ چند برس آپ وہاں رہے تو متوسلین (جو لاکھوں کی تعداد میں تھے) نے بغاوت کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔ آپ نے ایک مکتوب میں تمام کو متنبہ کیا کہ میں حکومت کا خواہشمند نہیں، قید کی مصیبت میرے لئے راحت ہے اور جس مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں انشاء اللہ وہ عنقریب پورا ہو جائے گا۔

قدرت نے جہانگیر کے قلب وذہن میں انقلاب پیدا کیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم ﷺ بطور تأسف اپنی انگلی مبارک دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے انسان کو قید کر دیا۔ اس خواب کے بعد اس نے آپ کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ آپ نے رہائی سے پہلے حسب ذیل سات شرائط پیش کیں۔

۱...... سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے

۲...... مساجد آباد ہوں

۳...... ذبیحہ گاؤ کی اجازت دی جائے

۴...... خادمان شرع مثلاً قاضی، مفتی اور محتسب وغیرہ مقرر کئے جائیں

۵...... جزیہ لیا جائے

۶...... احکام شرع کی ترویج ہو

۷...... قیدی رہا کئے جائیں۔

جہانگیر نے یہ شرائط قبول کرلیں۔ رہائی کے بعد جہانگیر نے سفر وحضر میں ساتھ رہنے کی پیش کش کی جو آپ نے منظور فرمائی تاکہ حضرت شیخ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول بھی پورا ہوجائے کہ بادشاہ اور ارا کین سلطنت سے وابستگی اس نیت کے ساتھ اختیار کرنی چاہئے کہ ظلم وعصیاں دور ہو اور شریعت کا دور دورہ ہو۔ آپ کا سفر وحضر میں جہانگیر کے ساتھ رہنے کا مقصد بادشاہ کو پیش کردہ شرائط پر پابند کروانا تھا۔ آپ کی صحبت اور مجالست کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ کو گذشتہ اعمال کا جائزہ لینے اور ان سے تائب ہونے کا موقعہ مل گیا۔ وہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوا' غلام بنا اور خدمت اسلام کیلئے ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہوگیا اور وہ بدعات وکفریات جو اکبر کے زمانے میں رائج ہوکر جہانگیری دور میں جڑ پکڑ چکے تھے آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب دور ہوگئے اور اسلام پر پھر سے بہار آ گئی۔

آخر عمر میں جہانگیر نے کہا تھا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو...... البتہ میرے پاس ایک مقدس دستاویز ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے مجھ سے فرمایا تھا کہ

اے جہانگیر! ''ہم جنت میں تیرے بغیر نہ جائیں گے''۔

یہ حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کی پشت سے شاہ جہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب جیسا مرد درویش پیدا ہوا۔ اورنگ زیب نے شریعت وطریقت کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ اورنگزیب کے استاد حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تفسیرات احمدیہ) تھے اور پیرومرشد حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمہ تھے۔ مزید باطنی تعلیم حضرت شیخ سیف الدین سرہندی علیہ الرحمہ سے حاصل کی جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ ہی کی توجہ اور صحبت کا اثر تھا کہ اورنگ زیب نے اعلیٰ سیاسی

طبقوں کا ذہن بدل کے رکھ دیا۔ یہ امام ربانی کے وہ حیرت انگیز تجدیدی کارنامے ہیں جو لاکھوں افراد کی منظّم تحریکیں بھی سرانجام نہ دے سکتیں۔

اولاً: آپ نے حکومت کو صحیح اسلامی نظام کی طرف متوجہ کیا اور اکبر کے فتنہء متحدہ قومیت نے تعینات اسلامی کے مٹانے میں جو بے انتہا مضر اثرات پیدا کئے تھے ان کا سد باب کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نعرہ کی سخت مخالفت کی اور فرمایا چونکہ ہماری ملت اور تہذیب جداگانہ ہے اس لئے ؎

ہم پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آج بھی ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوضات وتصرفات کارفرما ہیں۔ مسلم قومیت کا نظریہ جو آپ نے پیش کیا تھا وہ بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ گویا یہ ملک پاکستان آپ کی نگاہِ فیض وتجدید کا ثمرہ ہے۔

؎ شہ ملک ولایت شیخ احمد
بمثلش ما در ایام کم زاد

ثانیاً: حضور ﷺ کی تعلیمات اور روحانی تصرفات نے صوفیاء اور فقراء کو طریقت کی بعض عجمی مصطلحات سے بچایا اور صرف اتباع سنت اور قرآن وحدیث کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور ہر حال میں کشف والہام کو وحی کے تابع قرار دیا اور شریعت وطریقت' وجود وشہود کے حقیقی خد وخال کو بے نقاب کیا۔

آپ کی کرامات سات سو سے زائد منقول ہیں انکی تفصیل یا اجمال چنداں ضروری نہیں اس لئے کہ حضرت کا وجود ہی سراپا کشف وکرامات تھا۔

آپ نے ۶۳ برس کی عمر پاکر ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بروز سہ شنبہ بوقت اشراق داعی اجل کو لبیک فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا مزار اقدس سرہند شریف میں مرجع خاص وعام ہے۔ ہر سال ۲۶، ۲۷، ۲۸ صفر کو عرس منعقد ہوتا ہے اور خلق خدا فیوض و برکات حاصل کرتی ہے۔

اے خاک پاک روضۂ عبیری و عنبری
کاہل جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند

(شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی)

عصر حاضر میں شیخ مجدد کے کردار کی ضرورت

زیر نظر مقالہ "شاہ نقشبند سیمینار" منعقدہ جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن لاہور میں پڑھا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحب صدر! مہمانان گرامی، معزز سامعین کرام!

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر قوم نے بوجوہ کثیرہ اس طرف مراجعت کی۔ برصغیر ہر لحاظ سے دنیا کا مرکز رہا اور پھر یہ کہ مذاہب عالم میں ہر ایک نے یہاں اپنی اپنی قسمت آزمائی کی لیکن ہندو مذہب، ہر مذہب کو مختلف انداز سے ہضم کر جاتا رہا۔ اس طرح دیگر مذاہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف رہا۔ اسلام نے برصغیر کے مذہبی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی و سیاسی حالات پر گہرا اثر ڈالا جس کی وجہ سے ہندو قوم میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور مختلف طریقوں سے (خاکم بدہن) اسلام کے انہدام کے لئے کاروائیاں شروع کر دیں۔ ان انتقامی کاروائیوں میں ایک طرف اسلام کے سیاسی زور کو توڑنے کے لئے معاشرے میں تخریب کاری، قتل و غارت گری، سیاسی بے چینی اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کیا گیا تو دوسری طرف مذہبی سطح پر مسلمانوں کو تبدیل کرنے کے لئے ایسی تحریکیں اٹھائی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو انکے دین سے برگشتہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے تشکیک کا

راستہ اختیار کیا گیا۔ ہندو راجاؤں وغیرہم نے سیاسی طور پر برصغیر کے تقریباً تمام حکمرانوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کی لیکن ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی اور شکست فاش ہوئی۔

اس کے بعد انکے نام نہاد دانشوروں نے سوچا کہ اب سیاسی میدان کو چھوڑ کر کوئی ایسا کھیل کھیلا جائے کہ مسلمان (حقیقی) مسلمان نہ رہے اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ تو ہو مگر دل ودماغ سے روح اسلام نکل جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی فلسفیانہ تنظیمیں یا تحریکیں بنائیں۔ ان کے اس فلسفے کا مقصد مساوات اور رواداری کے پردے میں اسلامی تعلیمات کو کھوکھلا کرنا تھا۔ ان تحریکوں نے اپنا کام یوں تو بہت پہلے سے شروع کیا ہوا تھا لیکن بدقسمتی سے اکبر بادشاہ (جلال الدین اکبر) کے زمانے میں ان تحریکوں نے زور پکڑا اور حکومت تک رسائی حاصل کر کے اپنے مکارانہ اور عیارانہ ''فلسفہ رواداری مذاہب'' کے نام پر اسلامی تعلیمات میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ براہ راست قوت اور تشدد کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے مذہبی وفاداری کو نہیں نکالا جا سکتا لیکن اگر کسی مذہب میں دوسرے مذہب کی اس طرح ملاوٹ کر دی جائے کہ وہ اپنی بنیادی خصوصیات کھو بیٹھے تو وقت گزرنے پر اس مذہب کا مٹ جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اکبر کے ساتھ اس کی محفلوں میں صرف ہندو راجے اور ہندو فلسفی ہی نہ رہتے تھے بلکہ اکبر کے ساتھ عبادت خانے میں ہندو پروہت' کیتھولک مبلغ' زرتشتی موحد اور عقلیت پسند ملحد سبھی کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور ہر اس نظریئے کو پسند کیا جاتا تھا جو بادشاہ کی دلچسپی کا موجب ہو۔ ان مختلف الانواع فلسفیانہ خیالات نے اکبر کے ذہن پر جو اثرات چھوڑے، ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ ارتداد والحاد کے سوا اور کیا نکل سکتا تھا؟ اکبر نے ان خیالات کو قبول کر کے نہ صرف تشکیک کے لیے راستہ ہموار کیا بلکہ ارتداد

والحاد تک نوبت جا پہنچی۔

اس میں کوئی بو العجبی نہیں کہ ہمیشہ ارتداد والحاد کی بنیاد، رواداری کے نرم ودلکش دعووں پر قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس دور میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی ہر نامعقول بات کو نص قطعی سمجھا گیا اور علمائے اسلام کے علاوہ ہر مذہبی لیڈر کی بات کو برہان قاطع سمجھا گیا اور اس کو رازی وغزالی سے زیادہ اہمیت دی گئی اور اسلام کی ہر نشانی (شعائر اسلام) کا مذاق اڑایا گیا۔ بادشاہ کی ضد کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ کام جس کو اسلام نے پسند کیا ہے اسے ناپسند کرتا اور ہر اس کام کو پسند کرتا جو اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

اختصار کے ساتھ اکبری دور کی چند ترجیحات پیش کی جاتی ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اسوقت اسلام کے ساتھ کس قدر گھناؤنی سازش کی جارہی تھی۔

۱...... اصلی نبوت پر شک وشبہ پیدا کر کے اکبری نبوت کے لیے راہیں ہموار کی جانے لگیں اور یہ خدمات ابوالفضل کے سپرد ہوئیں۔

۲...... شریعت کی پیروی کرنے والوں اور اسلام پر یقین رکھنے والوں کو سخت ایذائیں دی گئیں اور بہت سے علماء کو قتل کیا گیا۔

۳...... اکبری مجلس میں حضور انور ﷺ کے نام پاک کی تصریح ترک کر دی گئی اور اہل قلم کو اپنی کتابوں سے نعت کا باب خارج کرنے کا جبری حکم دیا گیا۔

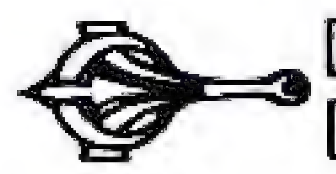
۴...... جس شخص کا نام حضور اکرم ﷺ کے نام پر رکھا گیا تھا وہ بدل دیا گیا۔

۵...... گائے کا ذبح کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔

۶...... مسجدوں کو منہدم اور ویران کیا گیا۔

۷...... مقبروں کو مسمار کیا گیا۔

۸ کافروں کی عبادت گاہوں اور انکی عبادت کے طریقوں اور ان کے تہواروں کی تعظیم کی جانے لگی۔



۹...... کفار کی دینی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا تا کہ اسلام کے آثار مٹا دیئے جائیں۔

۱۰...... حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے نظریہ توحید وجودی کی غلط تعبیرات کے ذریعے وحدت ادیان کا نظریہ تراشا گیا۔

اس دور میں اسلام کی اس بے چارگی کو دیکھ کر علماء و مشائخ 'اسلام کے مجاہد بن کر اٹھے اور اکبر کے خلاف کفر وارتداد کا فتویٰ دیکر اعلان جہاد کیا۔ باقاعدہ بغاوت ہوئی ،لڑائیاں ہوئیں ،باغی امراء قتل کر دیئے گئے ،قاضی بنگال کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے جمنا میں پھینک دیا گیا ،قاضی برنی کو ذبح کر دیا گیا ،قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کرادیا ،لاہور کے علماء کو قتل کر دیا گیا ،کسی کو جلاوطن اور کسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا......الغرض اس قدر ظلم وتشدد روا رکھا گیا کہ بڑوں بڑوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکبر کے مقابلے میں میدان چھوڑ گئے۔

دور اکبری میں اسلام کی حالت زار کیا تھی اس حوالے سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سے بڑھ کر اور کسی کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہے جنہوں نے اس دور کی ایک ایک بات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا۔ حضرت امام ربانی ،اکبری دربار کے ایک اہم رکن خان اعظم کے نام ایک مکتوب میں اسلام کی زبوں حالی اور انحطاط و بے چارگی کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔

اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان ،اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر یوں چیخ وپکار فرمائی

''واویلاہ وامصیبتاہ واحسرتاہ و احزناہ! محمد رسول اللہ ﷺ کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او ذلیل و خوار و منکران او رابہ عزت و اعتبار'' (دفتر اول مکتوب ۴۷)

آپ اس امت بے کس کی ذلت وخواری کے نظارے کی تاب نہ لا کر کبھی یوں گویا ہوئے ؎

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے

اور کبھی آپ کا دل دیوانہ سرمست بادۂ الست بے چین ہو کر تلملا اٹھتا ہے تو یوں پکارتے ہیں ؎

صبّت علیّ مصائب لو انھا
صبّت علیٰ الایام صرن لیالیا

حاضرین معظم! دسویں صدی ہجری کے دور اختتام پر اکبر کے الحادی کارناموں اور علمائے سوء وصوفیائے خام کی ناعاقبت اندیشیوں اور منافقانہ پالیسیوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی قوت وشوکت کا استیصال ہو چکا تھا' تصور امت دھندلا گیا تھا، رسومات شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اسلام کے اصلی رنگ و روپ کو متغیر کر دیا تھا۔ گویا کوئی ظاہری و باطنی مرض ایسا نہ تھا جس کی تخم ریزی، امت کے اذہان وقلوب میں راسخ نہ ہو چکی ہو۔ سب سے گہرا اور بنیادی مرض فتنہ ابتداع تھا جس نے عمل واعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا۔

ان تفصیلات کے بعد ہمیں خود ہی یہ رائے قائم کر لینی چاہیے کہ حضرت شیخ مجدد کا جذبہ ایمان وعرفان کس قدر عظیم تھا اور آپ کی طرز تعلیم وتلقین کس درجہ مؤثر اور ہمہ گیر تھی کہ جس نے امت مسلمہ کو ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں سے بچا کر

کشتی اسلام کو کنارے لگا دیا۔

ع ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند

آپ کی روح اقدس پر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے مجاہدانہ ہمت اور مجددانہ عزیمت کے ساتھ پورے ہندوستان کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا اور ایسا علمی، ایمانی، روحانی، انقلاب برپا کیا جو زبردست مسلح، انقلابی تنظیموں سے بھی ممکن نہیں۔ اگر آپ کے انداز تجدید اور نظریہ اصلاح پر گہری نظر دوڑائی جائے تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں جو آج بھی امت کی اصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے حرز جاں ہیں۔

خاموش تبلیغ

دور اکبری کے اواخر میں علماء اسلام کے ساتھ حکومت کا رویہ بالکل سخت ہو گیا تھا اور علماء کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں آپ نے ''ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ''(النحل ۱۲۵) کے پیش نظر حکمت و دانائی اور راز داری کے ساتھ خاموش تبلیغ کی حکمت عملی اپنائی تا کہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ یہ اصلاحی تحریک، سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمہ نے رسول اکرم ﷺ کے مکی اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے خاموش تبلیغ کی حکمت عملی وضع فرمائی۔ اس خاموش تبلیغ میں علماء وصوفیاء اور مبلغین کی عملی، روحانی تربیت اور باطنی توجہات وتصرفات کا عنصر بھی شامل تھا جس کی وجہ سے جام تبلیغ دو آتشہ ہو گیا تھا۔

خلفاء کے ذریعے دعوت کو عام کرنا

خلفاء و مریدین کے اطراف واکناف میں پھیلا دینے سے آپ کی اصلاحی تحریک بے حد مؤثر ثابت ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی دعوت عام ہو گئی۔

مکتوبات وتصانیف کا سلسلہ

مکتوبات شریفہ اور دیگر تصانیف لطیفہ کے ذریعے ارباب حکومت اور اصحاب دانش کی ذہنی، فکری اور علمی تربیت فرمائی اور روحانی و باطنی تقویت پہنچائی۔

ارباب حکومت کی اصلاح

''الناس علی دین ملوکھم'' کے مطابق آپ نے ان لوگوں کی اصلاح پر خاص توجہ فرمائی جو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے اور انہیں ''جرگہ مدان دولت اسلام'' کے خطاب سے نوازا۔

امور سلطنت میں علماء کو شامل کرنا

صالح اور باکردار علماء کو حکومت کے اہم عہدوں تک پہنچا کر آپ نے امور سلطنت کو اسلام کا جامہ پہنا کر تنفیذ اسلام کی راہیں ہموار فرمائیں۔

علماء وصوفیاء کی اصلاح

اسی طرح آپنے علماء کے غلط کردار اور صوفیاء کے غلط افکار کی اصلاح کے لیے انقلابی اقدامات فرمائے۔

کتاب وسنت سے تمسک کی تحریک

آپ نے کتاب وسنت سے کامل تمسک کی تحریک پیدا کر کے مسلمانوں میں راسخ الاعتقادی اور راست بازی کا رجحان پیدا کر دیا اور تمام بدعات باطلہ وعقائد فاسدہ کی بیخ کنی کر کے اسلامی تعلیمات کا چہرہ نکھار کر رکھ دیا۔

معزز سامعین کرام! سچ تو یہ ہے کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''آج جو مساجد میں اذانیں سنائی دے رہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تبارک وتعالی اور قال الرسول ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر کے حلقے قائم ہیں، آستانوں میں جو لاالہ الااللہ کی ضربیں لگائی

جارہی ہیں، یہ اہل حق کے چہروں پر جو سنت کا نور ہے اور آنکھوں میں جو محبت کا سرور ہے، یہ امام ربانی مجدد الف ثانی کی تجدید کا جام طہور ہے۔

اور بقول علامہ اقبال

''مغربی دنیا کے افکار و نفسیات جدیدہ ابھی تو افکار مجدد کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکے''۔

حاضرین ذی وقار! دنیا کو آج پھر ضرورت ہے مجدد الف ثانی کی ... آج فتنہ ہائے عرب و عجم کی یلغار کے دور میں ضرورت ہے امام ربانی کے افکار کی ... آج یورش ہائے عصر حاضر کے مقابلے میں ضرورت ہے شیخ مجدد کے کردار کی ... ان کے انفاس قدسیہ کی بو باس کی...... انکی توجہات عالیہ کے اثرات کی۔

ہمیں ضرورت ہے آج پھر کسی سرشار بادۂ مجددیت کے نعرۂ مستانہ کی کہ

جس کا پیکر خاکی ہو مگر پرواز افلاکی ہو...... وہ گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان ہو...... قاری نظر آئے مگر حقیقت میں قرآن ہو...... گو بے زر ہو مگر بالغ نظر ہو...... وہ کار آشیاں بندی سے دور مگر احساس وخوئے وفا میں مخمور ہو...... وہ موت سے نہیں موت اس سے ڈرتی ہو...... زمانہ اس کو نہیں وہ زمانے کو مسخر کرتا ہو...... وقت اسکو نہیں وہ وقت کو بدلتا ہو...... وہ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جائے مگر مقام رنگ و بو کا راز پا جائے......

ہاں ہاں! ضرورت ہے کسی ایسے مرد حق آگاہ کی کہ علم اس کا زیور ہو اور حلم اس کی چادر ہو...... وفا اسکی ادا ہو اور رضا اسکی جزا ہو...... صداقت اس کا محمل ہو اور شہادت اسکی منزل ہو...... دانش اسکی بستی ہو اور عشق اسکی مستی ہو...... بخت اسکا رسا ہو اور نظر اس کی کیمیا ہو...... باہوش ایسا کہ شام و سحر کو سمجھے...... پر جوش ایسا کہ شمس و قمر کو لپکے ... وہ تخت کا سکندر بھی ہو اور وقت کا قلندر بھی ......اور وہ مجدد الف ثانی کے کردار کا فیض مجسم بن کر ۔

دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

حاضرین مکرم! ہم مایوس نہیں ہیں' یہ دین زندہ نبی کا دین ہے' یہ زندہ رہے گا' تابندہ رہے گا' مجددین آتے رہیں گے' زمانے فیض پاتے رہیں گے

ذرا کان لگا کر غور سے سنو تو سہی ...... آواز آ رہی ہے ''اپنے وقت کا امام آ رہا ہے''

اور سنو! عصر حاضر کی ہر کروٹ یہ بانگ دھل دہائی دے رہی ہے کہ عصر حاضر کے مجدد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔

ہاں ہاں نظریں اٹھاؤ! وہ دیکھو!

مدینے کی گلی سے، بغداد کے نگر سے، بخارا کی محفل سے، اجمیر کی بستی سے، سرہند کے چمن سے ہوتا ہوا ایک مرد مجاہد خراماں خراماں میرے دیس کی بستی میں داخل ہو رہا ہے ...... جس کے ساتھ اسلام کی غنیم فوجیں ہیں ...... وہ بھٹکے ہوئے آ ہو کو سوئے حرم لے جانے کے عہد و عزم کے ساتھ آ رہا ہے ...... ہمارا اسلام ہو اس امام وقت کو کہ اسکے قدموں کی ہر آہٹ ہمارے دلوں پہ دستک دے رہی ہے اور ہماری آنکھیں اس کے استقبال کے لیے بے تاب ہیں۔

زمانہ منتظر تیری یلغار کا
تری شوخئی فکر و کردار کا

شریعت کے اجزائے سرگانہ

(علم، عمل اور اخلاص)

ارشاد ربانی ہے:

لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا (المائدہ)

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت (واضح راستہ) اور ایک منہاج (لائحہ عمل وطریق کار) بنادیا ہے۔

شریعت سے مراد ایسا کامل نظام زندگی ہے جو حیات انسانیہ کے ہر شعبے پر غالب ونافذ ہو۔ انسانی پیدائش کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان، شریعت کے مطابق عمل کر کے اللہ کی رضا ومعرفت حاصل کر سکے۔ حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فخلقت الخلق لاعرف

ترجمہ: میں نے مخلوق کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اسی حقیقت کو قیوم زمانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریفہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

شریعت راسه جزو است،علم وعمل واخلاص ،تا ایں هر سه جزو متحقق نشوند، شریعت متحقق نشود وچوں شریعت متحقق شد، رضائے حق سبحانه وتعالیٰ حاصل گشت که فوق جمیع سعادات دنیویه واخرویه است ورضوان من الله اکبر (دفتر اول مکتوب ۳۶)

ترجمہ: شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ

ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو گویا رب تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوگئی' جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی، سب سے بڑھ کر ہے۔

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ شریعت تین چیزوں کا نام ہے علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تین چیزیں حاصل نہ ہوں' شریعت حاصل نہیں ہوسکتی اور جب تک شریعت حاصل نہ ہو' رضا و معرفت کا حصول ناممکن ہے اور رضا کا مقام ہی سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم شریعت کے موضوع پر کچھ عرض کرتے ہیں۔

شریعت کی جامعیت واھمیت

دین اسلام کی جامعیت وصداقت کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس نے نوع انسانی کو ایسی شریعت عطا کی ہے، جو بیک وقت انسانی زندگی کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کو محیط ہے۔ یہ وہ چشمہء صافی ہے جس سے ہر وقت ہر فرد مکمل طور پر سیراب و شاداب ہوسکتا ہے اور یہی وہ نظام زندگی ہے جو ہر دور کے ہر چیلنج کا شافی وکافی جواب ہے۔ انسان کی نجات اور خلاصی کا راستہ، اعتقادی اور عملی طور پر شریعت کی متابعت میں ہے۔ استاد اور پیر کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے تاکہ وہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں۔

شریعت، حضور پرنور سید عالم ﷺ کے اقوال وافعال کا نام ہے یعنی وہ احکام ظاہری جو اجسام ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی برکات قلب اور روح کو بھی منور کر دیتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم شریعت ہی تمام علوم کا اصل و ماخذ ہے اور یہ علم بذریعہ وحی ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں کوئی قصور یا فتور ممکن نہیں اور یہی نوع انسانی کیلئے خدا کی

آخری حجت ہے، جس کے بعد انسانیت کے لئے ہدایت کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔
بقول اقبال

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کی تعلیم یہ ہے کہ علوم طریقت وحقیقت، علم شریعت کے خادم ہیں۔ طریقت اور حقیقت کے حاصل کرنے سے مقصود، شریعت کی تکمیل ہے۔ احوال ومواجید اور علوم ومعارف، اسرار ولطائف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں، وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ اوہام و خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گذر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے جو مقام جذبہ وسلوک کی نہایت ہے۔
چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

فردائے قیامت از شریعت خواهند پرسید ،از تصوف نه خواهند پرسید،دخول جنت وتجنب ازنار وابسته باتیان شریعت است،انبیاء صلوات الله تعالیٰ وتسلیمات علیهم که بهترین کائنات اند،بشرائع دعوت کرده اند،ومدار نجات برآں مانده ومقصود از بعثت ازیں اکابر تبلیغ شرائع است۔(دفتر اول، مکتوب ۴۸)

ترجمہ: کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھا جائے گا، تصوف کی بابت نہیں کیونکہ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجا لانے پر منحصر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں شریعتوں کی طرف ہی دعوت دی ہے۔
نیز ایک مکتوب میں آپ نے مزید فرمایا:

"کہ شریعت راصورتے است و حقیقتے، صورتش آنست کہ علماء ظواہر ببیان آں متکفّل اند وحقیقتش آں کہ صوفیاء علیہ بآں ممتاز اند (دفتر اوّل مکتوب ۱۷۲)

ترجمہ: شریعت کیلئے ایک ظاہری صورت ہے جسکو علمائے ظاہر بیان کرنے کے ذمّہ دار ہیں اور اس کی باطنی حقیقت وہ ہے جس سے صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔

حضرت ملا حسن کشمیری نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مکتوب تحریر کیا جس میں شیخ عبدالکبیر یمنی کے ایک قول کے بابت سوال تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ "اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں" (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوما! فقیررا تاب استماع ایں سخناں اصلاً نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت می آید وفرصت تاویل وتوجیہ آں نمیدہد، قائل آں سخناں شیخ کبیریمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام درکار است، نہ کلام محی الدین عربی وصدرالدین قونوی وعبد الرزاق کاشی، مارابہ نص کا راست نہ بہ فص، فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۰)

ترجمہ: میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں۔ بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آجاتی ہے اور اس میں تاویل وتوجیہہ کی طرف فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، مگر ہم کو تو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کی کلام۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحات مدینہ (شریعت محمدیہ علیٰ

صاحبہا الصلوات) نے ہم کو فتوحات مکیہ (حضرت ابن عربی کی ایک کتاب کا نام ہے) سے لا پرواہ کر دیا ہے۔

ایک مقام پر آپ نے فرمایا کہ علمائے ظاہر (اہلسنت) کے درست عقائد کا جمال، صوفیاء کے مجاہدات سے بڑھ کر ہے۔ ملاحظہ ہو:

علمائے ظاهر اهلسنت وجماعت هر چند در بعضے اعمال مقصِّر باشند اما جمال درستی عقائد ایں ها درذات وصفات آں قدر نورانیت دارد که آں تقصیر در جنب آں مضمحل و نا چیز درنظر می در آید...... الخ (دفتر اول مکتوب ۸)

ترجمہ: اہلسنت کے علماء ظاہر، اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں۔ لیکن ذات وصفات الٰہی میں ان کی درستی عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ ان علماء کی کوتاہی وکمی اس کے مقابلے میں ہیچ و ناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض صوفی باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے چونکہ ذات وصفات میں اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے، وہ جمال ان میں نہیں پایا جاتا۔

عقائد کی درستگی کے بغیر شریعت کا علم مفید نہیں

حضرت امام ربانی اپنے ایک مکتوب میں عقائد کی درستگی پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پس تا صحیح عقائد نه نمایند، علم باحکام شرعیه فائده نمیدهد تا ایں هردو متحقق نشوند عمل نافع نیاید و تا ایں هر سه میسر نگردند حصول تصفیه وتزکیه محال است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۵۷)

ترجمہ: جب تک (اہلسنت وجماعت کے مطابق) عقائد درست نہ ہوں، احکام

شرعیہ کا علم، کچھ فائدہ نہیں دیتا اور جب تک دونوں متحقق نہ ہوں اعمال وافعال نفع نہیں دیتے۔ پھر جب تک یہ تینوں (علم، عمل، عقیدہ) حاصل نہ ہوں، نفس کا تصفیہ وتزکیہ حاصل ہونا محال ہے۔

آپ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ اہلسنت و جماعت کے عقائد پر یقین رکھنا لازمی ہے اور اس عقیدہ کے مخالفین، ہرگز خدا کے قرب اور معرفت کی لذت حاصل نہیں کر سکتے۔

علم سے مراد علم شریعت ہے

علم کا معنی ہے دانش، یعنی کسی چیز کو یقین اور ظہور کے ساتھ جاننا علم کہلاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سب سے افضل ترین علم، معرفت الٰہیہ کا علم ہے اور معرفت کا علم، شریعت پر موقوف ہے اور علم شریعت، کتاب وسنت کا تفصیلی علم ہے۔

قرآن حکیم میں علم والوں کی فضیلت

والذین اوتوا العلم درجات (مجادلہ)

ترجمہ: علم والوں کے لئے کئی درجے ہیں۔

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (زمر)

ترجمہ: فرمادیجئے کیا برابر ہیں علم والے اور بے علم لوگ؟

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے تو اس کے بندے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

حدیث پاک میں علم والوں کی فضیلت

العلماء ورثۃ الانبیاء (ابن ماجہ)

ترجمہ: علم والے انبیاء کے وارث ہیں۔

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل

ترجمہ: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادنیٰ رجل من اصحابی

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میرے صحابہ میں سے کسی ادنیٰ پر مجھ کو فضیلت حاصل ہے۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلة البدر علٰی سائر الکواکب

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کا چاند تمام ستاروں پر فوقیت وفضیلت رکھتا ہے۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ترجمہ: ایک دین کی سمجھ رکھنے والا (عالم) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

علماء کی اقسام

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علماء تین قسم کے ہیں

۱...... جنہوں نے علم سے خود تو زندگی حاصل کی، مگر دنیا کو ان سے زندگی نہ ملی۔

۲...... جن کے علم سے دوسروں نے تو زندگی پائی مگر وہ خود زندگی نہ پا سکے۔

۳...... جنہوں نے اپنے علم سے خود بھی زندگی پائی اور مخلوق نے بھی ان کے علم سے زندگی پالی۔

علم کی اقسام

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم دو قسم است، علمی است کہ مقصود ازاں عمل است کہ

علم فقه متکفل آنست وعلمی است که مقصود ازاں مجرد اعتقاد ویقین قلبی است که در علم کلام به تفصیل ذکر یافته ، بمقتضائے آرائے صائبہ اهلسنت وجماعت که فرقه ناجیه اند ونجات بے اتباع ایں بزرگواراں متصور نیست واگر سرمومخالفت است خطر در خطراست ۔ایں سخن بکشف صحیح والهام صریح نیز به یقین پیوسته است احتمال تخلف ندارد۔(دفتر اول حصہ دوم مکتوب ۵۹)

ترجمه: علم دو قسم پر ہے۔ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے، جس کا متکفل علم فقہ ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے جو علم کلام میں مفصل مذکور ہے اور فرقہ ناجیہ (نجات پانے والے) اہلسنت وجماعت کے قیاس صحیح اور عقیدے کے موافق ہے۔نجات ان بزرگواروں کی اتباع کے بغیر محال ہے اور اگر بال بھر بھی مخالفت ہے تو کمال خطرہ ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے اس میں کچھ اختلاف نہیں۔

ثابت ہوا کہ علم فقہ اور علم عقائد کی تفصیلات کو جاننے اور ماننے کے بغیر حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی وہ علم ہے جو قرآن اور حدیث کا خلاصہ ہے اور جس کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں۔اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

لیکن یہ علم اس وقت مفید اور نافع ہوگا جب علماء اہلسنت وجماعت کے عقائد اور مسلمہ اصولوں کی روشنی میں حاصل کیا جائے گا۔امام ربانی کو یہ بات کشف اور الہام کے ذریعے بتائی گئی ہے۔اہلسنت کے خلاف جتنے گروہ اور فرقے ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔اہلسنت کے بزرگوں کی تابعداری کے بغیر نجات محال ہے۔

عمل کے بغیر علم بے سود ہے

عمل، مسلسل کوشش اور محنت کا نام ہے۔ علم حاصل کر لینے کے بعد اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ اگر عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ سخت مجرم ہے اور اس کا عذاب سب سے زیادہ عذاب ہے اور وہ علمائے سوء کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآن پاک میں بے عمل علماء کی مذمت

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا (الجمعہ)

ترجمہ: جن لوگوں کو تورات کا علم دیا گیا ہے پھر ان لوگوں نے اس پر صحیح عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو اپنے اوپر کتابوں کا بوجھ لادے ہوئے ہے۔

۞...... جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا۔

کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون (المومن)

ترجمہ: بڑی بیزاری ہے اللہ کے نزدیک کہ کہو تم وہ بات جو خود نہ کرو۔

حدیث میں بے عمل علماء کی مذمت

من طلب علما مما ینبغی بہ وجہ اللہ تعالیٰ یصیب غرضا من الدنیا لم یجد رائحۃ الجنۃ یوم القیامۃ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: جو شخص طلب کرے ایک علم ان علوم میں سے کہ جن سے خدا کی رضا مطلوب ہو لیکن اس کی غرض دنیا کا مال ہو تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہ پا سکے گا۔

نیز سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

مررت لیلۃ اسریٰ بی باقوام کان تقرض شفاھم بمقاریض من نار فقلت من انتم قالوا اکنا نامر بالخیر ولا ناتیہ وننھی عن الشر وناتیہ (ابوداؤد)

ترجمہ: معراج کی رات میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جاتے ہیں تو میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم وہ ہیں جو دوسروں کو نیکی کے لئے کہتے تھے مگر خود نیکی نہ کرتے تھے اور بدی سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن خود بدی کرتے تھے۔

بے عمل علماء امام ربانی کی نظر میں

جس دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدید اسلام کا کام شروع فرمایا تھا وہ بے عمل علماء اور خام صوفیاء کا دور تھا۔ اگرچہ چند علماء اور صوفیائے حق پرست اس زمانے میں بھی موجود تھے، ان کی کوششیں لائق تحسین تو تھیں لیکن حالات پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

حضرت امام ربانی نے لاہور کے گورنر شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں فرمایا۔

درقرن ماضی هر بلائی که برسر آمد از شومئی ایں جماعت بود پادشاهاں را ایشاں از راه می برند هفتاد ودوملت که راه ضلالت اختیار کرده اند مقتدایان ایں هاعلماء سوء بودند غیراز علماء هر که بضلالت رفت کم است که ضلالت اوبدیگرے تعدی کند واکثر جهلائے صوفی نمائے ایں زمانه حکم علماء سوء دراند فساد ایں ها نیز فساد متعدی است۔ (دفتر اول مکتوب ۴۷)

ترجمہ: گذشتہ زمانہ (اکبری دور) میں اسلام کے سر پر جو بلا آئی وہ علماء سوء کی بدبختی کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو راہ راست سے انہوں نے ہی بہکایا۔ بہتر فرقے جنہوں نے گمراہی کا رستہ اختیار کیا انکے مقتداء (پیشوا) یہی برے علماء ہیں۔ علماء کے سوا ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر لوگوں تک پہنچا ہو۔ اس

زمانہ کے اکثر جاہل صوفی جو برے علماء کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

موصوف کے نام ایک دوسرے خط میں آپ نے اسی حقیقت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ہم چنانکہ خلاصئی خلائق وابستہ بوجود علماء است، خسران عالم نیز باایشاں مربوط است، بہترین علماء بہترین عالم است وبد ترین ایشاں بدترین خلائق ہدایت واضلال راباایشاں مربوط ساختہ اند،عزیزے ابلیس لعین رادید کہ فارغ وبیکار نشستہ است،سر آنراپرسید گفت علماء ایں وقت کا رما میکنند ودراغواء واضلال کافی اند۔(دفتر اول مکتوب ۵۳)

ترجمہ: جس طرح مخلوق کی نجات، علماء کے وجود سے وابستہ ہے۔اسی طرح اس کی بربادی کا سبب بھی یہی علماء ہیں۔علماء میں سے بہتر عالم، تمام انسانوں سے بہتر ہے اورعلماء میں سے براعالم، تمام انسانوں سے براہے کیونکہ تمام جہان کی گمراہی وہدایت انہی پر موقوف ہے۔کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے۔ اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماء میری جگہ کام کررہے ہیں،لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے لئے وہی کافی ہیں۔

اکبر بادشاہ کی گمراہی کا سبب علماء سوء تھے

یہ حقیقت محتاج تعارف نہیں کہ اکبر بادشاہ اوراس کے ساتھیوں کی گمراہی اوراسلام سے بدظنی میں سب سے زیادہ حصہ بے عمل علماء کا ہے جن میں ملا مبارک ناگوری (المتوفی ۱۰۱۱ھ) اوراس کے فرزند ابوالفضل (المقتول ۱۰۱۱ھ) اورفیضی (۱۰۱۴ھ) سرفہرست ہیں۔ان لوگوں نے تقلید سے انکار کیا، خود محقق ہونے کے مدعی ہوئے، خود بھی گم کردہ منزل ہوئے اور بادشاہ اوراس کے مصاحبوں کو بھی گمراہ

کیا۔ یہ ایک ایسی اذیت ناک داستان ہے جو مسلمانوں کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ یہ وہ علماء تھے جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ ایسے نازک دور میں ایک ہی مرد مجاہد میدان میں نکلا جس نے سوز صدیقی، غیرت فاروقی، حیاء عثمانی اور فقر حیدری کی یاد تازہ کر دی اور گمراہی اور بے دینی کے بپھرے ہوئے سیلاب کے سامنے ایسا بند باندھا کہ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔ یہ وہی باکردار اور پاکیزہ شخصیت ہے جس کو دنیا امام ربانی، مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ آپ نے یہ کام عالی شان کوٹھیوں میں بیٹھ کر، فاخرہ لباس پہن کر، مرغن غذائیں کھا کر نہیں کیا بلکہ الفقر فخری کا تاج پہن کر......ٹوٹی پھوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر......نان جویں کھا کر......فتوحات مدینہ کو اپنا سامان بنا کر...... نہایت بے سروسامانی کے عالم میں محض رضائے الٰہی کے لئے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔ ؎

ہند میں اسلام زندہ تیری کوشش سے ہوا
ہم ہیں ممنون کرم، احسان ترا سرکار ہے

امام ربانی کی تعلیمات کو مدنظر رکھ کر موجودہ دور کے علماء وصوفیاء کو بھی اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ہمارا شمار علماء حق میں ہے یا علماء سوء میں (فالی اللہ المشتکیٰ)

کاش! اس دور کے علماء اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے وارثان نبوت ہونے کا حق ادا کریں اور اپنے علمی، عملی اور روحانی پروگراموں پر نظر ثانی کر کے اعلاء کلمۃ الحق کے لئے میدان عمل میں آ جائیں۔ مگر ہائے افسوس ؎

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس، العلماء الغافلين وقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين . (کشف المحجوب ص ۲۷)

ترجمہ: تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۱...... غافل (بے عمل) علماء سے۔

۲...... خوشامدی قاریوں سے۔

۳...... جاہل صوفیوں (پیروں) سے۔

آج کل کے جاہل صوفی اور ناقص پیر اپنی جہالت کی وجہ سے شریعت کا مرتبہ طریقت ومعرفت سے کم بتاتے ہیں حالانکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الطريقة والمعرفة كلاهما وزيران لشّريعة

ترجمہ: طریقت اور معرفت دونوں شریعت کے وزیر ہیں۔

خیال رہے کہ طریقت سے مقصود تو صرف شریعت پر عمل کو آسان بنانا ہے۔ جب شریعت پر عمل کرنا انسان کا ملکہ بن جائے تو اسی کو طریقت کا کمال کہتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عملت في المجاهدة ثلاثين سنة فما وجدت شيئا اشد من العلم ومتا بعته (کشف المحجوب ص ۲۸)

ترجمہ: میں نے تیس برس مجاہدہ کیا پس کوئی چیز اپنے لئے اس سے بہتر نہ پائی کہ علم حاصل کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

اخلاص کی حقیقت وضرورت

لغت عرب میں کسی اچھی چیز کو ناقص اور خراب کرنے والی چیزوں سے پاک و صاف کرنے کو اخلاص کہتے ہیں اور جو چیز پاک وصاف ہو جائے اس کو خالص کہتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں تمام اعتقادات، عبادات، معاملات کو شرک، کفر، نفاق، ذاتی اغراض و دنیاوی مفادات اور ریاکاری سے پاک و صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

اللہ کے بندے جب اخلاص میں کامل ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان اور نفس کے تسلط سے محفوظ کر کے اپنے فضل و کرم کے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مخلص کہا ہے۔

قرآن اور اخلاص

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

واذکر فی الکتاب موسٰی انه کان مخلصا وکان رسولا نبیا (مریم)

ترجمہ: اور ذکر کرو کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا وہ ایک مخلص (چنے ہوئے) شخص تھے اور رسول نبی تھے۔

❁...... حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

انه من عبادنا المخلصین (یوسف)

ترجمہ: تحقیق وہ میرے مخلص بندوں میں سے ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ حیات انسانی کا اصل مقصد رضائے الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اہل ایمان، جو عمل بھی کرتے ہیں محض اللہ کی رضا کے خیال سے کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کی شان قرآن میں اس طرح بیان ہوئی۔

یبتغون فضلا من الله ورضوانا (الفتح)

جب رضائے الٰہی انسان کا مقصود بن جائے تو اس کا ہر عمل سراپا اخلاص

ہو جاتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا' کھانا پینا، سونا جاگنا غرضیکہ اس کا ایک ایک سانس اور ایک ایک لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی کسی سے دوستی اور دشمنی بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ **الحب للّٰہ و البغض للّٰہ**

حدیث اور اخلاص

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلاث لایغل علیھن قلب رجل مسلم اخلاص العمل للّٰہ تعالٰی

ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کے دل پر میل اور کھوٹ نہیں رہتے۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ (ترمذی)

۞...... ایک اور حدیث میں اخلاص کی فضیلت یوں بیان فرمائی گئی:

مامن عبد یخلص للّٰہ العمل اربعین یوما الا ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبه علٰی لسانه (احیاء العلوم، ابن عدی)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص سے چالیس دن عمل کرلے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر پھوٹ پڑیں گے۔

حضرت امام غزالی اور اخلاص

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الناس کلھم موتٰی الا العلماء و العلماء کلھم نیام الا العاملین والعاملون کلھم فی خسران الا المخلصین.

ترجمہ: تمام لوگ مردہ ہیں، زندہ صرف علماء ہیں اور علماء بھی سوئے ہوئے ہیں جاگتے صرف وہ ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور عمل کرنے والے بھی خسارے میں ہیں مگر نفع حاصل کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جن کے عمل میں اخلاص ہے۔

حضرت امام ربانی اور اخلاص

آپ فرماتے ہیں:

بالجملہ علم وعمل مستفاداز شرع است وتحصیل اخلاص که همچوروح است،مرعلم وعمل راوابسته بسلوك طریق صوفیا است تاسیر الی الله قطع ننماید وبسیر فی الله متحقق نه شود از حقیقت اخلاص دوراست وازکمالات مخلصاں مهجور۔(دفتر اول مکتوب ۵۹)

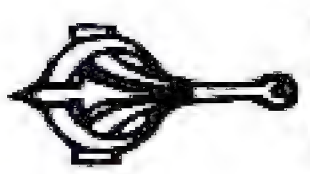
ترجمه: علم وعمل دونوں شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص کا حاصل ہونا علم و عمل کے لئے روح کی طرح ہے اور وہ طریق صوفیاء پر چلنے پر منحصر ہے۔ جب تک سیر الی اللہ نہ قطع کریں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں' حقیقت اخلاص سے دور اور مخلصوں کے کمالات سے مہجور رہتے ہیں۔

❁...... اسی مکتوب میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

پس اولیاء الله هر چه می کنند برائے حق می کنند جل وعلانه برائے نفس خود چه نفس ایشاں فدائے حق شده است ودرحصول اخلاص ایشاں راتصحیح نیت درکار نیست ،نیت ایشاں بفنا فی الله وبقابالله تصحیح یافته است۔(دفتر اول مکتوب ۵۹)

ترجمه: پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے نفس کے لئے کیونکہ ان کے نفس خدا پر قربان ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے اخلاص کے حاصل ہونے میں نیت کا صحیح کرنا بھی ضروری نہیں ہے' ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقاباللہ سے درست ہو چکی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا تصریحات



سے اخلاص کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔اخلاص کا مقام اتنا آسان اور سستا نہیں کہ انسان جب چاہے حاصل کر لے بلکہ اس کے لئے نفس اور شیطان کے لشکروں سے جہاد کر کے فنا وبقا کی منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں تب کہیں جا کر انسان ،اخلاص کی دولت سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔یہ صرف ذاتی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔انسان کو ہمیشہ عمل سے اخلاص کی توفیق مانگنی چاہئے۔سلوک کے راستے میں فنا کی منزل نسیان ماسوی اللہ (اللہ کے سوا سب کچھ بھول جانا) پر موقوف ہے اور یہ نعمت ،ذکر نفی اثبات اور شیخ طریقت کی توجہ اور صحبت کے بغیر میسر نہیں آتی (الاماشاء اللہ)

اخلاص اور احسان

یہ بات ذہن نشین رہے کہ تصوف سے مقصود، منزلِ احسان کا حصول ہے اور احسان، فرمان نبوی کی روشنی میں یہ ہے:

ان تعبدالله كانک تراه فان لم تكن تراه فانه يراک (مشکوۃ، بخاری)

ترجمه: اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اس کو نہ دیکھ سکے تو تیری کم از کم یہ حالت ضرور ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اسی منزل احسان کو طریقت نقشبندیہ میں دوام حضور وآگاہی کا نام دیا گیا ہے کہ انسان ہر وقت اپنے قلب وذہن کو ذات کے ساتھ مشغول رکھے اور اس کے دل کے ہر گوشے میں محبوب ہی سما جائے۔اسی کو وقوف زمانی کہتے ہیں اور یہی اخلاص کی حقیقت ہے۔(اللهم ارزقنا اياه)

مخلصانہ ایمان اور کتاب وسنت کے علم کے بعد اعمال صالحہ کی نوبت آتی ہے اور اعمال صالحہ کو ریا (دکھلاوا) سُمعه (جذبۂ شہرت) نفاق (ظاہر و باطن میں

عدم مطابقت) منّ (احسان جتلانا) اذی (تکلیف دینا) صدقۂ خبیثہ (گھٹیا اور ردّی مال اللہ کی راہ میں دینا) سے خالی اور پاک رکھنا اخلاص ہے۔

مخلِص اور مخلَص کا فرق

واضح رہے کہ ایک، اخلاص کی صورت ہے اور ایک اخلاص کی حقیقت۔ اخلاص کی صورت یہ ہے کہ عمل میں تصنع و تکلف کی ضرورت ہو اور نیت کو صحیح اور حاضر کرنے کا محتاج ہو، یہ اخلاص دوامی نہیں ہوتا۔ اس کا حامل کبھی اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی اخلاص کے بغیر، ایسے شخص کو مخلِص (بکسر لام) کہتے ہیں۔ یہ اخلاص عوام کو بھی حاصل ہے۔

اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ عملی تصنع، تکلف اور کسب سے خالی ہو۔ یہ اخلاص دوامی ہوتا ہے۔ اس کا حامل، نیت کے صحیح اور حاضر کرنے کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ اس کی نیت فنا و بقا کے ساتھ درست ہو چکی ہے۔ اس کا نفس امارہ اپنے مولا پر قربان ہو چکا ہے اور مطمئنہ بن چکا ہے۔ ایسے شخص کو مخلَص (بفتح لام) کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ (فافہم وتدبر)

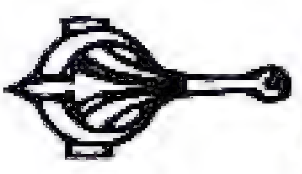
اعمال جسم ہیں اور اخلاص روح ہے۔

کشف المحجوب شریف میں حضرت سید مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

احب الاعمال اِلیّ الاِخلاص فی الاعمال

ترجمہ: میرے نزدیک عملوں میں سب سے پسندیدہ عمل، اخلاص ہے۔

اخلاص، عمل کے لئے ایسا ہے جیسے روح جسم کیلئے۔ جس طرح جسم، بغیر



روح کے ایک جماد (پتھر) ہے اسی طرح عمل، بغیر اخلاص کے فضول ہے۔

جس انسان کے عمل میں نام ونمود اور شہرت کا جذبہ اور ریا کاری کا شائبہ ہو اس کا عمل ہرگز قبول نہیں ہوتا کیونکہ اس کا عمل اخلاص سے خالی ہے۔ اخلاص کی نعمت ان کو حاصل ہوتی ہے جن کے دل ودماغ پر آخرت کی فکر اور خدا کا خوف غالب ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز نفس کے ساتھ جہاد کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور اس سرکش گھوڑے کے منہ میں تقویٰ کی خاردار لگام ڈال کر اس کو رام کئے بغیر اخلاص کی حقیقت میسر نہیں آ سکتی۔ جن لوگوں کے عمل، اخلاص کی حقیقت سے متصف ہو جائیں، وہ قرب اور معرفت کی منزلیں حاصل کر کے رضا ومشاہدہ کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔

ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء

اہل سنت اور اہل بدعت
(مکتوبات کی روشنی میں)

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمده ونصلی علٰی رسولہٖ الكريم

كتاب وسنت كی روشنی میں مسلك حق اهلسنت وجماعت كی تعبير وتشريح

اسلام کی آسان اور سادہ تعبیر یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے جو کچھ ہمیں کرنے کا حکم دیا اور جس کام سے منع نہ کیا وہ اسلام ہے اور جس سے روک دیا وہ اسلام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وماآتكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور رسول کریم ﷺ جو کچھ تم کو دیں وہ لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام کو دل وجان سے قبول کیا' اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالا اور وہ ہر امتحان وابتلاء میں ثابت قدم رہے۔ ان کا جذبہ اطاعت واستقامت بارگاہ خداوندی میں اس قدر مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے صحابہ کرام کے طرز زندگی کو معیار حق قرار دے دیا اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اپنی رضا اور کامیابی کی سند عطا فرمادی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوا ھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری تحتھاالانھار خالدین فیھا ابدا ذالک الفوز العظیم(التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ (صحابہ کرام) جنہوں نے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) پہلے پہل ہجرت کی اور آپ کی نصرت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جو (بعد میں آنیوالے) لوگ ان (صحابہ کرام) کی اچھے طریقے سے اتباع کریں گے اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ بعد میں آنے والے جو لوگ صحابہ کرام کی اتباع کریں گے وہی اللہ کی رضا کے مستحق ٹھہریں گے۔

کتاب وسنت، دین اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

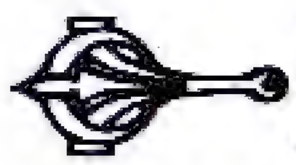
ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (مشکوٰۃ ص ۳۱)

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے ان میں ایک تو خدا کی کتاب ہے اور دوسری رسول خدا کی سنت ہے۔

فلہٰذا ثابت ہوا کہ مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ سے وابستہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت کے عاملین اور طریق صحابہ کے حاملین اہلسنت وجماعت کہلاتے ہیں۔

متعدد احادیث مبارکہ میں سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) اور جماعت صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہنے کو معیار حق قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

❁...... فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (ابوداؤد ۲/۲۷۹)



ترجمہ: پس میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کو لازم پکڑو۔

❁ من رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری۲/۷۵۸)

ترجمہ: جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری امت سے نہیں۔

❁ (عن معاویة) ان هٰذہ الملة ستفترق علٰی ثلث و سبعین' ثنتان وسبعون فی النار وواحد فی الجنة وهی الجماعة (ابوداؤد۲/۲۷۵)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہونگے۔ان میں سے بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ ''جماعت'' ہے

قالوا من هی یارسول الله؟ قال ماانا علیه واصحابی(ترمذی۲/۸۹)

ترجمہ: صحابہ نے پوچھا وہ ناجی گروہ کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرام کے راستے پر ہوگا۔

❁ عن ابن عمر......وان رسول الله ﷺ قال یدالله علی الجماعة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (ترمذی۲/۳۹)

بحمدہ تعالٰی حقائق بالا کے پیش نظر اظہر من الشمس ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اہلسنت و جماعت ہی حق وصداقت کا عنوان ہے۔

سنت کا مفہوم

سنت کا لفظ لغت میں چہرہ' پیشانی' صورت' سیرت' طریقہ' راستہ' نہج وغیرہ کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

❁ السنة الطریقة المحمودة المستقیمة ولذالک قیل فلان من اهل السنة معناه من اهل الطریقة المستقیمة المحمودة (لسان العرب ص۲۲۶)

ترجمہ: سنت، اچھے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اہل سنت سے ہے یعنی اچھے اور سیدھے راستے والوں سے ہے۔

❁...... اصول فقہ کی کتابوں میں سنت کی تعریف یہ ہے:

ماصدر عن النبی ﷺ من غیر القرآن من قول او فعل او تقریر

(مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت از علامہ محب اللہ بہاری)

ترجمہ: سنت وہ امور ہیں جو حضور ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ صادر ہیں قول یا فعل یا تقریر کی صورت میں۔

❁...... حدیث میں جہاں کہیں لفظ سنت آیا ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہی ہے کہیں اضافت کے ساتھ اور کہیں اضافت کے بغیر بھی لفظ سنت کا اطلاق سنت نبوی پر ہی کیا گیا ہے۔ (کما صرح فی اکثر کتب الحدیث)

❁...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

والمراد بالسنة الطريقة المسلوكة فی الدین (اشعۃ اللمعات جلد اول)

ترجمہ: سنت سے مراد وہ راستہ ہے جو دین میں مقرر کر دیا گیا۔

الغرض رسول اکرم ﷺ نے ہمارے عمل کے لیے جو راہ دین متعین فرمادی ہے اس راہ کو سنت کہتے ہیں۔

حدیث اور سنت کا فرق

لغوی معنی کے لحاظ سے حدیث، حکایت اور واقعے کو کہتے ہیں اور سنت کے معنی ہیں طریقہ اور راستہ اس لحاظ سے حدیث اور سنت کے معنوں میں اختلاف ہے تاہم محدثین کے ہاں سنت اور حدیث میں فرق صرف یہ ہے کہ:

سنت اس حدیث کو کہتے ہیں جو سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء تک پہنچی ہو (یعنی حدیث مرفوع)

حدیث کا اطلاق تابعین اور تبع تابعین کے اقوال اور تقاریر پر بھی ہوتا ہے جسے محدثین حدیث موقوف اور مقطوع کہتے ہیں۔

حضرت امام ابن ہمام کے نزدیک حدیث، سنت اور اسناد کے مجموعے کا نام ہے

حجیت سنت

قرآن مجید کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ، سنت ہے۔قرآنی تعلیمات کی صحیح تصویر وتشریح صرف سنت ہی کے ذریعے کی جاسکتی ہے جس کی تعلیم حضورﷺ کے فرائض بعثت میں شامل ہے:

ویعلمهم الکتاب والحکمة (آل عمران،۱۶۴)

حدیث وسنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ وہ رسول کی شرعی حیثیت اور اس کے اصلی مقام ومنصب سے بے خبر ہیں۔اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور رسول کی معرفت حاصل کرنے میں تدبر کرتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ رسول و نبی کی حیثیت صرف پیغام رساں ہی کی نہیں بلکہ آپ مطاع، مخدوم، امام، ہادی، حاکم، قاضی وحکم بھی ہیں اور آپ کی یہ حیثیات قرآن کریم نے ہی متعین کی ہیں۔

عہد حاضر میں جو لوگ سنت کو حجت شرعی ماننے سے انکار کررہے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ بنارہے ہیں۔(والعیاذ باللہ)

حالانکہ دین کی بنیاد حضورﷺ کی سنت پر استوار ہے۔سنت کے ذریعے اذان کا طریقہ رائج ہوا، نماز کے اوقات متعین ہوئے، نماز کی رکعات مقرر ہوئیں، زکوٰۃ کا نصاب اور اسکی مقدار معلوم ہوئی، حج کے ارکان واضح ہوئے، روزے کے تفصیلی احکام ثابت ہوئے، حلال وحرام اشیاء کی فہرست معلوم ہوئی۔علاوہ ازیں عبادات واحوال شخصیہ، حقوق ومعاملات، معاشرے کے باقی احکام، جہاد، صلح وامن، حدود وتعزیرات وقصاص وغیرھم ہر نوع کے اکثر احکام، امت کے لیے

لازم العمل ہوئے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے ایک طالب حق کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں بتایا کہ مجھے ایک منکر سنت ملا اور غلطی سے میں بھی اس کا ہم خیال ہو گیا تھا، مگر مجھ پر جلدی ہی حق واضح ہو گیا، کیونکہ انکار سنت سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نے اگر تھوڑی سی زکوٰۃ بھی ادا کر لی تو وہ عہدہ برآء ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی نے تھوڑی سی نماز ہی اگرچہ ایک دن میں بلکہ کئی ایام میں صرف دو رکعتیں ہی پڑھی ہوں کیونکہ منکر سنت کے خیال میں جو بات قرآن مجید میں نہیں وہ کسی پر فرض نہیں جبکہ نمازوں کی رکعات اور مقدار زکوٰۃ قرآن مجید میں نہیں۔ (کتاب الام ۷: ۲۵۲)

حضرت خالد بن اسید نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ قرآن مجید میں عام نماز کا حکم بھی ملتا ہے اور صلوٰۃ خوف کا حکم بھی ملتا ہے مگر صلوٰۃ سفر کا ذکر نہیں ملتا؟

انہوں نے جواب دیا بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا تھا تو اس سے پہلے ہم خود کچھ نہ جانتے تھے۔ اب ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جس پر ہم نے حضور ﷺ کو عمل کرتے دیکھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

مندرجہ بالا اقوال و بیانات سے ظاہر ہوا کہ

سنت ...... قرآن کے احکام کی عملی شکل ہے۔

سنت ...... قرآن کے اجمال کی تفصیل ہے۔

سنت ...... قرآن کے متن کی تشریح ہے۔

سنت ...... قرآنی ہدایات کو منشاء الٰہی کے مطابق نافذ اور جاری کرتی ہے۔

یہی معنی قرآن کی درج ذیل آیت سے واضح ہو رہا ہے:

لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون (النحل ۴۴)

ترجمہ: تا کہ (اے محبوب ﷺ) واضح اور روشن کریں آپ لوگوں پر وہ جو کچھ ہم نے (قرآن کی شکل میں) ان پر نازل کیا اور تا کہ وہ خوب غور و فکر کریں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک حدیث سنائی تو کسی شخص نے درمیان کلام میں کہا کہ کتاب اللہ میں اس کے خلاف ایک بات ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی بات سناؤں اور تم اس میں کتاب اللہ کے نام سے اعتراض پیدا کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب کے عالم تھے۔ (الدارمی)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہلسنت

سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

اما اهل السنة فالمتمسكون بماسنه الله لهم ورسوله

ترجمہ: بہرحال اہلسنت وہ ہیں جو تمسک کرنے والے ہیں ان قوانین سے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بنایا ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ۶/ ۳۱۵)

❁ ایک روایت کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجهه بصرہ کی جامع مسجد میں خطبہ دے رہے ہیں کہ ایک شخص اچانک کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے:

اخبرنی من اهل الجماعة ومن اهل الفرقة ومن اهل البدعة ومن اهل السنة ؟

ترجمہ: یعنی مجھے اہل الجماعۃ، اہل الفرقۃ، اہل البدعۃ اور اہل السنۃ کے متعلق خبر دیجئے؟

چنانچہ آپ نے جواب دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

"کہ اہلسنت خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کے تیار کردہ اور منتخب شدہ مذہب سے تمسک کرتے ہیں۔ قریب ہے کہ میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے

1 حد سے زیادہ محبت کرنے والے (یعنی رافضی)

2 ...... مجھ سے بغض رکھنے والے (یعنی خارجی)

پس لوگوں میں بہترین درمیانہ عقیدہ رکھنے والے ہوں گے۔ پس اے لوگو تم اس عقیدے کو لازم پکڑو:

والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة (نہج البلاغۃ ۲/۱۱)

ترجمہ: اور سواد اعظم (اہلسنت) کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم الله وجهه نے تیسرے گروہ کو حق پرست اور پہلے دو گروہوں کو باطل پرست قرار دے کر اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ (والحمدللّٰه علی ذالک)

مسلک اہل السنۃ والجماعۃ ہی معیار حق ہے

سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ ایک حدیث کی وضاحت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

الفرقة الناجية هم الصحابة فانه عليه السلام لماقال الناجی منها واحدة قالوا يارسول الله ومن هم قال اهل السنة والجماعة فقیل وماهل السنة والجماعة قال ماانا علیه واصحابی (احیاء العلوم ۳/۲۴۴)

ترجمہ: فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ) صحابہ کرام ہیں اس لیے کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے تو صحابہ کرام نے عرض کی وہ کونسا فرقہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اہلسنت و جماعت ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ اہل سنت کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

۞ ...... سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے

اتبعوا السواد الاعظم (مشکوۃ ۳۰)

ترجمہ: یعنی سب سے بڑی جماعت کی تابعداری کرو۔

❁ غوث صمدانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

کان سفیان الثوری یقول المراد بالسواد الاعظم ھم من کان اھل السنة و الجماعة (المیزان الکبریٰ ۱/۴۰)

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ سواد اعظم سے مراد اہلسنت وجماعت ہیں۔

❁ قیوم اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بالجملة طریق النجاة متابعة اھل السنة و الجماعة فانھم الفرقة الناجیة اماسواھم من الفرق فھم فی معرض الزوال وشرف الھلاک (دفتر اول مکتوب ۶۹)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ آخرت کی نجات کا دارومدار اہلسنت وجماعت کی تابعداری پر ہے کیونکہ یہی ناجی گروہ ہے، ان کے علاوہ جتنے فرقے ہیں سب زوال کے مقام اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔

اہلسنت کی تاریخی حیثیت

اہلسنت، مسلمانوں کی سب سے بڑی اور قدیم جماعت ہے جو قرآن حکیم، سنت رسول اور آثار صحابہ کرام پر عمل پیرا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اہلسنت کی ایک صفت یہ ارشاد فرمائی ہے: ما انا علیه و اصحابی

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو میرے طریقے (سنت) اور میرے اصحاب کے مسلک پر ہیں۔

ابن تیمیہ کے نزدیک اہل سنت وجماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔ (منہاج ۱:۲۵۶)

❁ تمام جلیل القدر آئمہ مثلاً امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، امام ثوری وغیرہم رحمہم اللہ اسی جماعت میں شامل ہیں۔ (الفرق بین الفرق ص ۲۰)

❁ دور خلافت راشدہ بلاشبہ اہلسنت کا دور کہلاتا ہے۔ اس کے بعد تابعین، تبع

تابعین بھی اسی مسلک پر گامزن رہے۔ ۱۲۰ھ میں جب حضرت امام ابو حنیفہ مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے تو خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ کے بعد حضرت امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کیا۔ اس پچاس برس میں سنی حنفی مذہب کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

- حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کے ذریعے حرمین شریفین، دمشق، مصر، یمن، بحرین، بغداد، ہمدان، نیشاپور، بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات، وغیرہا تک مسلک اہلسنت (حنفی) کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) کے عہد میں بھی مسلک اہلسنت کو خوب شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، اسی لیے المتوکل کو محی السنۃ کا خطاب ملا۔ (مروج الذہب)
- تیسری چوتھی صدی ہجری میں اتحاد امت کو برقرار رکھنے اور معتزلہ کے رد عمل کے طور پر اہلسنت کی دو طاقتور تحریکیں میدان عمل میں اتریں۔ ان میں ایک تو اشاعرہ کی تحریک تھی جس کے بانی حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ دوسری تحریک ماتریدیہ کی تھی جس کے بانی حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ دونوں تحریکیں اہلسنت کے عقائد کی حفاظت وحمایت کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ اگر چہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہوا مگر وہ معمولی نوعیت کا تھا۔ (ظہر الاسلام)
- مصر اور شام میں سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) اور ان کے وزیر القاضی الفاضل نے مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دے کر تائید وتقویت پہنچائی اور بدعات کو یکسر ختم کرنے کا فرمان بھی جاری کیا۔
- اسی طرح مغربی افریقہ اور اندلس میں بھی مسلک اہلسنت کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی۔
- فاتح سومنات حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے دور

حکومت میں مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے دو بادشاہوں شاہجہان اور اورنگزیب عالمگیر نے بھی مسلک اہلسنت کی تابناک اور شاندار خدمات انجام دیں۔

- بالآخر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات نے مسلمانوں کی تقدیر بدل کر رکھ دی اور افغانستان و ترکستان، ہندوچین میں آج بھی سنی مذہب کا غلبہ وتفوق آپ کے ہی تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے کہ اس مسلک حق کے پیروکار پوری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور یہی مسلمانوں کا سواد اعظم ہیں۔

اہلسُنت ......یا......اہلحدیث

سنت کے مفہوم سے یہ امر واضح ہوا کہ ایک مسلمان، عامل سنت تو ہوسکتا ہے عامل بالحدیث نہیں ہوسکتا۔ لہذا ہر سنت قابل عمل ہے اور ہر حدیث قابل عمل نہیں ہے کیونکہ:

- احادیث میں پچھلی امتوں کے اعمال بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔ (کماھو الظاھر)
- احادیث میں حضور ﷺ کی خصوصیات بھی مذکور ہیں جن پر عمل کرنا ہمارے لئے مشروع نہیں۔ (فافھم)
- احادیث میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جو بعد میں منسوخ کر دیئے گئے جو اب قابل عمل نہیں رہے۔ (فتدبر)

غور فرمائیں ! جب تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں تو کوئی شخص اہلحدیث نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے کہیں بھی ہر حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے تا کہ تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری

رہے۔ جیسا کہ فرمایا:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (بخاری ۱/۱۶)

ترجمہ: یعنی مجھ سے حدیث سننے والا بعد والوں یا دور والوں کو میری حدیثیں پہنچا دے (یا سنا دے)۔

لیکن اس کے برعکس سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي (مشکوۃ ۳۰)

ترجمہ: یعنی میری سنت پر عمل لازم پکڑو۔

یہ کہیں نہیں فرمایا **علیکم بحدیثی** یعنی میری حدیث پر عمل لازم پکڑو۔
ثابت ہوا کہ ایک مسلمان اہلسنت تو ہوسکتا ہے اہلحدیث کبھی نہیں ہوسکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کتب احادیث وغیرہا میں اہلحدیث کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ اہلحدیث کسی مسلک یا فرقے کا نام یا عنوان ہے حالانکہ بہ مطابق تصریحات علماء اصول، ان کتابوں میں اہلحدیث کے الفاظ سے مراد عاملین حدیث نہیں بلکہ حاملین حدیث ہیں اور یہ کسی مخصوص فرقے کا نام نہیں ہے۔ (کمافی کتب الاصول) لہٰذا عوام مسلمین کو اہلحدیث کہلانے کی بجائے اہلسنت کہلانا چاہیے (واللہ الموفق)

بدعت کا مفہوم

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی ہے کہ فتنوں کے زمانے میں بدعات سے بچیں اور سنت کو اپنائیں۔ سنت پر عمل کرنے سے ہی مسلمانوں کی مرکزیت قائم اور شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فانه من يعيش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة (ابوداؤد ۲/۲۷۹)

ترجمہ: پس جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔لہذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کو تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رہو اور اپنے آپ کو بدعتوں (نو پیدا امور) سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کا لغوی واصطلاحی معنیٰ

لغت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جسکی پہلے سے مثال نہ ملتی ہو۔

(کماقال نووی شارح مسلم)

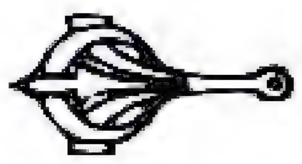
اصطلاح شرح میں بدعت کی تعریف یوں ہے

حافظ ابن رجب حنبلی رقمطراز ہیں:

والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له فى الشريعة يدل عليه

ترجمہ: یعنی بدعت سے مراد وہ نئی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو ان پر دلالت کرے۔ (جامع العلوم والحکم ۲/۱۲۷)

حدیث مذکور میں ان محدثات امور (نئی باتوں) سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو خلاف شرع ہوں اور وہ نئے امور جو خلاف شرع نہ ہوں جائز ومباح ہیں۔ یہ موقف اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:



من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منه فھورد (بخاری۱/۳۷۱، مسلم۲/۷۷ مشکوٰۃ ۲۷)

ترجمہ: یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔

اس حدیث میں ہر نئی چیز سے منع نہیں فرمایا بلکہ " **مالیس منه** "کی قید لگادی کہ جو چیز دین سے نہ ہو، خلاف دین ہو وہ مردود ہے۔

۞...... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں فرماتے ہیں کہ

۞...... "انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کرلیا جائے۔"

۞...... امام قسطلانی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے:

"المحدثات ضربان مااحدث مخالفا کتابا اوسنة اواثرا اواجماعافھذہ بدعة ضلالة وما احدث من الخیر لا یخالف شیئا من ذالک فھذہ محدثة غیر مذمومة" (فتح الباری جلد ۱۰، ص۳۰۲)

ترجمہ: وہ نئے امور جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے منافی و مخالف ہوں بدعت ضلالت ہیں اور جو اچھے امور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں بدعت ضلالت نہیں بلکہ محدثات محمودہ (اچھے امور) ہیں۔

حضرت امام ربانی اور امور بدعت

محدثات کی اسی تقسیم کو عارف اکمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اختیار فرمایا ہے: آپ بدعت کی تقسیم کو پسند نہیں فرماتے اور کسی بدعت

کے حسن ہونے کے قائل نہیں ہیں۔آپ ''کل بدعة ضلالة '' (الحدیث) کی تخصیص مناسب نہیں جانتے۔آپ کے نزدیک ''کل محدثة بدعة '' (الحدیث) عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی لیے آپ احداث فی الدین (خلاف کتاب وسنت) کو بدعت فرماتے ہیں اور ہر بدعت کو گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

❁ خواجہ مفتی عبدالرحمٰن کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''گفته اندكه بدعت بردونوع است حسنه وسيئه ''

ترجمه: کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ وسیئہ

این فقیر درهیچ بدعت ازین بدعتهاحسن ونورانیت مشاهده نمی کندوجز ظلمت وكدورت احساس نمی نماید سیدالبشرمی فرمایند علیه وعلی اله الصلوت والتسلیمات من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد "چیزے که مردود باشد حسن ازکجاپیداکند" (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

ترجمه: یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن ونورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت وکدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ سیدالبشر ﷺ نے فرمایا جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے پس جو شئے مردود ہوئی اس میں حسن کیسا؟۔

آپ علیہ الرحمہ ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

نور سنت سنیه راعلی صاحبها الصلوة والسلام والتحية ظلمات بدعتهامستور ساخته اندورونق ملت مصطفویه راعلی مصدرها الصلوت والسلام والتحية كدورت امور محدثه ضائع كرده اند عجب ترآنكه جمعے آں محدثات راامور مستحسنه

میدانند وآں بدعتها راحسنات می انگار ند وتکمیل دین وتتمیم ملت ازاں حسنات می جو یندودراتیان آں امور ترغیب می نمایند هداهم الله سبحانه سواء الصراط مگر نمی دانند که دین پیش ازیں محدثات کامل شده بود ونعمت تمام گشته ورضا حضرت حق سبحانه وتعالیٰ بحصول پیوسته کماقال الله تعالی الیوم اکملت لکم دینکم .... (الخ)

پس کمال دین از یں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں آیه کریمه ۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۱)

ترجمه: رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیریوں نے چھپادیا ہے اور ملت مصطفوی علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کو ان نوایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کردیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ،ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اوران کونیکیاں سمجھتی ہے اوران کے ذریعے سے دین وملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل ومکمل ہو چکا ہے اور اللہ کی نعمتیں پوری ہو چکی ہیں اور اسکی رضاان کے حصول کیساتھ ملی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے دین کومکمل کردیا اورتم پر اپنی نعمت پوری کردی اورتمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

گزشتگان دربدعت حسنے دیده باشند که بعض افراد آنرا مستحسن داشته اند اماایں فقیر دریں مسئله بایشاں

موافقت ندارد وهیچ فردبدعت راحسنه نمید اندو جز ظلمت وکدورت دراں احساس نمی نما ید قال علیه وعلیٰ آله الصلوة والسلا م کل بدعة ضلالة ومی یابدکه دریں غربت وضعف اسلا م سلا متی منوط باتیان سنت است وخرابی مربوط به تحصیل بدعت هربدعت که باشد بدعت رادررنگ کلندمیداند که هدم بنیاد اسلا م می نما یدوسنت رادررنگ کوکب درخشاں می نماید که درشب دیجور ضلالت هدایت می فرماید علماء وقت راحق سبحانه تعالی توفیق دهاده که بحسن هیچ بدعت لب نکشایندوباتیان هیچ بدعت فتوی ندهند اگرچه آں بدعت درنظر شاں دررنگ فلق صبح روشن درآیدچه تسویلات شیطان رادرماورائے سنت سلطان عظیم است.

ترجمه: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افرادکوانہوں نے مستحسن قراردیا۔ یہ فقیران سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتااور کسی فرد بدعت کو''حسنہ''نہیں سمجھتااورسوائے ظلمت وکدورت کےان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔حضور ﷺ کاارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی،سنت سےاورخرابی،بدعت سے وابستہ ہے۔خوا کوئی بدعت ہو،بدعت اس فقیرکوکدال کی صورت میں نظرآتی ہے کہ جواسلام کی بنیاد ڈھارہی ہےاورسنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جوگمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتاہے۔اللہ تعالی علماء وقت کوتوفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے سے متعلق زبان نہ کھولیں اورکسی بدعت کے کرنے کافتوی نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں''فلق صبح''کی طرح روشن ہوکیونکہ شیطانی

کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز بدعت کی قسم اول (بدعت حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعت سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو "کل بدعة ضلالة" (ابوداؤد ۲/ ۲۷۹) کے تحت رکھتے ہیں۔

آپ کے اس مؤقف پر جن لوگوں نے اعتراض وانکار کیا ہے وہ لوگ حضرت امام ربانی کے مرتبہ وعلوشان سے بے خبر ہیں۔ اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات

۱...... حضرت امام ربانی سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے پر مامور تھے۔ یہ دور بدعات کے سیلاب کا دور تھا۔ آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کر کے بعض بدعتوں کو جائز، مستحب، واجب وغیرھا قرار دیا اور علمی موشگافیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی فکری اور علمی انقلاب لانے اور دین اسلام کی تجدید وتعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف لگی ہوئی تھی اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر میں تھے۔

۲...... آپ مشاہدہ ویقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم، لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقام امامت وولایت سے اس تقسیم کی نفی فرماتے تھے۔ آپ سرور کائنات ﷺ کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول وفعل کو حضور ﷺ سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی حسن وجمال نظر نہ آتا۔ عشق ومحبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

۳...... جن علمائے امت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ "کل بدعة ضلالة"

میں لفظ بدعۃ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی ''کل محدثۃ بدعۃ '' میں لفظ ''محدثۃ'' کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ''محدثۃ '' کی تخصیص کردی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ اس امت کے مجدد اعظم ہیں۔ آپ کا بدعت حسنہ کی مطلق نفی فرمانا سد الباب کے قبیل سے ہے تا کہ عوام بدعت حسنہ کا سہارا لے کر بدعت ضلالہ میں نہ پھنس جائیں لہذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیش نظر یہی مناسب جانا کہ سرے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کردیا جائے۔

۵ بدعت حسنہ اور بدعت ضلالہ میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر بدعت کی تقسیم، تفریق اور تعیین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا تا کہ اس کی آڑ میں اہل ہوس دین میں فتنہ وفساد کا دروازہ نہ کھول دیں جیسا کہ علماء سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا جن کے بارے میں آپ نے یوں نشاندہی فرمائی۔

''علماء ایں وقت رواج دھند ھائے بدعت اندو محوکنند ھائے سنت ..... مردم رابر بدعت دلالت می نمایند وبجواز بلکہ باستحسان اوفتوی می دھند '' (دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ: اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں ..... یہ علمائے دین، آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور بدعت کو شرعاً جائز بلکہ مستحسن قرار دے کر فتوی دیتے ہیں۔

۶ آپ مجتہد ہیں اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہد میں رفع سبابہ کا انکار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہہ کرتے ہوئے حضرت مرزا

مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضور مجدد رضی اللہ عنہ ترک رفع سبابہ بناء براجتہاد ہے'' (کلمات طیبات فارسی ص ۲۹)

۷...... آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول ''نعمت البدعة هٰذه'' (بخاری،اول) میں بدعت کا لغوی حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ دورِ فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا نام ونشان تک نہ تھا۔ نیز خلیفہ دوم کا عمل از روئے حدیث سنت ہے نہ کہ بدعت حسنہ، لہٰذا حدیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ (فافهم)

۸...... حضرت امام ربانی نے میر محبّ اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ

بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔ نہ اسمیں خیر ہے نہ حسن۔ ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟۔

بدعت حسنہ......رافع سنت ہے

۹...... قیوم زمانی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ عبدالرحمٰن کابلی کی طرف ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

''جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت' رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے' حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں

کے درمیان چھوڑ نا سنت ہے۔ظاہر ہے کہ یہ بدعت' رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کرنی چاہیے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام وتابعین عظام سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو اپنی جگہ رہا یہ بدعت فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے۔پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

۱۰...... آپ کے نزدیک جو کام، مقصود شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے

''من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله اجر ها''......(الخ) (مشکوٰۃ ص۳۳)

لہٰذا احدیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنت حسنہ کا اطلاق بدعت حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (فتدبر)

۞...... چنانچہ قطب شام امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمّٰی سنة''

ترجمہ: جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سنت ہی کہا جائے گا۔

۱۱...... اس مفہوم کے پیش نظر حضرت امام ربانی اور بعض علماء کے درمیان لفظ بدعت کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے اور وہ یہ کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا

چاہیے یا نہیں؟

۞...... اس لفظی نزاع کی وضاحت کے لیے حضرت شاہ محمد مظہر رحمتہ اللہ علیہ بن حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مقامات سعیدیہ ص ۱۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

”می فرمودند که بدعت حسنه نزد امام ربانی قدس سره داخل سنت است اطلاق بدعت برآن نمی فرمایند بموجب کل بدعة ضلالة ونزاع درمیان ایشان وعلماء که بوجود حسن دربدعت قائل اند لفظی است“

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعت حسنہ حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک داخل سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کل بدعة ضلالة کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اوران علماء کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔

۞...... اسی طرح معرّب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مفصل مضمون کا باحوالہ اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

معرّب مکتوبات امام ربانی (محمد مراد مکی عفی عنہ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں سے بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت سخت رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اسکے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے ”حسنہ اور سیئۃ“ کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لیے صدر اول میں اصل موجود ہو اگر چہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد

کے منارے بنانا' مدارس اسلامیہ قائم کرنا' مسافر خانے تعمیر کرنا' کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ صدر اول میں اسکی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہٰذا ایسا شخص مُبتدِع اور مُحدث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں۔ دراصل اس دوسری قسم کا مرتکب ہی مبتدع اور محدث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور ﷺ نے مطلقاً فرمایا ''کل بدعة ضلالة''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ' اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

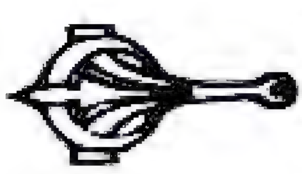
(حاشیہ مکتوبات شریف' دفتر اول مکتوب ۱۷۶ از مولانا نور احمد مرحوم امرتسری مطبوعہ نقوش پریس لاہور)

❁...... حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ انجاح الحاجه میں حدیث ''من احدث فی امر ناھذا'' (الخ) کے تحت فرماتے ہیں۔

ولھذا قال الشیخ المجدد رضی اللہ عنہ ان العلوم التی وسائل لامر الدین کالصرف والنحو داخلة فی السنة ولا یطلق علیھم اسم البدعة فان البدعة عندہ رضی اللہ عنہ لیس فیھا حسن البتة.

ترجمہ: اسی بناء پر حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصول دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف ونحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجدد ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث وتحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ مسئلہ



بدعت میں حضرت امام ربانی اور دوسرے علماء اہلسنت کے درمیان ہرگز کوئی بنیادی و حقیقی اختلاف نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم و مراد سب کے نزدیک ایک ہی ہے صرف انداز بیان اور اطلاق الفاظ میں فرق ہے۔

امام ربانی اور معمولات اہلسنت

اس حقیقت کی وضاحت اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آج کل بعض لوگ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے ایسے اقوال کو خوب اچھالتے ہیں اور علماء اہلسنت کے معمولات پر تنقید کرکے ان کو بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **(العیاذ باللہ)**

حالانکہ مخالفین اہلسنت، جن امور کے پیش نظر علماء اہلسنت کو بدعتی کہتے ہیں وہ تمام امور حضرت امام ربانی کے عقیدہ و عمل اور قول و فعل سے ثابت ہیں۔ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

محفل میلاد

بعض حضرات اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ حضرت امام ربانی محفل میلاد کا انکار فرماتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ آپ کے قرب و جوار میں محفل میلاد بطریق سماع (قوالی) کا رواج چل نکلا تھا جس کا آپ نے اپنی طریقت نقشبندیہ کی مخالفت کی وجہ سے انکار فرمایا ہے۔

❁...... محفل میلاد کے بارے میں تو آپ نے خواجہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ کے نام یوں تحریر فرمایا تھا:

"دیگر درباب مولودخوانی اندراج یافته بود درنفس قرآن خواندن بصوت حسن درقصائد نعت ومنقبت خواندن چه مضائقه است ممنوع تحریف وتغنیه حروف قرآن است" (دفتر سوم مکتوب ۷۲)

ترجمہ: محفل میلاد میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی جائے اور حضور ﷺ کی نعت شریف اور بزرگان دین کی منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن کے حروف میں تبدیلی اور تحریف کر دی جائے اور قصیدے پڑھنے میں راگنی، سر تال اور موسیقی کے قواعد کی رعایت اور پابندی کی جائے اور تالیاں بجائی جائیں وغیرھا۔

عرس منعقد کرنا

تبلیغی مقاصد اور ایصال ثواب کے پیش نظر اولیاء کرام کے مزارات کی حاضری اور بزرگان دین کے عرس منعقد کرانا اہلسنت کے معمولات میں سے ہے جسکی اصل حدیث سے ثابت ہے۔

۞...... "روی عن ابن شیبة ان النبی ﷺ کان یاتی قبور الشهداء باحد علی رأس کل حول" (ارشاد الساری مناسک ملا علی القاری ص ۳۴۷، التفسیر الکبیر ۱۹/۴۵)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں احد شریف میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لایا کرتے تھے۔

۞...... امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

"والخلفاء الاربعة هٰکذا کانوا یفعلون" (التفسیر الکبیر ۱۹/۴۵)

ترجمہ: اور چاروں خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

۞...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ محافل عرس میں شرکت فرماتے اور اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ

فرید کے نام آپ نے یوں تحریر فرمایا:

"درایام عرس حضرت خواجه جیو قدس سره بحضرت دهلی رسید بخاطر داشت که درملازمت علِیّه نیز بر سد"

(دفتر اول مکتوب ۲۳۳)

ترجمہ: حضرت خواجہ جیو قدس سرہ کے عرس مبارک کے دنوں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو۔

۞...... آپ نے مکتوبات شریفہ میں کسی بھی مقام پر عرس کی ممانعت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے دور میں عرسوں کا رواج تھا جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوا۔

نیز آپ کے جانشین قیوم ثانی' عروة الوثقی حضرت خواجہ شیخ محمد معصوم فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی قدس سرہ کے عرس مبارک میں شرکت کے بارے میں خود اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں:

"چند روز است که ایں مسکین را دردخفیف است چنانچه در مجلس عرس پیردستگیر درڈولی نشسته چند ساعته حاضر شده بود" (مکتوبات معصومیہ دفتر دوم ص ۶۸)

ترجمہ: چند دنوں سے اس مسکین کو درد کا قدرے آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد) قدس سرہ کی مجلس عرس میں شرکت کی۔

ایصال ثواب

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ بدنی اور مالی نفلی عبادات کا ثواب' ارواح کو بخشنا درست ہے اور یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ اس کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور آئمہ اربعہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (تیجا' دسواں، چالیسواں بھی ایصال ثواب ہی کی

مختلف صورتیں ہیں اور فوت شدگان کے لیے اجتماعی دعاؤں کا ذریعہ ہیں) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مبارک بھی یہی ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

" پیش ازیں بچند سال داب فقیر آب بوده که اگر طعام می پخت مخصوص بروحانیات مطهره آل عبامی ساخت ...شبے درخواب می بیند که آن سرور حاضر است علیه وعلیٰ آله الصلوٰة والسلام فقیر برایشاں عرض سلام می کند روبجانب دیگر دارند دریں اثناء بفقیر فرمودند که من طعام درخانه عائشه میخورم هر که مراطعام فرستد بخانه عائشه فرستد ایں زماں فقیر دریافت که سبب عدم توجۂ شریف ایشاں آں بوده "

(دفتر اول مکتوب ۳۶)

ترجمه: آج سے چند سال قبل (فاتحہ وایصال ثواب کے سلسلے میں) فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی کھانا پکاتا تو اس کا ثواب صرف آل عبا کی روحوں کو پیش کرتا...... ایک رات فقیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام عرض کیا مگر حضور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس دوسری طرف کیا ہوا ہے۔ اس دوران میں آپ نے ارشاد فرمایا "میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں۔ مجھے جو بھی کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے"۔ فقیر اس وقت جان گیا کہ چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرے رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ فقیر اس ایصال ثواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہیں کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ایصال ثواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلکہ تمام ازواج مطہرات کو شامل کرتا ہے۔

❁ حضرت شیخ مجدد اپنے ایک عقیدت مند کو لکھتے ہیں۔

"نیاز یکہ بدرویشاں فرستادہ بودند نیز وصول یافت فاتحہ سلامت خواند شد" (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۴۲)

ترجمہ: آپ نے جو نیاز درویشوں کے لئے روانہ کی تھی وہ مل گئی ہے اور اس پر سلامتی کیلئے فاتحہ بھی پڑھ دی گئی ہے

قبروں پر غلاف ڈالنا

اولیاء کبار کی قبروں پر غلاف ڈالنا اوران کو متبرک جاننا اہلسنت کے نزدیک جائز ہے اور یہ امر بدعت سیئہ میں داخل نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے یہ امر ثابت ہے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ رشید علامہ بدرالدین سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

۞...... ایک دفعہ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ روضہ شریفہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کی زیارت کے لیے اجمیر شریف تشریف لے گئے تھے۔ بہت دیر تک اس بدرالاولیاء کے مزار پرانوار پر مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو محرمان اسرار خاصہ سے فرمایا کہ

"حضرت خواجہ نے بے حد الطاف واکرام فرمایا اور اپنے برکات خاصہ کی ضیافت کی اور اسرار کی باتیں ارشاد فرمائیں اور ہم کو جو یہ کوشش تھی کہ لشکر سلطانی کی ہمراہی سے علیحدگی ہو جائے آپ نے اس سے منع فرمایا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر سونپنے کے لیے حکم دیا ہے"۔

اتنے میں روضہ عالیہ کے مجاور غلاف قبر شریف کی چادر لائے جو ہر سال تازہ آپ کی قبر پر ڈالی جاتی ہے اور سلاطین وقت اس کو تبرکاً لے جاتے ہیں اور لعل وزمرد کی طرح (کامل تعظیم کے ساتھ) صندوق میں محفوظ رکھتے ہیں۔ جب مجاورین روضہ مقدسہ نے وہ چادر مبارک آپ کو بطور تحفہ پیش کی اور کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس



تبرک کا سزاوار اور کوئی نہیں ہے آپ (امام ربانی) نے اس کو بڑے ادب کے ساتھ قبول کر لیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کا یہ تبرک ہمارے کفن کے لیے رکھا جائے۔ (حضرات القدس جلد دوم ص ۷۹ تا ۸۰)

تصور شیخ

اہل باطن کے نزدیک شیخ کی صورت کا نقشہ دل میں حاضر کرنا اور اس کے توسل سے فیض ربانی کا انتظار کرنا طریقت کا معمول بہ عمل ہے جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہا) حالانکہ

❁ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریفہ میں تصور شیخ کے جواز و صحت کی تصریح فرمائی ہے اور اس کی برکات بیان فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو!

"پس در ابتداء و در توسط مطلوب را بے آئینہ پیر نمی تواں دید" (دفتر اول مکتوب ۱۲۹)

ترجمہ: پس ابتداء اور درمیان میں مطلوب کو پیر کے آئینہ (تصور شیخ) کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا۔

❁ نیز فرمایا:

"وھیچ طریقے اقرب بوصول از طریق رابطہ نیست" (دفتر اول مکتوب ۱۸۷)

ترجمہ: اور کوئی راستہ بھی وصول کیلئے طریق رابطہ (تصور شیخ) سے زیادہ قریب نہیں۔

❁ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد اشرف کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"محبت اطوار ایں دولت متمنائے طلاب است از ہزاراں یکے را مگر بدہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبت

است۔۔رابطہ راچراں نفی کنند کہ اومسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب ومساجد را نفی نکنند" (دفتر دوم مکتوب ۳۰)

ترجمہ: اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت (تصور شیخ) طالبان حق کی آرزو ہے جو ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔اس کیفیت والا مرید، صاحب استعداد اور تام المناسبت ہے۔نماز میں تصور شیخ کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ شیخ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ. محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟ (حالانکہ ان کی طرف بھی سجدہ کیا جاتا ہے)

استمدادوتصرفات اولیاء

اہلسنت کے نزدیک انبیاء واولیاء کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا' مصائب اور مشکلات کے وقت ان کو ذریعہ اور واسطہ سمجھ کر مدد طلب کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہے نیز ارواح طیبہ کا تصرف فرمانا اور امداد کرنا بھی عقلاً ثابت ہے۔

۞...... حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے ملا احمد برکی کے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

"مخدوما۔۔ازیں قبیل است مدد ھائے کہ از روحانیت اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرار ھم کہ مناسب افعال اجسام است کاھلاك الاعداء ونصرۃ الاحباء بوجوہ مختلفة وانحاء شتّی"

(دفتر اول مکتوب ۲۳۹)

ترجمہ: میرے مخدوم! اسی قبیلہ سے اولیاء کبار کی روحانیت مقدسہ کی امداد واعانت ہے جو جسمانی امداد کی طرح اثر دکھاتی ہے جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا مختلف طریقوں سے۔

"حضرت قبلہ گاھی ام (خواجہ باقی باللہ قدس

سرہ) مے فرمودند کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ در بعضے رسائل خود نوشتہ اند کہ در قضائے مبرم ہیچ کس راامجال نیست کہ تبدیل بدھد مگر مرا'' (دفتر اول مکتوب ۲۱۷)

ترجمہ: میرے قبلہ گاہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ تقدیر مبرم تبدیل کرنے کی طاقت و مجال کسی کو نہیں مگر میں اس کو بھی تبدیل کر سکتا ہوں۔ (قضائے معلق فی علم اللہ مراد ہے)

ناظرین! غور فرمائیں کہ کیا ایسے کاملین امت، شرک یا بدعت والے دعوے وعقیدے کے حامل ہو سکتے ہیں؟ (**استغفر اللہ العظیم**)

❀...... اسی طرح حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف ایک مکتوب گرامی میں شان مجددیت کے بارے میں یوں لکھا:

''مجدد آنست کہ ہرچہ دراں مدت از فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب واوتاد آں وقت بودند و بدلاء و نجباء باشند'' (دفتر دوم مکتوب ۴)

ترجمہ: اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ اسکے زمانہ میں جو کچھ فیوض و برکات امتیوں کو پہنچتے ہیں اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں اگرچہ وہ فیض حاصل کرنے والے اپنے وقت کے قطب اور اوتاد ہوں یا ابدال و نجباء ہوں۔

ناجی گروہ اور بدعتی فرقے

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ آپ نے بارہا مکتوبات شریفہ میں اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ ناجی گروہ صرف اہلسنت وجماعت ہے۔ اس راستے سے سرمو انحراف

کرنا دنیا وآخرت کی خرابی کا سبب ہے اوراہلسنت کے علاوہ تمام فرقے معرضِ خطروزوال میں ہیں۔فرمان رسالت مآب (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) سے ثابت ہے کہ اس امت کے تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ جنتی ہے جس کو اہل سنت وجماعت کہا جاتا ہے۔بقول ابن حزم اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک اہلسنت، دوسرے معتزلہ' تیسرے مرجیہ' چوتھے شیعہ'پانچویں خوارج باقی تمام فرقے انہی کی شاخیں ہیں۔ (الملل والنحل لامام شہرستانی)

فقہ کے اعتبار سے اہلسنت میں چار مذاہب ہیں حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی۔اعتقادات کے لحاظ سے تین گروہ ہیں اشعری' ماتریدی' حنبلی۔طریقت میں چار بڑے گروہ ہیں نقشبندی' قادری' چشتی' سہروردی وغیرھا۔لیکن یہ تمام گروہ اہل حق ہیں۔ان میں کوئی بنیادی' اعتقادی تفاوت نہیں اور یہ سارے اہلسنت وجماعت کہلاتے ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ خوارج کے پندرہ فرقے ہیں' شیعہ کے بتیس،معتزلہ کے چھ' مرجیہ کے بارہ، جہمیہ ایک' ضراریہ ایک' نجاریہ ایک' کلابیہ ایک اور مشبہ کے تین فرقے ہیں۔اس حساب سے اہلسنت سمیت کل تہتر فرقے ہوگئے۔اس دور میں نئے پیدا ہونیوالے بدعتی فرقوں نے بھی پہلے (بیان کردہ) فرقوں سے جنم لیا ہے اوران کے عقائد ونظریات بھی انہی کا چربہ ہیں جیسا کہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ فرید کی طرف ایک مکتوب میں فرمایا:

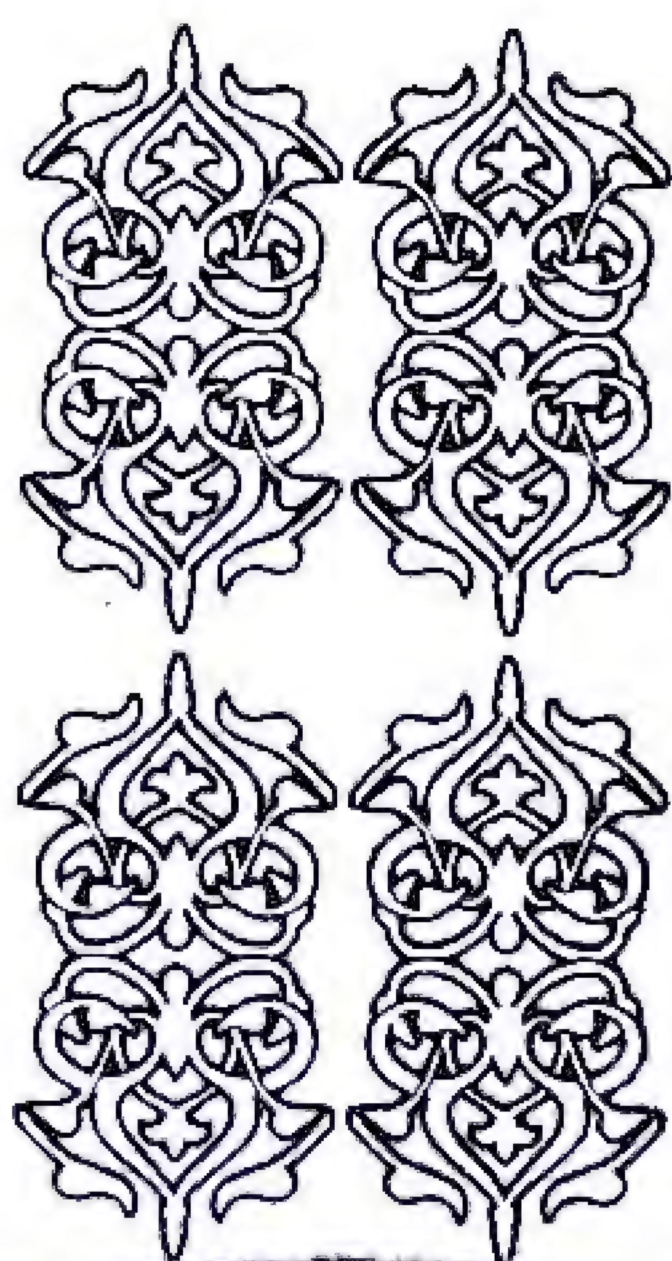
''اس بات پر یقین رکھیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بڑھا ہوا ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس گروہ کو کفار کے نام سے یاد فرماتا ہے۔''لیغیظ بھم الکفار'' (الفتح،۲۹)''

بدعات کے خلاف جہاد

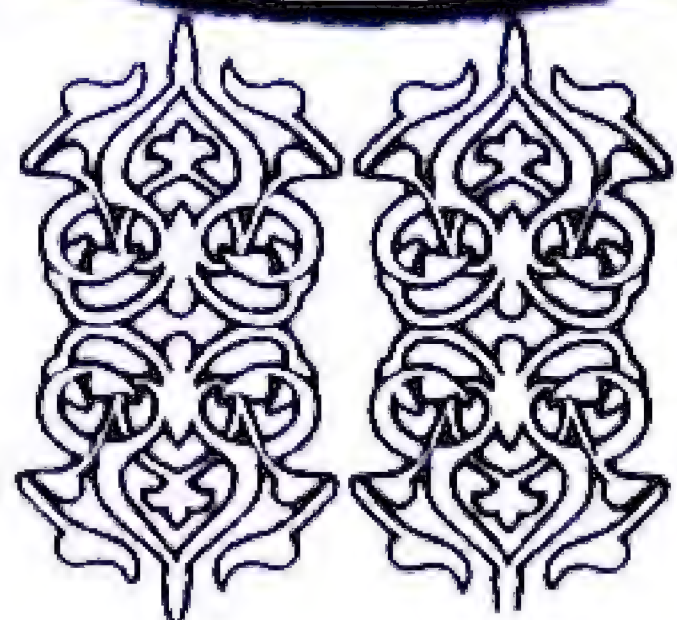
یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ الحاد اکبری کے دور میں بھی خلاف اسلام فتنوں اور بدعات نے جنم لیا ان میں علماء سوء اور صوفیائے خام کا بھی پورا پورا دخل تھا۔ چنانچہ امام ربانی قدس سرہ نے حکومت وقت کے علاوہ ایسے علماء وصوفیاء کے خلاف بھی بہت زیادہ عملی، لسانی اور قلمی جہاد فرما کر بے شمار بدعات کا خاتمہ فرمایا اور شریعت اور طریقت کے حقیقی خدوخال کو بے نقاب کیا۔

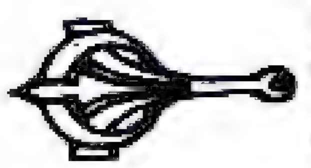
غرضیکہ آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب اسلام پر پھر سے بہار آگئی۔ آج بھی پوری دنیا میں ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوض وبرکات اور تصرفات کارفرما ہیں۔ آپ نے دوقومی نظریہ پیش کیا جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ بلاشبہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان آپ کی نگاہ فیض وتجدید کا ثمرہ ہے۔

والحمد للہ علیٰ ذالک



شخصیات





حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ
کا علمی و فقہی مقام

زیر نظر مقالہ خدام ملت اسلامک ریسرچ سیل کے زیر اہتمام منعقدہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۶ء کو فلیٹیز ہوٹل (لاہور) میں سالانہ امام اعظم سیمینار میں پڑھ کر سنایا گیا

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (النحل)

صاحب صدر، علمائے ذی وقار اور معزز سامعین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس بندہ ناچیز کو سالانہ امام اعظم سیمینار میں خدام ملت اسلامک ریسرچ سیل لاہور کی جانب سے جس موضوع پر مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی وہ ہے ''امام اعظم کا علمی اور فقہی مقام''

گو اس موضوع پر کچھ لکھنا میرے جیسے بے علم انسان کی رسائی فکر و نظر سے وراء ہے تاہم یوسف کے خریداروں میں سوت کی انٹی لے کر آنے والی بڑھیا کی طرح ان کے چاہنے والوں میں نام تو آ گیا **والحمد للہ علیٰ ذالک**

محترم سامعین !اسلامی فقہ کا اصل ماخذ و منبع کتاب و سنت ہے۔ بانی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس کی بنیاد اپنی حیات ظاہری میں ہی رکھ دی تھی۔

فقہ، احکام شرعیہ، عملیہ کے اس علم کا نام ہے جو دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو۔

فقہ میں اہلسنت کے چار امام ہیں جو ائمہ اربعہ (چار ستون) کہلاتے ہیں۔

۱...... حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

۲...... حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

۳...... حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

۴...... حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

یہ چاروں امام مجتہد ہیں اور برحق ہیں ان میں سے کسی کی بھی تقلید کرنے والا سنی ہوتا ہے۔ان چاروں اماموں کے مقلدین ہی اس امت کا سواد اعظم ہیں اور بمطابق حدیث یہی ناجی اور جنتی گروہ ہے۔**وللہ الحمد**

اہلسنت کا سب سے بڑا گروہ فقہ حنفی پر عمل پیرا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد ہے۔فقہ حنفی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے اور صحیح احادیث پر مبنی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے صحابہؓ واکابر تابعین سے علم کتاب وسنت حاصل کیا۔علم اور فقہ میں آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ تمام محدثین امت اور فقہائے ملت آپ کے علمی اور فقہی کمالات پر متفق ہیں۔

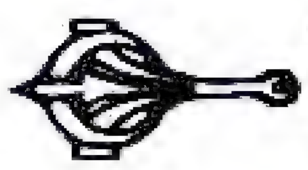
بشارت اور علمی مقام

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابونعیم نے حلیہ میں بروایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرمایا اور وہ یہ ہے۔

"لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس"

ترجمہ: یعنی اگر علم ،ثریا میں بھی پہنچ جائے تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک مرد اس تک پہنچ جائے گا۔(تبییض الصحیفۃ ص۳)

صحیح مسلم شریف ۲/۳۱۲ کے الفاظ یوں ہیں



لو کان الدین عند الثریا الذھب به رجل من ابناء فارس حتّٰی یتناوله

ترجمہ: یعنی اگر دین، ثریا کے پاس پہنچ جائے تو مردان فارس کا ایک شخص اس تک پہنچ کر اسے حاصل کر لے گا۔

یہ حدیث حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وجاہت پر کافی وشافی دلیل ہے۔

امام اعظم

آپ بلاشبہ علم فقہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے امام اور مجتہد ہیں۔ آپ کو امام اعظم اس لیے کہتے ہیں کہ آپ

- ...... تمام آئمہ فقہ کے (بلاواسطہ یا بواسطہ) استاذ ہیں۔
- ...... ہم عصر آئمہ مجتہدین کے امام ہیں۔
- ...... دین اسلام کے مجتہد اول ہیں۔
- ...... سنن نبویہ کے محافظ اول ہیں۔
- ...... علم فقہ کے مدون اول ہیں۔
- ...... اصول وقواعد اجتہاد کے واضع اول ہیں۔
- ...... جلیل القدر تابعی ہیں۔
- ...... خیر القرون کے شرف سے ممتاز ہیں۔
- ...... آٹھ صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہیں۔
- ...... صحابہ کرام سے پچاس حدیثوں کے بلاواسطہ راوی ہیں۔
- ...... جلالت اجتہادی کے اعتبار سے اعظم الفقہاء ہیں۔
- ...... تبحر علمی کے لحاظ سے اعلم العلماء ہیں۔

جس طرح جنت میں امت مصطفیٰ ﷺ تمام امتوں کا دوتہائی ہے اسی طرح دنیا میں آپ کے مقلدین بھی امت کا دوتہائی ہیں۔ اسی لیے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا

الصلوٰت والتسلیمات کی اکثریت آپ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

"ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء"

ملحوظہ

اصطلاح فقہاء میں امام کے معنی ہیں "مجتہد" تو امام اعظم کے معنی ہوئے "ائمہ مجتہدین میں سب سے بڑا مجتہد"۔ جس طرح صدیق اکبر، فاروق اعظم، شہید اعظم، مفسر اعظم، محدث اعظم، فقیہ اعظم، مفتی اعظم وغیرہم کے القابات وخطابات اپنے مخصوص معانی کے لحاظ سے درست ہیں اسی طرح امام اعظم کا لقب بھی صحیح اور درست ہے۔

اساتذہ

خطیب بغدادی اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت ربیع بن یونس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن خلیفہ منصور نے امام اعظم سے پوچھا۔

"یَانُعمَانُ عَمَّنْ اَخذُتَ العِلْم "

اے نعمان! آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟

"قَالَ عَنْ اَصْحَابِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ وَ عَنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ عَنْ عَلِیٍّ وَعَنْ اَصْحَابِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ "...... (الخ)

آپ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے حضرت عمر کا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے حضرت علی کا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا علم حاصل کیا ہے۔ آپ کا یہ جواب سن کر منصور نے کہا:

"لَقَدْ اِسْتَوْ ثَقْتَ لِنَفْسِکَ " (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۹۹)

آپ نے اپنے لیے مضبوط علم حاصل کیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے چار ہزار شیوخ، اساتذہ اور فقہاء سے مختلف

علوم اسلامیہ حاصل کیئے۔آپ کے تمام اساتذہ کے اسماء گرامی کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے تاہم آپ کے چند اساتذہ کے اسماء گرامی ذکر کرنے کا شرف حاصل کیا جاتا ہے۔

❁ آپ کو آئمہ اہل بیت میں سے حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن علی اور حضرت امام باقر' پھر ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔آپ (امام ابوحنیفہ) کا ارشاد ہے

"لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ"

ترجمہ: یعنی اگر دو سال (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی شاگردی کے) نہ ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا۔

اندازہ فرمائیں کہ جس شاگرد نے آئمہ اہل بیت کے انوار علوم سے فیض حاصل کیا ہو...... اگر اس کا سینہ انوار و علوم کا گنجینہ نہ ہوگا تو کس کا ہوگا؟

❁ آپ کے اساتذہ میں فقیہ اعظم حضرت حماد بن ابی سلیمان الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں جن کی خدمت میں اٹھارہ برس حاضر رہ کر آپ نے علم حاصل کیا۔ کوفہ میں سب سے بڑی درس گاہ انہیں کی تھی۔ حضرت حماد نے حضرت ابراہیم نخعی سے علم حاصل کیا انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (صحابی رسول ﷺ) کے علوم ان کے شاگردوں سے حاصل کیے۔

❁ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے استاذ ہیں انہوں نے دوسو سے زائد صحابہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔امام اعظم نے ان کے ذریعے حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے علوم کتاب وحدیث حاصل کئے۔

❁ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام) کے ذریعے حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے علوم حاصل کئے۔حضرت عکرمہ رضی

اللہ عنہ سے سند حدیث حاصل کر کے ان کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا علم حاصل کیا۔اس طرح حضرت امام اعظم نے دوسو سینتیس شیوخ سے علم حدیث پڑھا اور چوہتر بزرگوں سے احادیث روایت کیں۔(اقوال الصحیحہ ،تبییض الصحیفہ)

تلامذہ

اگر ایک طرف آپ کے اساتذہ اتنی عظیم الشان قدر و منزلت کے مالک ہیں تو دوسری طرف آپ کے تلامذہ، شاگردوں کی جلالت شان بھی ملاحظہ کیجئے!

آپ کے شاگردوں میں

- حضرت امام قاضی ابو یوسف (قاضی القضاۃ اور صاحب فقہ و روایت)
- حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی (ذوالفہم الطاہر فی الفقہ واللسان)
- حضرت امام زفر بن ہذیل (التمیمی العنبری ذوالذکاء الباہر والعلم الطاہر)
- حضرت امام عبداللہ بن المبارک (الفقیہ الکامل الماجد الورع الزاہد)
- حضرت امام داؤد الطائی (ازہد الائمہ، راہب ہذہ الامہ)
- حضرت امام فضیل بن عیاض (العالم الربانی امام الزہاد)

جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت، اکابرین امت کے نام آتے ہیں۔آپ کے انہی شاگردوں کے ذریعے حنفی مذہب کا دائرہ حرمین شریفین، کوفہ، دمشق، مصر، یمن بحرین، بغداد، ہمدان، نہاوند، نیشاپور، سمرقند، بخارا، بلخ، ہرات، موصل، کرمان، سرخس، اہواز، طبرستان، قستان، سجستان، جرجان، خوارزم، صفانیاں، ترمذ، واسط، نصیبین، رملہ، اور استر آباد وغیرہا مقامات تک وسیع ہو گیا تھا۔آپ کے شاگرد خاص حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی نو سو ننانوے تصانیف ایسی ہیں جن سے زمانہ آج تک فیضیاب ہو رہا ہے فقہاء احناف نے آپ کو "محرر المذہب" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ حضرت امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو دیکھ لیں تو بے اختیار ایمان لے آئیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ عیسائیوں کے ایک نامور فاضل نے آپ کی ''جامع کبیر'' کو ملاحظہ کیا تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حاکم فی الحدیث

بعض کج فہم، کم علم لوگ، آپ کی ذات سے بغض وعناد رکھنے والے یہ الزام لگاتے ہیں کہ حنفی مذہب احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) سے خالی ہے اور امام اعظم قلیل الروایت، ضعیف الروایت اور یتیم فی الحدیث ہیں۔

یہ لوگ نہیں جانتے کہ امام اعظم حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اصطلاح حدیث میں حاکم اس کو کہا جاتا ہے جو مرویات حدیث پر ''متناً و سنداً'' دسترس رکھتا ہو۔ مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اسی بلند منصب پر فائز ہیں۔

آپ کے مخالفین اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ امام اعظم نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان فرمائی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے **کتاب الآثار** کا انتخاب فرمایا ہے۔ (مناقب علی القاری بذیل الجواہر ج ۲، ص ۴۷۴)

گو امام بخاری نے صحیح بخاری کا چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا تھا مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ احادیث کی قلت و کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت و کثرت سے عبارت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

''ان جملۃ الا حادیث المسند ۃ عن النبی ﷺ یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ الاف واربع مائۃ''

ترجمہ: یعنی بیشک وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور ﷺ سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔ (توضیح الافکار)

اما اعظم اورامام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے وہ نفس روایات کا نہیں بلکہ اسانید کی تعداد کا فرق ہے ورنہ نفس احادیث کے لحاظ سے امام اعظم کی مرویات، امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں کیونکہ امام اعظم اورامام بخاری کے درمیان ۱۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے۔امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم نہیں تھا جتنا امام بخاری کے دور میں ہوا۔

امام اعظم کا فقہی مقام

کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط اور استخراج کے سلسلے میں آپ کے سات اصول ہیں

۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول ۳۔ عمل صحابہ ۴۔ اجماع
۵۔ قیاس ۶۔ استحسان ۷۔ تعامل

❁ حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے پر فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو ''اثر'' پر فتویٰ دیتا ہوں۔

❁ حضرت علامہ موفق علیہ الرحمہ نے المناقب جلد اول میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے دارالحناطین میں حضرت امام ابوحنیفہ اورامام اوزاعی کے درمیان مکالمہ ہوا۔ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا کیا بات ہے کہ نماز میں رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت تم رفع یدین نہیں کرتے؟۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس لیے کہ رسول خدا ﷺ سے اس سلسلے میں صحت کے ساتھ کچھ بھی ثابت نہیں۔

امام اوزاعی نے کہا کہ کس طرح ثابت نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے ان سے سالم بن عبداللہ نے ان سے ان کے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول

اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی سے کہا کہ مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نخعی نے ان سے علقمہ واسود نے ان سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز شروع کرتے وقت۔

امام اوزاعی نے کہا میں تم سے زہری' سالم' عبداللہ بن عمر کی روایت بیان کرتا ہوں تم مجھ سے حماد اور ابراہیم کی روایت بیان کرتے ہو؟۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے پوری جلالت کے ساتھ فرمایا! آپ غور نہیں فرماتے کہ حماد، افقہ تھے زہری سے اور ابراہیم، افقہ تھے سالم سے اور اگر عبداللہ بن عمر صحابی نہ ہوتے تو میں کہتا کہ علقمہ ان سے افقہ ہیں اور اسود کے بہت فضائل ہیں اور عبداللہ بن مسعود تو پھر عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔(رضی اللہ عنہ)

یہ سن کر امام اوزاعی بالکل خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

❁..... ایک دن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کسی سے قیاس میں بحث فرما رہے تھے۔ وہاں ایک شخص بیٹھا تھا وہ چلا کر بولا کہ قیاس وغیرہ چھوڑو پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ حضرت امام موصوف نے فرمایا کہ اے بندے! ہمارے قیاس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرو۔

ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا تھا لہذا وہ مردود اور کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہے کیونکہ ہم مسئلہ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ و تابعین کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں بھلا ہم کس طرح ابلیس کے مساوی ہو سکتے ہیں۔؟

یہ سن کر وہ شخص تائب ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو منور کرے جس

طرح آپ نے میرے دل کو منور کر دیا۔

❁ ...... علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد اول میں '' ابو حنیفہ یقدم الحدیث '' کے عنوان کے تحت ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث کو مقدم رکھتے تھے اور مزید اس پر یوں لکھا کہ

اصحاب ابو حنیفہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ابو حنیفہ کے مذہب میں ضعیف حدیث بھی قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔

لہذا انہوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھا ہے اور ایک ضعیف حدیث کی بناء پر دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے سے روکا ہے اور ایک ضعیف حدیث کی وجہ سے اکثر مدت حیض کو دس دن قرار دیا ہے اور جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے شہر کی شرط بھی اسی طرح کی حدیث سے رکھی ہے اور کنویں کے مسائل میں آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے قیاس محض کو چھوڑ دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ، آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور یہی امام احمد کا مسلک ہے اور سلف صالحین کے نزدیک حدیث ضعیف کی وہ اصطلاح نہیں جو متاخرین کی ہے۔ بلکہ جس کو متأخرین حسن کہتے ہیں سلف صالحین اس کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔

اختلاف فقہاء کی حکمت

واضح رہے کہ آئمہ کا مسائل فقہ میں باہمی اختلاف ،اصول استنباط کے اختلاف کے تابع ہے۔ چونکہ ہر امام کے اصول استنباط الگ الگ ہیں جو اس کے فطری مذاق اور افتاد طبع سے سرزد ہوئے ہیں۔ اس لئے وہی رنگ اس کی پوری فقہ میں رچا ہوتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح شرائع میں انبیاء کا رنگ سمایا ہوا ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان جلالی تھی ان کی شریعت کے احکام میں بھی جلال و

شدت کا غلبہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان جمالی تھی تو ان کی شریعت میں جمال اور نرمی کا غلبہ تھا۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی شان جامع شیون تھی تو شریعت محمدی کے ہر ہر مسئلہ میں یہ جامعیت اور مظاہرۂ عدل و رحمت بھی نمایاں ہے۔

اس اصول کو سمجھ لینے کے بعد یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ شرائع تکلیفیہ کی طرح شرائع وضعیہ (اجتہادی مسالک) بھی باوجود متحد الاصول ہونے کے جس امام کے دل و دماغ سے گزر کر وجود کا جامہ پہنتی ہیں، اسی کا ذوقی رنگ لیے ہوئے ہوتی ہیں اور اسی کے ذوق سے نکلے ہوئے اصول استنباط سے مستنبط ہوتی ہیں مثلاً

٭...... تعارض روایات کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایات متعارضہ میں عموماً قوت سند کے معیار سے ترجیح دیتے ہیں۔

٭...... حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اصول ''تاسی باسوۃ السلف'' ہے وہ متخالف روایات میں اہل مدینہ کے تعامل کو ترجیح دیتے ہیں۔

٭...... حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اصولی معیار ایسے اختلافی مواقع پر رجحانات سلف کا تتبع ہے کہ کثرت سے صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ کسطرف ہیں۔

٭...... حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اور معیار اصول، ایک خاص جامعیت کے ساتھ ''تطبیق وتوفیق بین الروایات'' ہے یعنی وہ ایک باب کی تمام متعارض و متخالف روایات کو بیکدم سامنے لا کر ان کے مجموعہ سے شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کا پتہ چلاتے ہیں اور نور اجتہاد و فراست ایمانی سے یہ دیکھتے ہیں کہ آخر اس مسئلہ سے شارع کا منشاء کیا ہے؟ یہ منشاء جس روایت سے زیادہ واضح ہوتا ہے اسی کو اپنے مذہب کی اساس قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ سنداً کچھ ضعیف ہی ہو اور بقیہ روایات کو بھی اس طرح مربوط کرتے چلے جاتے ہیں کہ وہ ساری روایات اپنے اپنے محل پر چسپاں نظر آنے لگتی ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ تمام روایت میں مسئلہ ایک ہی ہے مگر کسی روایت میں اس کا

حکم ہے کسی میں اس کی حکمت' کسی میں اس کی کیفیت ہے اور کسی میں اسکی کمیت، کسی میں اس کی اصلیت ولمیت ہے اور کسی میں اس کے احوال وعوارض۔

یوں سمجھیے کہ غرض روایات کوغرض شارع کے سلسلہ سے ترتیب وار جوڑ کر انہیں جمع کر دینا حضرت امام کا اصل اصول ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ کلام پیغمبر کا ہر ہر کلمہ اور فرمان شارع کا ہر ہر گوشہ تا بحد امکان زیر اعمال آ جائے اور زیر اہمال نہ رہے۔ حضرت امام کے اجتہادات میں یہی ذوق بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کے اس تفقہ کی بے شمار مثالیں سامنے لائی جاسکتی ہیں۔ سردست نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً صوم سفر کے سلسلہ میں مختلف احادیث وارد ہوئیں۔ کسی حدیث میں ہے کہ سفر میں افطار سے صوم افضل ہے۔ بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صوم سے افطار افضل ہے۔ بعض روایات سے صوم اور افطار میں تخییر معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ امام اوزاعی وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے حدیث انس کو اختیار کرتے ہوئے کہا کہ سفر میں افطار افضل ہے تو انہوں نے افضلیت صوم اور تخییر کی نفی کردی۔ بعض فقہاء افضلیت صوم کے قائل ہوئے تو انہوں نے افضلیت افطار اور تخییر کی نفی کردی۔ بعض تخییر کے قائل ہوئے تو انہوں نے افضلیت افطار اور افضلیت صوم دونوں کی نفی کردی لیکن

حضرت امام ابوحنیفہ نے ''اصول تطبیق وتوفیق روایات'' کے تحت تینوں احادیث کو جمع فرما کر سب کو قابل عمل بنا دیا۔ آپ نے نور اجتہاد سے دیکھا کہ ان مختلف روایات سے شارع علیہ السلام کی غرض، مختلف احوال میں مختلف احکام دینا ہے نہ کہ ایک حکم سے دوسرے حکم کی نفی مقصود ہے۔ پس آپ نے حدیث تخییر کو ''مساوات فی الجواز'' پر محمول فرمایا کہ اس سے شارع کی غرض صوم وافطار

دونوں کو بلا کراہت جائز بتلانا ہے اور افضلیت صوم کی روایت کو اصل پر محمول فرمایا کہ بالذات صوم ہی اصل ہے کیونکہ ماہ رمضان میں افطار کسی صورت میں اصل نہیں ہوسکتا اور افضلیت افطار کی روایت کو عوارض پر محمول فرمایا کہ جب حالت پریشان کن ہو جائے اور روزہ رکھنے میں تعب (حد اعتدال سے گزرنے) کا خطرہ ہوتو پھر عارضی فضیلت افطار ہی میں ہے۔

آپ کے اس اجتہاد میں

تخییر ہوئی .... جواز میں

افضلیت صوم ہوئی .... اصلیت صوم اور وقت میں

افضلیت افطار ہوئی .... احوال صائم میں

اور ظاہر ہے کہ مسافر پر یہی تین احوال آسکتے تھے تو شارع نے تینوں حالتوں کا حکم بیان فرما دیا۔

حضرت امام کے ذوق تشریعیہ کا کمال دیکھئے کہ آپ نے تمام حدیثوں کو ایک نقطہ پر جمع کر کے ان کا تعارض اٹھا دیا کہ تخییر بھی باقی رہی، افضلیت صوم بھی قائم رہی اور افضلیت افطار بھی ثابت رہی۔

حضرت امام کے اسی کمال اجتہاد و قیاس کو کشفی نظر سے دیکھ کر عارف باللہ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز پکار اٹھے کہ

"مجھے باقی ائمہ کی فقہ چھوٹے چھوٹے حوضوں اور تالابوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے اور امام اعظم کی فقہ دریائے موّاج کی طرح نظر آتی ہے۔"

کون امام اعظم؟

آیئے! امت کے جلیل القدر آئمہ وفقہاء اور محدثین سے پوچھیں کہ امام اعظم کون تھے۔؟

❁...... امام شافعی نے فرمایا...... ''واللہ میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''

❁...... امام احمد بن حنبل نے فرمایا...... ''وہ زہد وتقوی میں ایک ایسے مقام پر فائز تھے جسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کرسکتا۔''

❁...... امام داؤد طائی کا فرمان ہے...... ''وہ روشن ستارے ہیں۔''

❁...... امام سفیان ثوری نے اعلان فرمایا...... ''جو علم کی باتیں ان پر منکشف ہوتی ہیں ہم ان سے غافل ہیں''

❁...... امام محدث علی بن عاصم نے کہا...... ''آپ کا علم، اہل زماں کے علم سے زیادہ ہے۔''

❁...... داتا علی ہجویری کا ارشاد ہے...... ''وہ امام اماماں اور مقتدائے سنیاں ہیں۔''

❁...... امام شعرانی نے ثابت کیا کہ...... ''مذهبه اول المذاهب''(میزان الکبریٰ) ان کا مذہب پہلا مذہب ہے۔

❁...... امام ذہبی نے فرمایا وہ...... ''الامام الاعظم اور فقیہہ العراق ہیں''

❁...... حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا...... ''اہل اسلام کی بڑی اکثریت ان کی تقلید کرتی ہے۔''

❁...... خواجہ عطار پکار اٹھے ؎

بو حنیفہ بُد امام با صفا
آن سراج امتان مصطفیٰ
باد فضل حق قرین جان او
شاد باد ارواح شاگردان او

کون امام اعظم......؟

مجتہدین ان کو سلام کہتے ہیں
آئمہ دین ان کو امام کہتے ہیں

امام شافعی ان کی قبر سے برکت لیتے رہے
امام مالک ان کے در سے حکمت لیتے رہے
امام زفر ان کی مدح خوانی کرتے رہے
امام یوسف ان کی دربانی کرتے رہے
امام محمد ان کے علم کی نگہبانی کرتے رہے

کون امام اعظم......؟

جن کے متبعین میں
نامور علمائے شریعت بھی ہیں اور مقتدر اولیائے طریقت بھی

جن کے مقلدین میں
داتا گنج بخش ہجویری بھی ہیں اور خواجہ غریب نواز اجمیری بھی

جن کے پیروکاروں میں
بہاء الحق زکریا ملتانی بھی ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی بھی۔

کون امام اعظم......؟

جو امام الآئمہ بھی ہیں...........اور سراج الامہ بھی
جو اعظم الفقہاء بھی ہیں...........اور اعلم العلماء بھی
جو امام المجتہدین بھی ہیں...........اور سلطان المحدثین بھی

الغرض

جو دعائے مرتضیٰ بھی ہیں اور تمنائے مصطفیٰ بھی

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم شوق یک دانائے راز آید بروں

وما علینا الا البلاغ المبین

قطب العالمین خواجہءخواجگان

حضرت باواجی سید نور محمد قدس سرہٗ

تاجدار آستانہ عالیہ چورہ شریف

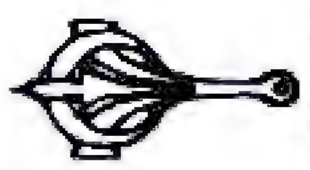
چورہ شریف کا محل وقوع

چورہ شریف کی یہ مقدس بستی اسرار لاہوت کی یہ پر بہار وادی، مشاطہءحسن قدرت سے آراستہ سنگلاخ اور ہموار چٹانوں کے ابھرے ہوئے سینے پر ایک پرسکون بہتی ندی کے کنارے، خلوتوں کی امین سرزمین کے افق مبین پر ماہِ تاباں کی طرح جلوہ نما ہے۔ جو راولپنڈی سے کوہاٹ کی جانب ۱۰۸ کلومیٹر اور کوہاٹ سے راولپنڈی کی جانب ۷۰ کلومیٹر اور اٹک سے ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر (ضلع اٹک میں) واقع ہے۔ ریلوے اسٹیشن چورہ شریف سے دومیل کے فاصلے پر (ندی عبور کر کے) اولیاء کا یہ مسکن زائرین کے لئے تسکین قلب ونظر کا سامان مہیا کر رہا ہے اور شہروں کے حسن و جمال اور باغوں کے دلفریب نظارے اس کی سادگی اور بے ساختگی پر قربان ہو رہے ہیں۔

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

بانی چورہ شریف

سرزمین چورہ شریف کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے فیضیاب فرمانے والے پہلے بزرگ، قطب العالمین، شمس العارفین، قدوۃ الکاملین، حجۃ اللہ علی الارضین غوث دوران، خواجہ خواجگاں حضرت خواجہ سید نور محمد چوراہی (المعروف باواجی صاحب)



رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ مردم خیز خطہ ازل سے ہی امین انوار ولایت تھا۔

حضور قبلہء عالم باواجی صاحب قدس سرہ العزیز کو ایک روحانی بشارت کے ذریعے یہاں قیام فرما ہونے کا حکم ملا تھا چنانچہ آپ نے اپنے ایک مخلص مرید میاں فقیر محمد (جو اس مقام سے ایک میل کے فاصلہ پر سکونت پذیر تھا) کو بلا کر ایک مخصوص جگہ کی نشاندہی فرمائی اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھنے کا حکم دیا اور اپنے روضہ عالیہ اور اولاد امجاد کی قبروں کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہ دکھائی، یہ پیشین گوئی آپ نے یہاں تشریف لانے سے گیارہ سال پیشتر فرمائی تھی جبکہ آپ ابھی تیزئی شریف علاقہ تیراہ میں ہی قیام فرما تھے۔ چنانچہ آپ نے یہاں اپنے وصال سے صرف ڈیڑھ سال پہلے تشریف لا کر اس مردم خیز مٹی کو بخارا اور سرہند کے محبت آمیز پانی میں گوندھ کر جلوہ ہائے فقر و مستی کا معمورہ اور تابش ہائے حسن ازلی کا چورہ بنا دیا۔

ع رہے لاکھوں برس ساقی تیرا آباد میخانہ

شیخ المشائخ عظیم البرکت اعلیٰ حضرت

حضرت خواجہ سید نور محمد چوراہی قدس سرہ

ولادت باسعادت

اسم گرامی خواجہ سید نور محمد (المعروف باواجی چوراہی) والد گرامی کا نام مبارک خواجہ سید محمد فیض اللہ (تیراہی) تاریخ ولادت ۱۱۷۹ھ مقام ولادت تیزئی شریف علاقہ تیراہ شریف آپ کی والدہ کا اسم گرامی بی بی صغریٰ تھا، جو قاضی عبداللہ (مفتی کوہاٹ) کی صاحبزادی تھیں۔ انتہائی نیک خصلت اور پارسا تھیں۔

بشارت

حضرت خواجہ فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ علیہ کو استخارہ کے نتیجے میں اشارہ ہوا

کہ بی بی صغریٰ کے بطن سے پیدا ہونے والا پہلا فرزند حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نائب اور کامل وارث ہوگا۔ اس کے ظاہری و باطنی علوم سے ایک عالم فیض یاب ہوگا۔

نیز آپ کی ولادت سے تین روز پہلے حضرت خواجہ فیض اللہ تیراہی کو عالم خواب میں بشارت ہوئی کہ تمہارا فرزند اسلام اور سلسلہ نقشبندیہ کے بے حد فروغ اور تقویت کا موجب ہوگا۔ پیدائش کے بعد حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت سید شاہ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور تینوں حضرات نے حضرت خواجہ فیض اللہ کو فرزند ارجمند کی پیدائش پر مبارک باد پیش فرمائی۔

راقم الحروف بحوالہ جواہر نقشبندیہ شجرہ نسب مصدقہ اچ شریف پیش خدمت کر رہا ہے۔ قارئین اس پر قیاس آرائیوں سے اجتناب فرمائیں۔

شجرہ نسب سادات چورہ شریف
مصدقہ اُچ شریف

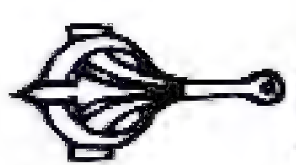
پیر سید محمد فضل شاہ بن پیر سید حیدر شاہ بن پیر سید احمد نبی (المعروف زلفاں والی سرکار) بن پیر سید فقیر محمد بن سید نور محمد بن سید فیض اللہ بن سید خان محمد بن سید علی محمد بن سید شیخ سلیمان بن سید عبدالرحمٰن بن سید شیخ علی خاں شاہ بن سید ملوک شاہ بن سید جلال شاہ بن سید عزیز شاہ بن سید حبیب شاہ بن سید کاکب شاہ بن سید حسین شاہ بن سید ابوبکر شاہ بن سید حسن شاہ بن سید بہاؤالدین شاہ بن سید یٰسین شاہ بن سید خواجہ شاہ بن سید ادریس شاہ بن سید ماندرو شاہ بن سید اعلان شاہ بن سید نور شاہ بن سید خواجہ سلیمان شاہ بن سید امیر زمان شاہ بن سید قاسم شاہ بن سید نظام شاہ بن سید جلال شاہ بن سید سایہ شاہ بن سید بہاؤالدین شاہ بن سید شہاب الدین شاہ بن سید فتح شاہ بن

سید حضرت شاہ بن سید مبین شاہ بن سید شیخ شاہ بن سید ثابت شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید قادر شاہ بن سید عثمان شاہ بن سید عبدالوہاب شاہ بن سید محی الدین شاہ بن سید عبدالقادر جیلانی بن سید ابی صالح شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن عبداللہ شاہ جبلی بن سید یحییٰ شاہ بن سید محمد موروث شاہ بن سید داؤد شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید عبداللہ الحوارث شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید عبداللہ بن سید حسن المثنیٰ بن سید حسن بن حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہم

تنبیہ: خواجگان چورہ شریف کے حتمی شجرہ نسب کے بارے میں مورخین کے ذہنوں میں ابہام سا ہے۔ راقم کی نظر سے تین شجرۂ نسب گذرے ا۔ فاروقی ۲۔ علوی ۳۔ گیلانی ممکن ہے یہ خاندان اپنی عظمت وشرافت کے اعتبار سے متعدد شاخوں میں تقسیم ہو، تاہم اس امر میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ بھر کے غوث اور قطب علماء اور صوفیاء اور نجیب الطرفین سادات کی خاصی تعداد اس کے خلفاء اور خدام میں شامل ہے۔ اس خاندان کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

تعلیم وتربیت

آپ مادرزاد ولی کامل تھے اور فطری طور پر علم لدنی سے بہرہ یاب تھے، تاہم ظاہری طور پر بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کے لئے آپ نے اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی کے حضور ہی زانوئے تلمذ تہ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں علوم متداولہ درسیہ پر عبور حاصل کر لیا۔ اسی دوران آپ نے ایک نسخہ قلمی قرآن کریم مکمل تحریر فرمایا جو نہایت خوش خط اور خوبصورت ہے اور آپ کے ذوق علمی، نفاست طبعی، اور عربی رسم الخط پر مہارت کا آئینہ دار ہے اور آج بھی چورہ شریف میں حضرت پیر سردار شاہ مدظلہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ راقم الحروف نے نسخہ کی زیارت کا



شرف بھی حاصل کیا ہے۔ والحمد لله علیٰ ذالک

بیعت: آپ نے اپنے والد گرامی سے ہی نسبت بیعت اخذ کی اور با قاعدہ سلوک نقشبندیہ مجددیہ طے کیا اور اپنے والد ماجد سے ہی طریقت کے چہار خانوادوں کے فیوض و برکات حاصل کئے۔

تیرھویں صدی کے مجدد طریقت

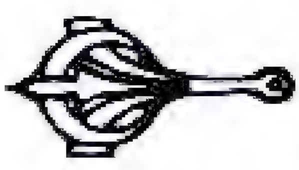
حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد چوراہی قدس سرہ' کا خاندان علم وعرفاں کا بحر بیکراں تھا اسی خاندان کے لازوال فیضان سے پنجاب میں سلسلہ نقشبندیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور اس نسبت کی مجددانہ طریق پر ترویج و اشاعت ہوئی۔

حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ نقشبندیہ کے قدیم طریق سلوک میں سلوک مجددیہ کو اس طرح اجمالاً درج کر دیا تھا۔ کہ فقط ایک ہی توجہ کاملہ سے دونوں سلوک طے کروادیا کرتے تھے۔ آپ تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے کے لئے روحانی لشکروں کو اس طرح تیار فرماتے کہ سالکین خفیہ راہوں سے چشم زدن میں منزل مقصود تک جا پہنچتے، آپ کا طریق سلوک حضرت عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کا آئینہ دار تھا ؎

نقشبنداں عجب قافلہ سالارانند
کہ برحرم می روند پنہاں قافلہ را

حضرت خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ (آلومہار شریف) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قبلہ عالم سلوک نقشبندیہ اور سلوک مجددیہ کے باہمی حسین امتزاج کی نسبت جاذبہ قویہ کے موجد اور تیرھویں صدی ہجری کے مجدد برحق تھے۔

آپ کی نسبت خاصہ میں صفا اور سکون کے ساتھ توجہ اتحادی اور توجہ انعکاسی



کا رنگ پوری طرح نمایاں تھا اور آپ کے فیضان میں جذب کا پہلو غالب تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض صحبت اور حلقہ تربیت سے لا مکان کے شہباز اور طریقت کے آفتاب پیدا ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ سید محمد کبیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک خصوصی محفل احباب میں عاشق رسول مولانا محمد صادق چشتی جہلمی نے یہ ایمان افروز بات سنائی کہ میں اپنے مرشد پاک حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاضر تھا۔ بڑی انتظار کے بعد خلوت کی چند گھڑیاں میسر آئیں تو میں نے حضرت سے بڑی راز داری کے ساتھ سوال کیا۔

حضور اس دور میں علم مجددیت کس کے پاس ہے؟

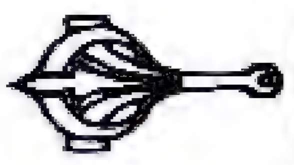
تو آپ نے بے ساختہ فرمایا حضرت پیر پٹھان خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مجددیت کا علم چورہ شریف کو منتقل ہوا تھا، ابھی تک انہی بزرگوں کے پاس ہے واپس نہیں آیا۔ خدا جانے کب تک ان کے پاس رہتا ہے۔

تلک ابائی فجئنی بمثلھم

ارشادات قدسیہ

ا...... ایک دن ایک درویش نے عرض کیا کہ حضور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ دوسرے لوگ صدہا ریاضات و مجاہدات کر کے بھی اس قدر جوش عشق و محبت اور جذب و فیض حاصل نہیں کر پاتے جس قدر آپ کے غلام و خدام چند روز میں حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

''دوست یا اولاد اس شخص کی تنگ دست محتاج ہوتی ہے جن کا باپ یا رفیق غریب و مفلس ہو اور جن کا باپ، رفیق مالدار ہو ان کو زیادہ تر خلوص و محبت کی ضرورت ہے، محنت کی چنداں حاجت نہیں''۔



۲ فرمایا کہ آدمی کو دو چیزیں درست اور دو چیزیں شکستہ چاہئیں۔ درست چیزیں یہ کہ (الف) دین درست (ب) یقین درست [شکستہ چیزیں یہ کہ] (ج) دست شکستہ (د) پا شکستہ۔

الف دین درست سے مراد یہ ہے کہ قولاً فعلاً اعتقاداً شریعت کے موافق ہو۔

ب یقین درست کے معنی مواعید الٰہی پر پورا پورا یقین ہے۔

ج دست شکستہ کا مطلب یہ کہ اشارۃً یا صریحاً کسی سے کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

د پا شکستہ کا مطلب یہ کہ کسی کے پاس کسی غرض سے نہ جاوے یعنی محتاجی نہ کرے

۳ فقر و فاقہ کمال طریقہ ہے۔

۴ فقیر کے ''ف'' سے مراد ''فاقہ''''ق'' سے مراد ''قناعت'' اور ''ی'' سے مراد ''یاد الٰہی''''ر'' سے مراد ریاضت ہے ہے۔ اگر کوئی شخص یہ امور بجا لاوے تو ''ف'' سے ''فضل الٰہی''''ق'' سے قربِ مولا ''ی'' سے ''یاری خدا'' اور ''ر'' سے ''رحمت الٰہی'' مراد ہے۔ حاصل ہو ورنہ ''ف'' سے ''فضیحت''''ق'' سے ''قہرالٰہی'' ''ی'' سے ''یاس'' اور ''ر'' سے ''رسوائی'' ملے۔

۵ طالب ذوق وشوق اور کشف وکرامت طالب خدا نہیں۔

۶ جس طرح طلب حلال مومنوں پر فرض ہے اسی طرح ترک حلال عارفوں پر فرض ہے کیونکہ درویشوں کی فاقہ کی رات معراج کی رات ہے۔

۷ جو مخدوم بننا چاہتا ہے، اس کو چاہئے کہ پیر کی خدمت کرے کیونکہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

جس کسی نے خدمت کی وہ مخدوم بن گیا اور جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ محروم رہا۔

۸ رضائے پیر و مرشد سبب قبولیت خلق وخالق ہے۔ آزردگی پیر سبب نفرت

حق اور خلق ہے۔

۹...... پیر کی رضاء سے وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کسی مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

۱۰...... ہر روز پچیس ہزار مرتبہ اسم ذات کا ذکر ضروری ہے۔

۱۱...... فقیر دل کی مراد سے خالی ہونے کو کہتے ہیں نہ کہ ہاتھ کے خالی ہونے کو۔

۱۲...... لوگوں کے عیب کو نیکی کی طرف تاویل کرو اور اپنی اچھی باتوں کو عیب کی طرف تاویل کرو۔

۱۳...... میں تو ہر ایک کو نیک ہی جانتا ہوں۔ جیسا کہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو انداز فرمود بر روئے آب

میرے دانا پیر و مرشد حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کے کنارے پر مجھے دو نصیحتیں فرمائی۔ ؎

یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش
دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

پہلی یہ کہ تو خود پسند اور خود بین نہ بن۔ دوسری یہ کہ غیر کو بری نظر سے نہ دیکھ۔

۱۴...... طالبان حق کو چاہئے کہ ایک لمحہ جناب الٰہی سے غافل نہ ہوں تا کہ توجہ الی اللہ بے مزاحمتِ اغیار ہو کہ اسی کو دوام حضور بھی کہتے ہیں اور کوئی مقصود سوائے اللہ تعالیٰ دل میں نہ رہے۔

۱۵...... جو شخص اللہ تعالیٰ سے دنیا طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے آخرت سے محروم رکھتا ہے کیونکہ دوستان الٰہی کے لئے دنیا راحت کی جگہ نہیں۔ راحت کی جگہ تو آخرت ہے۔

۱۶ ترک دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ اسباب سے۔
۱۷ طالب مولا کو سوائے ذات باری کے کسی اور سے محبت نہیں ہونی چاہئے۔
۱۸ سب سے بڑا کام یہ ہے کہ شریعت پر استقامت رکھے۔
۱۹ ذکر اسم ذات سے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نفی اثبات سے سلوک۔
۲۰ جس قدر طالب میں شکست و عاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر فیض اس پر زیادہ وارد ہوتا ہے۔
۲۱ سالک کو چاہئے کہ نیچی نظر رکھ کر چلا کرے۔

خوئے سگاں ہست بہر سو نگاہ
شیر سرافگندہ رود سوئے راہ

کتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر طرف دیکھتے ہیں جب کہ شیر سر کو جھکا کر راستہ میں چلتا ہے۔

۲۲ زیادہ بولنا اور ہنسنا غفلت سے ہے۔
۲۳ سلوک حاصل کرنے کی چند شرطیں ہیں۔ استعداد کامل، پیر کامل اور فیض الٰہی
۲۴ ایک مراد ہوتے ہیں ایک مرید۔ مراد وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچے اور مرید وہ ہے جو خود محنت و ریاضت کر کے مقام حاصل کرتے ہیں۔
۲۵ مدار کار دو چیزوں پر ہے۔ اول، محبت پیر، دوم اتباع شریعت۔
۲۶ رستگاری عبادت میں نہیں گناہوں سے بچنے میں ہے۔
۲۷ فقر بڑی دولت ہے یہ دولت جس قدر ہو سکے پوشیدہ رکھنی چاہئے۔
۲۸ خواہ دوست ہو یا دشمن سب سے اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔

وفات حسرت آیات

آپ نے اپنے وصال کے ڈیڑھ سال پہلے بمقام چورہ شریف نقل مکانی

فرمائی اور یہیں ۱۲ شعبان ۱۲۸۴ھ کو رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

قطعہ تاریخ وصال

رفت نور محمد از دنیا — کہ ہمہ عمر خود نگفتہ دروغ
مست مسکین کہ ہست خادم او — سال تاریخ او بگفت ''فروغ''

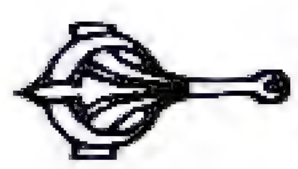
آپ کے چاروں صاحبزادے خواجہ احمد گل، خواجہ فقیر محمد، خواجہ دین محمد اور خواجہ شاہ محمد قدس اسرار ہم باکمال تھے۔ یہ ہر چہار حضرات آپ کی رحلت کے بعد مسند خلافت پر بیٹھے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے اور سر مبارک آپ کا ان کے زانو پر تھا اور انہوں نے بدست خود تجہیز و تکفین کی اور مبارک ہاتھوں سے آپ کو لحد شریف میں لٹایا اور آپ کا جو کچھ فیض باطنی اور خزانہ مخفی تھا وہ اسی وقت ان کو عطا کیا گیا۔

حضرت خواجہ سید نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء

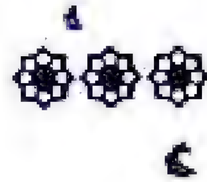
صاحبزادے :

1 ...... حضرت خواجہ سید احمد گل
2 ...... حضرت سید فقیر محمد (المعروف باوا جی چوراہی)
3 ...... حضرت خواجہ سید دین محمد (المعروف حضرت ملا جی)
4 ...... حضرت خواجہ سید شاہ محمد

خلفاء: حضرت عجب نور، حضرت اللہ نور، ہادی سید نامدار شاہ (نتھیال شریف)، خلیفہ حسن علی بھوت مار (افغانستان (بسال نزد اٹک)، خلیفہ میاں فقیر محمد (ساکنہ چورہ شریف)، خلیفہ میاں احمد فقیر (سکنہ چورہ شریف)، خلیفہ جان محمد (ساکن لنٹ)، مولوی فضل دین (موضع خونی چک متصل گجرات)، خلیفہ خان عالم (باولی شریف



گجرات)،میاں صوبہ (کھاریاں ضلع گجرات)،خلیفہ خدا بخش بنی والا (سکنہ پوڑ پسوال ضلع راولپنڈی) خلیفہ صاحبزادہ محمد بخش (باؤلی شریف)،خلیفہ احمد شاہ افغانی،خلیفہ ملاں بہادر گڑھی،سید مرتضیٰ شاہ (مکان شریف ضلع گورداسپور)،سید چمن شاہ (آلومہار شریف سیالکوٹ)،سید حبیب اللہ شاہ اترولی،محمد شریف فتح جنگ (ملا محمد نصیر ملک والا)،حافظ خواجہ الدین (راجووالا)،حافظ عبداللطیف (پشاور)،سید حبیب شاہ پونچھ، ملا مرید بھٹو، ملا بشیر بھٹو، قاضی میاں محمد پنڈی،حاجی سرخسرو (رجویہ ضلع جھنگ)، میاں محمود (لاثانی والا)،میاں احمد کراچی،میاں عظیم (سوواں والا)،میاں محمود (نیوڑی والا)،حاجی صاحب (ریاسی)،عبیداللہ (کوٹ چھجی)،پیر صاحب کہیاں شریف۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

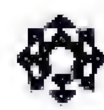


ترجمان فطرت، مجاہد اول تحریک ختم نبوت، قافلہ سالار کاروان حریت،

خطیب الاسلام

حضرت صاحبزادہ **سید فیض الحسن** قدس سرہٗ کی یاد میں

چند آنسو............چند آہیں



یہ طلسمات کاخ وکو اور تو ہمات رنگ وبو، فانی اور تغیر پذیر ہیں۔موت، قدرت کا اٹل قانون ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ کل نفس ذائقة الموت

لو كانت الدنيا تدوم لواحد   لكان رسول الله فيها مخلد

وقت کروٹیں لیتا رہے گا' انسان کتم عدم سے منصۂ شہود پر آتے رہیں گے' یہ کائنات چلتی رہے گی، تاروں کی محفل سجتی رہے گی، مظاہر فطرت ازل سے ابد کی طرف بڑھتے رہیں گے، سورج اور چاند طلوع وغروب کے ضابطے کی پابندی کرتے رہیں گے......مگر

جو سورج بیس جمادی الاول ۱۴۰۴ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۸۴ء بروز جمعرات نصف النہار کے معاً بعد ڈوبا کبھی طلوع نہ ہوگا   جو چاند اس رات چھپا کبھی منہ نہ دکھائے گا... جو ستارہ اس گھڑی ڈوبا کبھی نہ ابھرے گا   جو کائنات اس دن اجڑی ہمیشہ ویران رہے گی......مشائخ ایک روحانی پیشوا سے محروم ہو گئے   علماء کی آرزوؤں کا سہاگ اجڑ گیا...میلاد النبی اور معراج النبی کی محفلیں سونی ہو گئیں

حاملان دین متین بے سہارا ہوگئے..... منبر ومحراب پر قیامت گزر گئی..... تحریک آزادی کا قافلہ سالار چل بسا..... تحریک ختم نبوت کا مجاہد اول رخصت ہوگیا..... نظام مصطفیٰ کے نعرے میں وہ زور نہ رہا..... حقوق اہلسنت کا محافظ جاتا رہا..... برصغیر پاک وہند میں نصف صدی تک خطابت کے لوئے لوئے لالہ لٹانے والا..... اہلسنت کے سینوں میں عشق رسالت کی شمع جلانے والا..... روٹھے ہوئے رب کومنانے کے طریقے بتانے والا..... آج خود دنیا سے روٹھ کر چلا گیا۔

آہ اب ہم اس کی یاد میں آہوں کا غبار ہیں یا آنسوؤں کی مالا۔

ارباب منبر ومحراب ایسا خطیب کہاں سے لائیں گے

اصحاب سلوک وطریقت ایسا شیخ کہاں سے لائیں گے؟

اب فرق باطلہ کی یورشوں اور شورشوں کی مدافعت کون کرے گا؟

اب عقیدت مند، آنسوؤں کے چراغ جلا کر اپنے محبوب رہنما کی راہ دیکھا کریں گے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ، ایک روح دلنواز ایک گلشن لازوال اور پیکر جمال وکمال تھے۔ آپ ایک شعلہ خرمن سوز..... ایک شرارہ آتش افروز تھے۔ وہ آسمان خطابت کا نیر تاباں..... ہمت وجرأت کا کوہ گراں..... محبت اور مروت کا تابندہ نشاں..... علوم طریقت کا بحر بے کراں..... اور..... سادات کے قافلے کے حدی خواں تھے۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

آج اس مردِ مومن کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ رہے ہیں جس نے اسلام، ختمِ نبوت اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ جو سرزمین پنجاب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بزمِ سلوک و تصوف کی آخری شمع اور طریقت نقشبندیہ مجددیہ کی مسند کا آخری مسیحا تھا۔

؎ رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

تعلیمی و خاندانی پس منظر

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن ضلع سیالکوٹ کے ایک مشہور قصبہ آلومہار شریف میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نقوی سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے اسلاف خراسان میں اعلیٰ ترین حکومتی عہدوں پر فائز تھے، بعد میں آپ کے آباؤ اجداد ہجرت کر کے پہلے بھکر اور پھر آلومہار شریف میں آباد ہو گئے۔

آپ نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم اپنے گھر میں ہی حاصل کی۔ اس کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ دینی تعلیم اپنے وقت کے جید علماء مولانا عبدالمجید سنبھلی اور مولانا لطف اللہ کیرت پوری علیہما الرحمہ سے مکمل کی اور اپنے والد ماجد حضرت قبلہ پیر سید محمد حسین شاہ (سالک) رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۳۳ء میں سجادہ نشین منتخب ہوئے۔

یہ وہ دور تھا کہ غلامی کی تاریکیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر صاحب ایمان کے لئے ایک ہی سوال تھا۔ آزادی ...... یا ...... غلامی؟۔ ایسے حالات میں پُر وقار جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے شہزادے سید فیض الحسن کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو وہ خانقاہ کے حجرے میں بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ روحانی مشاغل یا وعظ و تلقین

کا فریضہ انجام دیں یا پھر آپ وقت کے تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے مردِ حق بنکر رزم گاہ حق و باطل میں مردانہ وار کود پڑیں۔

پہلا راستہ پُر عافیت ضرور تھا مگر آپ کی پُر جلال شخصیت، باطل کے ساتھ مصلحت آمیز رویہ رکھنے پر کسی صورت تیار نہ تھی۔ چنانچہ صبح آزادی کی قسم کھاتے ہوئے آلومہار شریف کے خاندان سادات کا یہ عظیم روحانی فرزند، مجاہدین آزادی کے صف شکن مجاہد کی حیثیت سے میدان عمل میں یوں داخل ہوا کہ اس کا نام شمع آزادی کے پروانوں کے لئے جہد وعمل کی علامت بن گیا اور یہ مردِ مجاہد، استقامت و عزیمت کا کوہ گراں بنکر باطل قوتوں کو للکارتا ہوا رسم شبیری ادا کرنے کا اعلان کرنے لگا۔ کیونکہ

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تختِ جگہ آزادی کی یا تختہ مقام آزادی کا

حسین یادیں

بحمدہ تعالیٰ مجھے (راقم الحروف) یہ فخر حاصل ہے کہ زندگی کے تئیس (۲۳) سال حضرت خطیب الاسلام صاحب زادہ فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے قرب و حضوری میں گزرے۔ خلوت وجلوت اور سفر وحضر میں اکثر اوقات ان کی ہمہ گیر نگاہوں اور دل نشین اداؤں سے بہرہ یاب ہوا۔

حقیقت میں وہی سرمایۂ عمر گرامی ہے
جو لمحات حسین ہم ان کی محفل میں گزار آئے

خطیب الاسلام

میں نے حضرت خطیب الاسلام کو گوجرانوالہ میں عید میلاد النبی ﷺ کے ایک جلسہ میں دیکھا اور سنا۔ آپ کا جمال دیدنی تھا اور خطاب شنیدنی۔ ہزاروں

انسانوں کا اجتماع اور آپ پوری روانی کے ساتھ خطبہ پڑھتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔
دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سب سے اول کون ہے؟

سورج کے جلال نے کہا ....میں اول
چاند کے جمال نے کہا ....میں اول
عرش کی رفعت نے کہا ....میں اول
فرش کی وسعت نے کہا ....میں اول
بلبل کے ترنّم نے کہا ....میں اول
کلیوں کے تبسم نے کہا ....میں اول
جنت کی نزہت نے کہا ....میں اول
حوروں کی نکہت نے کہا ....میں اول
قوس قزح کی رنگینیوں نے کہا ....میں اول
نظام عالم کی بوقلمونیوں نے کہا ....میں اول

اور ایک کونے سے شرک بیں، شرک چیں اور چیں بجبیں ملا نے کہا......میں اول
میں عالم حیرت میں کھو گیا۔ تصور کی دنیا میں کملی والے آقا کے حضور حاضر ہوا عرض کی کہ اے محبوب کردگار، نورالانوار، سرالاسرار، احمد مختار اور اللہ کے یار ﷺ! آپ ہی بتائیں کہ اول کون ہے؟......تو

یکا یک حجاب اٹھنے لگے...... پردے ہٹنے لگے...... بادل چھٹنے لگے...... بوئے نسیم مشک بار آنے لگی...... شمیم طرہ گیسوئے یار آنے لگی......مدینے کے انوار چمکنے لگے......سینوں کے رخسار دمکنے لگے......عاشقوں کے سینے دھڑکنے لگے...... آنسوؤں کے ساغر چھلکنے لگے......کہ مدینے کی فضاؤں سے زبان ترجمان قدرت کی ایک صدائے دلنواز آئی:

اول ما خلق اللہ نوری

مرے کملی والے مولا نے فرمایا سب سے اول تو میں ہوں۔
قدرت نے کہا مرحبا فطرت نے کہا ماشاءاللہ... حوروں نے کہا الحمدللہ اور سینیوں نے کہا سبحان اللہ۔ ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال کی روح تڑپی اور کہا:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسں وہی طٰہٰ

نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند ہونے لگے۔ مجمع پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ شہر یار خطابت کی زبان پھر حرکت میں آئی اور بجلی کی تیزی سے یوں گویا ہوئی۔

اور یہ حقیقت ہے جو مخلوق میں

سب سے اول ہوگا ...... وہ خدا کے قریب ہوگا
جو قریب ہوگا ...... وہ کامل ہوگا
جو کامل ہوگا ...... وہ اکمل ہوگا
جو اکمل ہوگا ...... وہ اقرب ہوگا
جو اقرب ہوگا ...... وہ مقصود کائنات ہوگا
جو مقصود کائنات ہوگا ...... وہ سبب تکوین عالم ہوگا
جو سبب تکوین عالم ہوگا ...... وہ باعث تخلیق آدم ہوگا
جو باعث تخلیق آدم ہوگا ...... وہ نبی اول ہوگا
جو نبی اول ہوگا ...... وہ قلم اول ہوگا
جو قلم اول ہوگا ...... وہ لوح اول ہوگا
جو لوح اول ہوگا ...... وہ عقل اول ہوگا
جو عقل اول ہوگا ...... وہ نور اول ہوگا
جو نور اول ہوگا ...... وہی مجتبیٰ ہوگا

اور جو مجتبیٰ ہوگا ...... وہ محمد مصطفےٰ ہوگا

پس پھر کیا تھا...... میں دم بخود وساکت تھا۔ سینے میں عشق کا وفور تھا اور آنکھوں میں محبت کا نور تھا۔ گویا ایک جادو چل گیا اور میں اس دن سے حضرت خطیب الاسلام کا شیدا ہوا۔ مزید قرب کا موقع میسر آیا اور جب قریب سے دیکھا تو ان کی ہر ادا دل کو لبھا گئی آنکھوں کو بھا گئی اور ماحول کو جگمگا گئی۔

ے نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میرِ کارواں کیلئے

شہر یار اقلیم خطابت

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمۃ خانقاہ سے نکل کر میدان عمل میں کود ے تو تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے ہیرو بن گئے۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی پوری زندگی کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی کچھ زندگی جیل میں اور کچھ ریل میں گزر گئی۔

آپ گفتار اور کردار کے غازی اور برصغیر پاک و ہند میں سلسلہء خطابت کی آخری کڑی تھے۔ آپ کی تقریر موجہ کوثر و سلسبیل تھی۔ سلاست، متانت، فصاحت و بلاغت اور ظرافت کا سیل بے کراں...... استعارات، مترادفات، تمثیلات و اشارات کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ادیب، خطیب اور اہل سخن تصویر حیرت بن جاتے۔ ان کے لئے ہر موضوع، ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی تھا۔ ان کے جملے دریائی لہروں کی مانند رواں دواں ہوتے۔ انہیں وقت ٹھہر کر اور ہوائیں رک کر سنتی تھیں۔ وہ بولتے تو موتی رولتے، کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور عشق رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰ ات والتسلیمات) میں ڈوبا ہوا بیان...... گویا:

ع بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

آپ بلاشبہ شہر یارِ اقلیم خطابت تھے۔تقریر کرتے تو لفظوں کے گلدستے مہکتے‘ معانی کے ساغر چھلکتے اور جوش وولولہ کے سوتے ابلتے۔آپ نے تحریک مسجد شہید گنج کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی خطابت کو ضرب ید اللہی کے بانکپن کا نمونہ ثابت کر دیا تھا۔شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں آپ کی پکار اور للکار نے مسلمانوں میں ایسا اعتماد اور اعتقاد پیدا کیا کہ علم الدین غازی نے راجپال کا خاتمہ کر کے ناموس رسالت (ﷺ) کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا...... حتی کہ آپ کی ذات، عاشقان رسول (ﷺ) کی نگاہوں کا مرکز اور اسلام کے جاہ وجلال کی علامت بن گئی۔

مجاھد اول تحریک ختم نبوت

حضرت خطیب الاسلام ”تحریک ختم نبوت“(اول) ۱۹۵۳ء کے مجاہد اول تھے۔عشق رسول آپ کو ورثے میں ملا تھا۔شمع رسالت کا یہ پروانہ کسی خانہ ساز نبوت کا وجود کیسے برداشت کر سکتا تھا۔آپؒ کی زندگی کے تین اہم مقاصد تھے

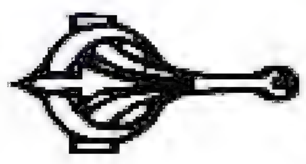
1...... فرنگی سامراج کی مخالفت

2...... عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت

3...... پاکستان میں اسلامی نظام کی تنفیذ واشاعت

انگریز کے خلاف تحریک آزادی میں آپ کا نام حریت اور جہد وعمل کی علامت بن گیا اور فرنگی سامراج آپ کے آوازۂ حق سے لرزاٹھا۔

قادیانیت کے سحر باطل کے خاتمے کیلئے آپ نے ربع صدی سے زیادہ عرصہ کام کیا۔۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز آپ کی تقریر سے ہوا۔اس تحریک میں پہلا قافلہ جو کراچی روانہ ہوا اور گرفتار ہو گیا اس کی قیادت آپ فرما رہے تھے۔ختم نبوت کے نام پر مجموعی طور پر آپ نے ساڑھے تین سال قید کاٹی۔جیل میں آپ پر تشدد کی انتہا کر دی گئی۔آپ کو برف پر لٹایا گیا۔آپ نے یہ سب کچھ تقاضائے



ایمان سمجھ کر قبول کیا اور راہ حق میں ہر افتاد کو سینے سے لگایا مگر اف تک نہ کی۔

اے رہ یار! ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے

یہ حقیقت ہے کہ بھٹو کے دور اقتدار ۱۹۷۵ء میں تحریک ختم نبوت (دوم) آپ کے ایماء پر شروع ہوئی تھی جو بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور مرزائیوں کو آئینی طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔ تحریک ختم نبوت کی تاریخ جاننے والا ہر صاحب ہوش آدمی جانتا ہے کہ ختم نبوت کے لئے سب سے پہلے گرفتاری دینے والے بھی آپ ہیں اور تحریک ''سول نافرمانی'' کے پہلے ڈکٹیٹر بھی آپ ہی تھے۔ ۱۹۳۳ء میں مرزا محمود کی صدارت میں کشمیر کمیٹی بنی جس کے رکن حضرت علامہ اقبال بھی تھے۔ چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے علامہ اقبال کو صورت حال سمجھا کر کمیٹی سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ قادیان میں جلسہ عام کر کے مرزائیت کو آپ نے ہی للکارا تھا۔ جہاد ختم نبوت کے لئے پچاس ہزار رضا کاروں کی بھرتی کا اعلان بھی آپ نے فرمایا تھا۔ کئی رضا کاروں نے اپنے خون سے حلف نامے لکھ کر پیش کئے تھے۔ (تفصیلات کیلئے تحقیقاتی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں)

ختم نبوت کے لئے آپ کی قربانیاں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرن اول کے مجاہدینِ جنگ یمامہ کے لشکر کے ایک سپاہی ہیں جو بچھڑ کر اس دور میں آ گئے ہیں۔

شیخ طریقت

آپ وہ مرد قلندر تھے جس کی نواؤں میں بوئے اسد اللہی تھی ...... تو اداؤں میں سکندرانہ جلال کی آمیزش بھی۔ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ بحر معرفت کے شناور اور قلزم طریقت کے غواص تھے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود تصوف کا نازک ترین مسئلہ ہے لیکن اس مسئلے کو اس طرح حل فرماتے

کہ صوفیاء ومشائخ پر رقت طاری ہو جاتی۔

ایک مرتبہ میں نے سوال کیا کہ حضرت! اس مسئلے میں آپ کی واردات کیا ہیں؟ فرمانے لگے نقشبندی ہوں لیکن وحدت الوجودی ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہی مسئلہ زیر بحث آیا تو فرمانے لگے آج کل وحدت الشہود سے تسکین قلب ونظر کا سامان ہو رہا ہے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی روحانی توجہات کا نتیجہ ہے۔

آپ کا انداز فکر صوفیانہ تھا۔ تصوف وطریقت کے اسرار ورموز کے اس قدر ماہر تھے کہ علماء ومشائخ بھی آپ سے طریقت کے سیر وسلوک کا سبق سیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف نے سلوک مجددیہ کی تکمیل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا

الحمد اللہ! بندہ نے سلوک مجددیہ طے کر لیا ہے اور ولائت علیا کی نعمت سے بہرہ اندوز ہے۔ آج کل اسماء باریٔ تعالیٰ میں سیر ہو رہی ہے۔ حضرت امام ربانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہما کبھی خواب میں اور کبھی مراقبے میں اور کبھی بیداری میں تشریف لا کر باطنی تربیت فرماتے ہیں۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک**

حضرت خطیب الاسلام ساری عمر ایک خطیب اور لیڈر کے روپ میں چھپے رہے۔ وہ درحقیقت ایک مستور الحال مرد فقیر تھے جن کی زندگی عشق رسالت سے تعبیر تھی۔ وہ ادراک بسیط کی منزلوں میں گم اور بارگاہ رسالت میں حاضری وحضوری کی نعمتوں سے سرفراز تھے۔ دوران سفر ریل اور کار میں بھی اکثر مراقب رہتے۔ پاس انفاس، ذکر اسم ذات اور نفی اثبات، ذکر قلبی وسرّی ان کا خصوصی شغل تھا۔

شیخ مجدد سے قلبی رابطہ

آپ کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پاک کے ساتھ بے حد عشق اور تعلق خاطر تھا۔ دربار عالیہ حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ محلّہ مبارک شاہ بیرون کھیالی گیٹ گوجرانوالہ میں سالانہ عرس پاک

کے موقعہ پر شجرۂ خواجگان نقشبندیہ پڑھا جاتا ہے۔ایک مرتبہ شجرہ پڑھنے والے سے سہواً حضرت امام ربانی کا اسم گرامی رہ گیا تو آپ کے چہرہ پر جلال نمایاں ہوا۔آپ نے فرمایا دوبارہ پڑھو۔اس نے پھر پڑھا تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے یہی مصرعہ نو بار پڑھو۔جب آخری بار اس نے وہی مصرعہ دہرایا تو آپ بہ چشم پرنم دست بستہ کھڑے ہو گئے۔سارا مجمع کھڑا ہو گیا اور پانچ منٹ تک آہوں اور سسکیوں کا ماحول رہا۔محفل عرس میں شامل ایک صاحب دل درویش نے بتایا کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ محفل میں جلوہ افروز ہو گئے تھے۔

عاشق مدینہ

پہلی مرتبہ ۱۹۷۶ء میں اس عاجز (راقم الحروف) کو زیارت حرمین طیبین کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب گوجرانوالہ سے روانگی ہوئی تو میں نے حضرت خطیب الاسلام سے پسندیدہ تحفہ لانے کیلئے پوچھا تو آپ نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا

"جاتی دفعہ دربار رسالت مآب ﷺ میں اس عاجز کا ہدیہ صلوٰۃ وسلام عرض کر کے نظر کرم کا سوال پیش کرنا اور آتی دفعہ سیدہ پاک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تربت انور یا شہدائے احد کے احاطہ قبرستان سے تھوڑی سی مٹی یا کوئی سنگریزہ لیتے آنا۔مرتے وقت کفن کے اندر سینے پر رکھنے کی وصیت کروں گا تا کہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔"

چورہ شریف کا احترام

سرزمین چورہ شریف سے ابـاً عن جدٍّ آپ کی عقیدت مثالی تھی۔ایک دفعہ چورہ شریف کی حاضری کے دوران فرمانے لگے" مجھے ان فضاؤں میں ہر طرف انوار چمکتے نظر آرہے ہیں"۔

ایک مرتبہ جب چورہ شریف کے صاحبزادگان کا آپس میں کچھ اختلاف ہو گیا تو عرس شریف کے موقع پر خطاب کے دوران آپ نے فرمایا "اے مشائخ

وصاحب زادگان چورہ شریف! تمہاری رگوں میں قطب العالمین حضور قبلہ باواجی نور محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کا خون ہے۔تم تو باواجی کی اولاد ہو۔ میں تو چورہ شریف کے کتوں کا احترام بھی لازم سمجھتا ہوں۔لہٰذا میں آپ کے کسی معاملہ میں فریق نہیں بن سکتا۔

پھر فرمایا...... میں باواجی کی اولاد کا غلام ہوں۔میرے جدامجد چورہ شریف میں ننگے پاؤں پیدل حاضری دیا کرتے تھے۔ میں بادشاہوں سے کبھی نہیں ڈرا، سیاست دان میرے سامنے طفل مکتب ہیں' اہل زبان میرے حلقہ سخن میں زیر تربیت ہیں' حاکموں اور جابروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارنا میرا ورثہ ہے، میں کبھی کسی میدان میں مرعوب نہیں ہوا لیکن جب کوئی بوریا نشین مرد فقیر دیکھتا ہوں تو نگاہیں جھک جاتی ہیں اور اس کا ادب واحترام دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

سات ولیوں کی گود میں

خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن اپنی نجی محفلوں میں بطور خاص فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سات ولیوں کی گود میں بیٹھنے اور کھیلنے کا شرف حاصل ہوا ہے جن میں حضرت جدامجد سیدنا خواجہ محمد امین المعروف حضرت ثانی اور والد ماجد حضرت خواجہ سید محمد حسین شاہ، حضرت خواجہ احمد نبی زلفاں والی سرکار (چورہ شریف) حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری علیہم الرحمۃ والرضوان کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ایک بار آپ فرمانے لگے کہ حضرت پیر لاثانی نے اس وقت مجھے گود میں بٹھا کر پیار کیا جب میں جوان تھا۔آپ نے مجھے جن دعاؤں اور محبت آمیز کلمات سے نوازا وہ میری زندگی کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

ایک بار علی پور شریف میں عرس کے موقعہ پر خطابت کے لوءلوءے لالہ لٹاتے ہوئے فرمانے لگے سنیو! تمہیں علماء ومشائخ تو بہت ملیں گے لیکن کوئی فیض الحسن نہیں

ملے گا کیونکہ نہ اب کسی کو پیر لاثانی ملے گا...... نہ ان کی گود ملے گی ...... اور نہ کوئی مجھ جیسا گود میں بیٹھنے والا ملے گا۔

پیر لاثانی کا فرمان

بعض لوگوں نے حضرت پیر لاثانی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب کو مجلس احرار سے علیحدہ ہو جانے کا حکم فرمائیں؟۔
حضرت پیر لاثانی نے ان سے اظہار ناراضگی کے طور پر فرمایا......

تمہیں کیا معلوم! فیض الحسن کون ہے؟ یہ جہاں رہے گا اپنی تہذیب اور اپنے ورثے کا وفادار رہے گا۔ اس کے فطری جوہر میں اس کے آباؤ اجداد کے فیض و تربیت کا پورا اثر موجود ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

بچہ بط گرچہ شبینہ بود
آب دریاش تا بہ سینہ بود

آپ نے فرمایا کہ بطخ کے بچے کو تیرنا کوئی نہیں سکھاتا۔ وہ فطری طور پر تیرنا سیکھ کر آتا ہے۔

مسلکی خدمات

حضرت پیر لاثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ فیض الحسن سے مسلک اہل سنت کے بڑے بڑے کام لے گا اور ان کے دم قدم سے اہل سنت کو بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ چنانچہ حضرت پیر لاثانی کا یہ فرمان ہو بہو پورا ہوا۔

❁...... حضرت خطیب الاسلام نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک جمعیت علمائے پاکستان کی صدارت فرمائی۔

❁...... مسلکی تشخص اور اعتقادی تعین کی خاطر اپنوں اور بیگانوں کے ہاتھوں مسلسل تختۂ مشق ستم بنتے رہے لیکن پاکستان میں تحفظ حقوق اہل سنت کی خاطر عملی

جدو جہد فرماتے رہے۔

۞ ...... سکندر مرزا کے دور سے لے کر صدر ضیاء الحق کے دور حکومت تک اس مرد خدا کو ہمیشہ استغناء، توکل اور فقر غیور کا پیکر پایا۔

۞ ...... سربراہان مملکت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت ایمانی اور دلیری کے ساتھ بات کرنے والا ایسا انسان اس دور میں نظر نہیں آتا۔

۞ ...... ایوبی دور میں آپ کو وزارت تعلیم کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے ٹھکرا دی۔

۞ ...... صدر ضیاء نے بطور مذہبی مشیر صدر پاکستان نامزدگی کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا!

''ہم فقیروں کی اولاد ہیں' ہمیں مصلیٰ اور چٹائی زیبا ہے۔ اقتدار کی ہوس ہمارے دل کے کسی کونے میں موجود نہیں ہے۔

۞ ...... یہ حقیقت محتاج دلیل نہیں' کہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلے نظام مصطفےٰ کا نعرہ آپ نے ہی بلند فرمایا تھا۔ بعد میں یہی نعرہ پوری قوم کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ آپ کی سیاست پر ہمیشہ عشق رسول اور تحفظ مسلک کا غلبہ رہا۔ اے کاش! اگر جمعیت کی موجودہ قیادت اسی مشن پر قائم رہتی تو آج اہل سنت اس زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے۔

۞ ...... آپ نے ہر میدان میں اہل سنت کے حقوق و مفادات کی جنگ لڑی۔ آپ نے حکومت وقت کو گالیاں دینے کی بجائے مشاورت اور نصیحت کا شعار اپنایا تھا۔ آپ کے اس موقف سے اپنوں کو بھی اختلاف رہا مگر حالات بدلنے اور سیاست کا مطلع صاف ہونے پر آپ کا موقف سو فیصد درست ثابت ہوا۔

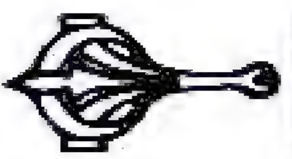
۞ ...... ریڈیو پاکستان پر محفل میلاد اور دیگر بعض اسلامی تہواروں پر تعطیلات کا پروگرام آپ کی کوششوں سے ہوا۔

۞...... جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں امام اہل سنت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کی تعیناتی اور بادشاہی مسجد لاہور میں سنی خطیب کے تقرر کے سلسلے میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔

۞...... ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان نے لادینی نظریات کا پرچار کیا تو اس کے خلاف آواز بلند کی جس پر حکومت نے اسے معزول کر دیا۔

۞...... بادشاہی مسجد کے خطیب مولوی غلام مرشد نے قربانی کا انکار کیا تو آپ نے حکومت کو سات دن کی مہلت دی کہ اس کو برطرف کیا جائے ورنہ ہم راست اقدام کریں گے چنانچہ حکومت نے اسکو سات دن کے اندر اندر معطل کر دیا۔

۞...... ایوبی دور میں عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا مسئلہ سامنے آیا۔ اکابر علمائے اہل سنت نے متفقہ طور پر فتویٰ صادر فرمایا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی۔ اس وقت مصلحت اندیش بعض علماء ومشائخ میدان عمل میں کودنے سے گریزاں تھے لیکن حضرت خطیب الاسلام نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کے دونوں (مشرقی اور مغربی) بازوؤں کے تمام نمایاں شہروں میں طوفانی دورے کئے۔ جلسے اور کانفرنسیں منعقد کیں۔ باطل نظریات کے حامیوں کو للکارا۔ عورت کی سربراہی کے قائلین کو مناظرے اور مباہلے کی دعوتیں دی لیکن وہ مقابلے میں نہ آسکے۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جب تک فیض الحسن زندہ ہے...... اس ملک پر عورت کی حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آپ کی اس جرأت اور غیرت نے پاکستان کے مسلمانوں کی فکر میں انقلاب برپا کر دیا اور پورے ملک کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ آج پاکستانی قوم پھر اسی کش مکش سے دوچار ہے۔ لیکن اے کاش! اب کوئی فیض الحسن نظر نہیں آتا جو امت مسلمہ کو اس گرداب بلا سے بچا کر آسودۂ ساحل کر دے۔



ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے روز روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

سنّی مؤرّخین سے شکوہ!

ہمیں غیروں سے تو کوئی سروکار نہیں، اپنوں سے بجا طور پر شکوہ ہے کہ انہوں نے بھی حضرت خطیب الاسلام کی سیرت کے روشن پہلوؤں سے اغماض کیا ہے۔ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی اور محمد صادق قصوری کی تحریروں سے بخل کی بو آتی ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

جمعیت العلماء پاکستان کے دستور العمل میں جمعیت کی تاریخ سے آپ کا نام تک بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ تاریخی خیانت ہے جب کہ اس دستور کے مرتب (یادش بخیر) علامہ محمود احمد رضوی (مرحوم) ہیں جو حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں کافی عرصہ جمعیت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ حضرت کے ان پر بے شمار احسانات بھی ہیں لیکن ان کے وصال کے بعد وہ تمام تعلقات زینت طاق نسیاں بن گئے۔ **فیاللعجب**

جہڑے کہندے سی مراں گے نال تیرے
آیا وقت تے چھڈ گے یار ٹرگئے
بدلہ میریاں وفاواں دا دین بدلے
میری قبر تے سٹ کے ہار ٹرگئے

شاعر مشرق سے تعلق

ایک بار فرمانے لگے کہ میں شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ مرید ہندی کی حیثیت سے پیر رومی سے فکری راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں

لب بہ بند وگوش بند و چشم بند
گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

جب کہ آپ (علامہ اقبال) فرماتے ہیں

چشم و گوش و لب کشا اے ہوش مند
گر نہ بینی سر حق بر من بخند

اس لحاظ سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسرار حق دیکھنے کے لئے لب، کان اور آنکھیں بند کرنے کی تلقین کرتے ہیں جب کہ آپ لب، کان اور آنکھ کھلے رکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ پیر رومی اور مرید ہندی کی فکر میں یہ تفاوت کیوں؟

میرے اس سوال پر علامہ اقبال فرمانے لگے کہ

''پیر اور مرید کا انداز فکر یکساں ہے۔ پیر رومی کہتے ہیں اپنے حواس کو اغیار کی طرف سے بند کر، جب کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اپنے حواس کو خدا کی جانب کھول لے''۔

علامہ اقبال کے پنجابی کے الفاظ یوں تھے کہ:

''بند کر لے اغیار ولوں...... تے کھول لے یار ول''

علامہ اقبال آلومہار شریف میں

۱۹۶۸ء میں جب پہلی بار حضرت خطیب الاسلام کو عارضہ قلب لاحق ہوا تو آپ ماہر امراض قلب ڈاکٹر رؤف یوسف (لاہور) کے پاس ای سی جی کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ عاجز (راقم الحروف) بھی وہاں پہنچا۔ دوران گفتگو ڈاکٹر رؤف صاحب نے بتایا کہ حضرت علامہ اقبال کے ساتھ میرے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن میں نے پوچھا علامہ صاحب! میں کچھ عرصہ سے آپ کے مزاج میں نمایاں

تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔

آپ کے اشعار وافکار عشق رسول ﷺ اور تصوف کے سانچے میں ڈھلتے جارہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

تو علامہ اقبال نے فرمایا بعض بزرگوں کی زیارت اور صحبت نے میرے دل میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ان میں سے ایک بزرگ قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ آلومہار شریف والے ہیں اور دوسرے بزرگ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری ہیں۔

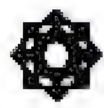
جب میں آلومہار شریف میں حاضر ہوا تو حضرت خواجہ محمد امین شاہ علیہ الرحمہ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور نگاہ مست سے میری طرف دیکھا، سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور زبان سے فرمایا...... بیٹا! تم بڑے خوش نصیب ہو۔اللہ تعالیٰ تم سے ملت اسلامیہ کی خدمت کا کام لیں گے۔میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ روزانہ کثرت سے درود خضری پڑھا کرو۔

علامہ اقبال نے کہا...... اچانک یوں محسوس ہونے لگا کہ میرے جسم سے بوجھ اتر رہا ہے۔سینے میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اس کے بعد میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔اس دن سے میرا معمول ہے کہ روزانہ دس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں۔اسی فیضان کا اثر ہے کہ میرے سینے میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہے اور میں الحمد للہ یقین کی حد تک اس امر کا قائل ہوں کہ واقعی اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر ہوتی ہے اور ان کی توجہات کا فیضان، قلب ونظر میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔

غالباً اسی فیضان کے مشاہداتی نتیجے کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

خطیب الاسلام، ابوالکلام، حضرت
صاحبزادہ سید فیض الحسن قدس سرہ الاحسن
کی سیرت کا ایک باب



لقب خطیب الاسلام، کنیت ابوالکلام، ادب و انشاء کا امام، منکرین ختم نبوت کے لئے شمشیرِ بے نیام، عظمت اسلاف کی آواز، دنیائے طریقت کا شہباز، ناموس رسالت کا پاسدار، میدان خطابت کا شہسوار، نازش اولیائے آلومہار، گلشن مجددیت کی بہار، علم کا معدن، عشق کا بانکپن، اسلام کا محسن، اقبال کا مرد مومن، مذہباً حنفی، مشرباً مجددی، خطیب عجیب، ادیب لبیب، قائد سیاست، مجاہد ملت، شاعر دربار رسالت، قافلہ سالار تحریک خلافت، امیر شریعت، پیر طریقت ایسے نظر افروز اور دل آویز رنگا رنگ اوصاف حمیدہ سے تشکیل پانے والی حسین و جمیل، سرو قامت شخصیت کا نام نامی اسم گرامی خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

خوش قسمتی سے حضرت خطیب الاسلام کو آلومہار شریف کی وہ مقدس سرزمین میسر آئی جو ہمیشہ سے اولیائے کرام کا مرکز ومحور رہی ہے۔ آلومہار شریف شہر اقبال (سیالکوٹ) کے قرب و جوار میں ڈسکہ سے سیالکوٹ روڈ پر واقع ہے۔ بظاہر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر حقیقتاً بڑے بڑے شہروں کا جاہ وجلال اور حسن وجمال اس کی دیواروں میں پوشیدہ ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایسے صاحبان کمال پیدا ہوئے جن کی ایمانی اور روحانی یادیں قلب گیتی میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس قصبہ (آلومہار شریف) کی سرزمین کے ذروں نے زمانے کے اقطاب

وابدال کے قدم چومے ہیں۔اس مے خانہ سے روحانیت اور رشد وہدایت کے سوتے پھوٹے ہیں۔ یہاں بادہ نوشوں کوساقی کی کوتاہ دستی کی کبھی شکایت نہ ہوئی۔

قبلہ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کو اسی پاک آستانے کی سجادہ نشینی کا شرف ۱۹۳۳ء میں حاصل ہوا۔ چونکہ آپ نے ولایت کی آغوش میں تربیت پائی تھی اس لیے خاندانی کمالات پورے طور پر ظاہر ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور اور مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے آلومہار شریف کے آستانہ کے بزرگ مدرسین مولانا عبدالمجید سنبھلی اور مولانا لطف اللہ کیرت پوری سے علوم دینیہ عربیہ حاصل کیے۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ تقریر وخطابت کے دھنی تھے۔ علماوصلحاء کی تعلیم وتربیت سونے پر سہاگے کا کام کرگئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر کے جن نامور خطیبوں نے اپنی مجاہدانہ خطابت کے ذریعے ایوان باطل کو لرزہ براندام کردیا ان میں خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن کا نام سرفہرست ہے ۔ خانقاہ سے نکل کر میدان عمل میں کودے تو تحریک ختم نبوت کے ہیرو بن گئے۔ پورا ہندوستان آپ کی خطابت اور جادو بیانی کی زد میں تھا۔ کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا بیان سامعین کو مسحور ومسرور کردیتا تھا۔

حضرت خطیب الاسلام نے خانقاہ سے نکل کر رسم شبیری ادا کرتے ہوئے کسی خطرے کی پرواہ نہ کی بلکہ آپ نے اس وقت انگریز راج کو للکارا جب ہر طرف غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے مسلط تھے اور حکمرانوں سے ٹکر لینا موت کو دعوت دینا تھا۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی ایک خودنوشت سوانح میں رقم طراز ہیں کہ

''یہ خلافت اور کانگریس کی ہنگامہ خیز تحریکات کا دور تھا۔ میرا عنفوان شباب تھا اور تحریکات کے ہنگامے۔ اس دور میں مجلس احرار اسلام مسلمانوں میں حریت پسند جماعت سمجھی جاتی تھی۔ ''مجلس احرار اسلام'' نے تحفظ ختم نبوت کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ سیاسی وجہ

سے کم لیکن دینی وجہ سے زیادہ خدمت ختم نبوت کے لئے میں نے احرار سے تعاون کیا۔
آپ ایک اور جگہ اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ

''میں نے اپنے دور میں ترکوں پر فرنگی یلغار کا منظر دیکھا۔ مشترکہ ہندوستان میں اس کے خلاف اجتماعی ردعمل کا مطالعہ کیا اور اپنے دور طفولیت میں اس سے خاص اثر لیا، خلافت کی تحریک کو دیکھا اور طویل جمود کے بعد اسلامیان ہند کی ملی بہادری پر خدا کا شکر ادا کیا۔ انگریز کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ''تحریک حریت وطن'' میں حصہ لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میرے والد گرامی نے سرکاری اعزازات چھوڑے، میں نے بھی اس ہنگامہ خیز دور میں ہنگاموں کا ساتھ دیا لیکن ہندو کی متعصّبانہ روش نے کانگرس سے دور ہی رکھا اور الحمدللہ میری زندگی میں ہی تحفظ ختم نبوت کا ایک عظیم مرحلہ کامیابی سے طے ہوا۔ تحریک فلسطین سے اسلام اور اسلامیان پاکستان کا بڑا دیرینہ رابطہ ہے اس سلسلہ میں بھی تحریک چلی اور مجھے کئی فلسطینی بھائیوں کے ساتھ جہاد حریت میں قید و بند کے رنگ میں حصہ لینے کا موقعہ ملا۔

جہاد کشمیر کیلئے پچیس ہزار رضا کاروں کا اعلان

جہاد کشمیر میں آپ نے ''انجمن مجاہدین کشمیر'' کے نام سے ایک تنظیم قائم فرمائی اور پچیس ہزار رضا کاروں کی بھرتی، ٹریننگ کا اہتمام کیا۔ مجاہدین کے قافلوں کی قیادت کرتے ہوئے آزادی کشمیر کے ہراول دستوں میں پیش پیش رہے۔ مجاہدین کشمیر کے لئے عطیات، سامان خورد و نوش اور اسلحہ کے لئے فنڈ ز مہیا کرنے میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا۔

مجلس احرار کے جانباز مرزا اپنی تصنیف ''کاروان احرار'' جلد دوم میں رقمطراز ہیں:

''خانقاہ آلومہار شریف کے سجادہ نشین صاحبزادہ سید فیض الحسن کردار اور

گفتار کے غازی تھے۔ وہ جب تک احرار سے وابستہ رہے برطانوی سامراج ان کے خلاف کئی بہانے تراشتا رہا لیکن ان کی جرات ایمانی نے دشمن کو ہر موڑ پر شکست دی۔ اس دوران ان کی منزل کے راستے میں علاوہ دیگر مصائب کے جیل خانہ بھی آیا لیکن قفس کی تیلیاں منزل کو او جھل نہ کر سکیں‘‘۔

پنجاب کے روایتی پیروں سے الگ تھلگ انہوں نے اپنے لئے انفرادی مقام حاصل کیا حالانکہ مشاطۂ فطرت نے ان کے بناؤ سنگھار میں کہیں بخل سے کام نہیں لیا۔ مضبوط جسم، سروقد، کھلے گندمی رنگ کے چہرے پر چشم آ ہو نے ایسی بہار باندھ رکھی تھی کہ الامان والحفیظ ؎

اکھیاں یار میرے دیاں توبہ معاذاللہ
جیویں بھریاں پھرن دیوانیاں نیں

اس پر کردار کا یہ عالم کہ جس راہ سے گزر جاتے آہٹ تک نہ ہوتی تھی۔ انہی اوصاف کی بنا پر جماعت نے انہیں عسکری ذمہ داریاں سونپ دیں، جنہیں انہوں نے خوب نبھایا۔ الغرض خطیب الاسلام کی پوری زندگی حریت و آزادی اور ایثار و قربانی کی علامت تھی اگر دن پیچ و تاب رازی میں گزرا تو رات سوز و ساز رومی میں بسر ہوئی۔ جمعیت علمائے پاکستان کے صدر اور جمعیت المشائخ کے ناظم اعلیٰ رہنے کے علاوہ قبل ازیں مجلس احرار پنجاب کے صدر بھی رہے لیکن دینی و قومی تنظیموں میں خاص مقام حاصل رہا خصوصاً قومی سیرت کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں جن کا اعتراف خود صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے بھی کیا تھا۔

آپ خطابت و سیاست ہی کے میدان کے غازی نہ تھے بلکہ شعر و ادب کے بھی رسیا تھے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر تھے مگر کبھی تشہیر گوارا نہ کی خصوصاً نعت و منقبت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ان کے اشعار ظفر علی خان کی زبان، علامہ اقبال کے اسلوب بیان

اور حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عشق رسول ﷺ اور پیر رومی کے وجدان کا حسین مرقع ہیں۔ جن کا ثبوت ان کا نعتیہ مجموعہ ''ارمغان فیض'' ہے جو عالمی ادارہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

آپ نے شہید گنج تحریک، شدھی تحریک اور شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک کے دوران یوں عملی کردار ادا کیا کہ عاشقان رسول ﷺ کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی ولولہ انگیز تقریر سے ہوا۔ وہ تحریک ختم نبوت کے قائد تھے۔ آپ نے قادیانیت کے سحر باطل کے خاتمے کے لئے علماء ومشائخ اور سیاسی اکابرین کے ساتھ مل کر نصف صدی سے زیادہ عرصہ کام کیا۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی پوری زندگی کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی نصف زندگی جیل میں اور نصف زندگی ریل میں گزر گئی۔

آپ گفتار اور کردار کے غازی تھے۔ آپ برصغیر میں سلسلہء خطابت کی آخری کڑی تھے۔ آپ کی تقریر موجہ کوثر و سلسبیل تھی۔ روانی اور تسلسل، استعارات و مترادفات، تراکیب و تشبیہات کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ادیب، خطیب اور اہل سخن تصویر حیرت بن جاتے۔ میدان خطابت میں آپ کی ٹکر کا خطیب اب چراغ لے کر ڈھونڈ نے سے بھی نہیں مل سکتا۔ آپ بلاشبہ شہریار اقلیم خطابت تھے، تقریر کرتے تو لفظوں کے گل کدے مہکتے، جذبات کے ساغر چھلکتے اور جوش و ولولہ کے سوتے ابلتے نظر آتے۔

آپ کا انداز فکر صوفیانہ تھا۔ تصوف و طریقت کے اسرار و رموز کے اس قدر ماہر تھے کہ خود علماء و مشائخ آپ سے طریقت کے سیر و سلوک کا سبق سیکھتے۔ ساری زندگی ہنگاموں میں گزری مگر گاہے گاہے پہلو بچا کر تشنگان تصوف کی روحانی تسکین کے لئے محفل ذکر و ذوق بھی بسا لیتے۔ آپ نے نظریہء پاکستان کی عملاً حفاظت کے لئے ہر مشکل ساعت میں ملک و ملت کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء

کی پاک بھارت جنگ میں عوام کے جذبہ ایمانی کو زندہ رکھنے اور اسلامیان وطن کے دلوں کو جذبہ جہاد سے گرمانے کی خاطر بے شمار اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ ریڈیو پاکستان سے تقاریر نشر کیں جس پر حکومت کی طرف سے آپ کو تمغہ پاکستان دیا گیا۔

صدر جمعیۃ العلماء پاکستان

آپ کی بے پناہ دینی، تبلیغی و روحانی خدمات کے اعتراف کے طور پر کل پاکستان جمعیت علماء پاکستان کانفرنس میں آپ کو پہلے مغربی پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا اور پھر غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جمعیت کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ یہ ذمہ داری آپ نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک نبھائی۔ اسلام کی ابدی اقدار کی ترویج اور مسلک اہل سنت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کے بیشمار کارنامے ہمیشہ یادرہیں گے۔

وصال پر ملال

آخر کار آپ پندرہ برس تک دل کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۳ فروری ۱۹۸۴ء بروز جمعرات سرائے فانی سے عالم باقی کی طرف سدھارے۔ آپ کے آخری الفاظ کلمہ طیبہ وذکر کے بعد یہ تھے۔

"روشنی آرہی ہے پردے ہٹادو"

آپ کو آلومہار شریف میں اپنے آباؤاجداد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

انالله وانا اليه راجعون

آپ کے وصال پر حضرت مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ارتجالاً جو چند اشعار پیش کئے وہ نذر قارئین ہیں

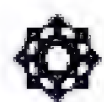
اہل سنت کے امام ومتقداء

چل بسے خلد آشیاں، فیض الحسن — رازداں، معجز بیاں، کوثر دہن
اہل سنت کے امام و مقتداء — باخدا مومن، محبّ پنجتن
ملی و دینی، سیاسی رہنما — نازش ملت، فدا کار وطن
باکمال و نامور، ہر دلعزیز — مقتدا، ممدوح، شیخ و برہمن
ترجمان عالمان و عارفاں — حق شناس وحق نگر، باطل شکن
قائدوغازی، سخی، مصلح، خطیب — آپ پر تھا خاص فضل ذوالمنن
ہوگیا خاموش وہ بیدار مغز — بجھ گیا، روشن چراغِ انجمن

خطیب الاسلام حضرت

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حقائق کے آئینے میں



پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقعہ پر تمام جماعتیں اور تنظیمیں اپنے اپنے قائدین کی تحریک پاکستان میں کوششوں اور کارناموں پر روشنی ڈال رہی ہیں لیکن یہ امر نہایت ہی قابل افسوس ہے کہ آجکل کے اکثر سنی مؤرخین اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ کسی تعصب اور عناد کی وجہ سے بعض شخصیتوں کے سنہری کارناموں سے عوام الناس کو عمداً بے خبر رکھا جاتا ہے اور اسکی بنیاد، سنیوں کے اندر ذاتی اور گروہی اختلافات ہیں جنہوں نے ان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہوا ہے۔ مگر

''کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی''

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ آلو مہار شریف کی ذات، ایک عہد آفرین اور تاریخ ساز شخصیت ہے مگر حسد کی بنیاد پر کچھ اپنے اور کچھ بیگانے ہمیشہ زبان طعن دراز کرتے رہے اور مجلس احرار میں آپ کی شمولیت کو بھی غلط رنگ دیتے رہے، حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس احرار میں شمولیت نہ مسلکی بنیادوں پر تھی اور نہ ہی سیاسی بنیادوں پر بلکہ مجلس احرار میں آپ کی شمولیت تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے لئے تھی، کیونکہ سنیوں کے پلیٹ فارم پر تحریک ختم نبوت

کے سلسلے میں اس وقت مکمل خاموشی تھی۔

خطیب الاسلام اور تحریک پاکستان

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مجلس احرار میں رہ کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور قیام پاکستان کی پرزور حمایت کی۔

یاد رہے کہ مجلس احرار میں دو گروپ تھے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری گروپ (یہ گروپ قیام پاکستان کا مخالف تھا) اور دوسرا چوہدری افضل حق گروپ (جو کہ پاکستان کا حامی تھا) صاحبزادہ سید فیض الحسن تحریک پاکستان کے حامی گروپ سے متعلق تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کے وصال پر مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک تحریری تعزیتی پیغام میں فرمایا:

''مرحوم نے تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ آپ مجلس احرار میں رہتے ہوئے بھی قیام پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے شرعی نظام کے نفاذ کے لئے زبردست جدوجہد کی''۔ (شہریار خطابت شائع کردہ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ)

اہل گوجرانوالہ گواہ ہیں کہ جب قائداعظم تحریک پاکستان کے سلسلے میں گوجرانوالہ پہنچے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نمایاں طور پر انکا استقبال کرنے والوں اور نظریہ پاکستان کی پرجوش حمایت کرنے والوں میں حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کا نام سرفہرست آتا ہے اور گوجرانوالہ میں ان کے ساتھ ان کے خلفاء، مریدین، علماء کرام ومشائخ عظام میں درج ذیل حضرات بھی مسلم لیگ کی حمایت میں قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔

حضرت میاں محمد بڈھا صاحب (دادوالی شریف ضلع گوجرانوالہ)

حضرت مولانا محمد شریف (گھکھڑ)

شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی (وزیرآباد)
حضرت مولانا مفتی بشیر حسین (گوجرانوالہ)
حضرت مولانا صابر حسین (گوجرانوالہ)
حضرت مولانا صوفی نظام الدین (گوجرانوالہ)
حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی (گوجرانوالہ) (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

مجلس احرار میں آپ کے کردار کے بارے میں روزنامہ ''امروز'' کا اداریہ نویس لکھتا ہے۔

''صاحبزادہ سید فیض الحسن قیام پاکستان سے قبل اگرچہ مجلس احرار کے رکن تھے مگر حامیان پاکستان میں شامل تھے۔ان کا موقف تھا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درست ہے اوراس کے حصول کے لئے ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہئے۔وہ ہندوستان کے نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس نظریئے کے سخت خلاف تھے کہ پہلے انگریز کو ہندوستان سے نکالو، بعد میں پاکستان کا مطالبہ کرو۔ان کا موقف تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں کی بالادستی سے بیک وقت نجات حاصل کرلی جائے۔انہوں نے اپنے اس نظریئے کی پرجوش تبلیغ کی اورمخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ان کی علمی ،دینی اور ملی خدمات کا اعتراف ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کیا۔۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی تقریر سے ہوا۔انہوں نے شہید گنج تحریک ،شدھی تحریک ،اورشاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔مجموعی طور پر چار سال قید کاٹی۔ (روزنامہ امروز ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء لاہور)

ایک اور ستم ظریفی

ماہنامہ ''القول السدید'' لاہور کی اشاعت جولائی ۱۹۹۷ء کے صفحہ ۷۸ پر تحریر فرمایا گیا ہے:

''جب صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب مرحوم احرار پارٹی چھوڑ کر جمعیت کی طرف مائل ہوئے اور علامہ کاظمی صاحب سے مصافحہ کرنے لگے تو آپ نے مصافحہ نہ کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ آپ دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور میں تکفیر کرتا ہوں''

ہمارے خیال کے مطابق یہ سنی سنائی اور غیر مصدّقہ بات ہے۔ پہلے اس قسم کا ایک مصدقہ واقعہ ملاحظہ فرمالیجئے!

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ (محدث اعظم پاکستان) کے بارے میں مشہور ہے اور راقم الحروف نے وہ واقعہ خود حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ تاجدار آلومہار شریف کی زبانی سنا تھا اور قطب عالم حضرت پیر سید چراغ علی شاہ مراڑہ شریف کے عالی خاندان کے بعض مشائخ نے اس واقعہ کو اپنی مجلسوں میں بارہا بیان فرمایا ہے۔

''کہ فیصل آباد کے مضافات میں کسی جلسے پر حضرت شیخ الحدیث قبلہ اور حضرت خطیب الاسلام قبلہ کا ایک ہی اسٹیج پر خطاب تھا۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی روایتی اخلاقی بلندی کے تحت خود ہی حضرت شیخ الحدیث کی ملاقات کے لئے اس کمرے کی طرف چل دیئے جس میں وہ تشریف فرما تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کو جب آپ کے آنے کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا اور ملاقات نہ کی۔

بتایا گیا کہ حضرت شیخ الحدیث نے یہ معاملہ اس بنا پر کیا ہے کہ ان کے خیال میں علمائے دیوبند کی گستاخانہ عبارات کے بارے میں صاحبزادہ صاحب کا موقف واضح نہیں ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا مناسب تو یہ تھا کہ حضرت مجھ سے وضاحت طلب فرمالیتے''

بہر حال یہ واقعہ جب قطب عالم پیر چراغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاجدار مراڑہ شریف کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ کسی قریبی ملاقات میں سخت ناراضگی اور افسوس کا اظہار فرمایا کہ

آپ جیسی باعظمت شخصیت سے یہ توقع ہرگز نہ تھی' شاید آپ نہیں جانتے کہ صاحبزادہ سید فیض الحسن کس شان کے مالک ہیں؟ اہلسنت کے عقائد تو لوگ ان کے آستانے کے خادموں سے سیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے خود دیکھا کہ قطب حقانی حضرت سیدنا پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو (انکی جوانی کے عالم میں) اپنی گود میں بٹھاتے اور سینے سے لگا کر فرمایا کرتے کہ

''اس شہزادے کے وجود مسعود کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہلسنت کو بہت فائدے پہنچائیں گے''

اسی پیشگوئی اور فراست ایمانی کی روشنی میں قطب مراڑوی نے مشائخ و علمائے اہل سنت کو مشورہ دیا تھا کہ صاحبزادہ صاحب کی قیادت میں جمع ہو جائیں۔

یہی وجہ تھی کہ جامعہ نعیمیہ لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی اجلاس میں صاحبزادہ صاحب قبلہ کو مدعو کیا گیا اور آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ جمعیت کی صدارت قبول فرمائیں۔ آپ خود مائل نہیں ہوئے بلکہ پوری جمعیت آپ کی طرف مائل ہوئی تھی۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب بعض علماء کرام اور مفتیان قوم (سر دست نام لکھنا مناسب نہیں) محترمہ فاطمہ جناح اور مودودی صاحب کی حمایت میں اکٹھے ہوئے اور فتویٰ جاری کیا کہ ''عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے۔

تو اس نازک موڑ پر اہل سنت کے اکابر علماء و مشائخ نے جمع ہو کر اس فتوے کی

شدید مذمت کی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ سید ابو البرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی فتویٰ جاری فرمایا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی لہذا ہم فیلڈ مارشل ایوب خان کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔ اس فتویٰ کی پاکستان کے ہزاروں علماء و مشائخ نے تصدیق وتائید فرمائی اور سب نے مل کر حضرت خطیب الاسلام سے اپیل کی کہ ہمیں آپ کی سیاسی صدارت وقیادت پر مکمل اعتماد ہے۔ آپ اس وقت سیاسی دنگل میں کود کر اہلسنت کے سفینے کو کامیابی کے ساتھ ساحل مراد سے ہمکنار فرمائیں۔ آپ نے علماء کرام کے اعتماد کو منزل مقصود تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ آپ کی قیادت میں امام اہلسنت حضرت علامہ کاظمی (ملتان)، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی (گجرات) خطیب پاکستان علامہ حافظ محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی) خطیب اہلسنت مولانا محمد شریف نوری (لاہور)، بین الاقوامی قاری مولانا قاری غلام رسول (لاہور)، حضرت صاحبزادہ محمد طیب (ہری پور ہزارہ)، حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے (لاہور)، حضرت علامہ محمود احمد رضوی (لاہور)، حضرت مفتی مختار احمد نعیمی (گجرات)، راقم الحروف (ابو البیان محمد سعید احمد مجددی) اور دیگر کئی علماء ومشائخ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے دورے کئے۔ ڈھاکہ چاٹگام اور سلہٹ کے میدانوں سے لے کر نشتر پارک کراچی اور موچی دروازہ لاہور تک اور وہاں سے لے کر لیاقت باغ راولپنڈی اور یادگار چوک پشاور تک کانفرنسیں اور جلسے منعقد کئے، مودودی اور ان کے حامی علماء کو مباہلے اور مناظرے کے چیلنج دیئے لیکن محمدی کچھار کے شیروں کے مقابلے میں کوئی نہ آسکا۔ پورے ملک میں انقلاب آ گیا لوگوں کے دل ودماغ بدل گئے' آنے والے انتخابات میں عوام نے ایوب خان کو صدر چن لیا اور عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا فتنہ وقتی طور پر دب گیا اور اس طرح بفضلہٖ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کی پرعزم قیادت نے مفتی اعظم پاکستان کے فتوے کی لاج بھی رکھ لی اور پاکستان کے سنیوں کی آبرو بھی بچالی اور یوں زمانے کی دو

مسلمہ شخصیات کی پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس عظیم انقلابی کامیابی پر حاسدین اور بھی سیخ پا ہوکر حضرت خطیب الاسلام کی کردار کشی کے درپے ہوگئے۔ جس پر آپ نے صرف یہ جواب دیا کہ

''میں نے مفتی اعظم پاکستان اور دیگر علماء و مشائخ کے حکم اور فتویٰ کی تعمیل کی ہے۔ اگر ایوب خان کی حمایت کے سلسلے میں میرا اقدام آپ کی نظروں میں غلط ہے تو یہ غلطی میری نہیں فتویٰ دینے والوں کی ہے آپ لوگ ان کی طرف رجوع کریں!''

ایوب خاں کی حمایت سیاسی عمل نہ تھا بلکہ حقوق اہلسنت کا تقاضا تھا

قارئین کرام پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہئے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اکابرین اہلسنت کی مشاورت سے دینی ضرورت کے تحت ایوب خان کی حمایت کی تھی اور بقول حضرت علامہ کاظمی اقل القبیحتین کو اختیار کیا تھا تاکہ اس ملک کو آنے والے سیلاب بد مذہبی سے بچایا جائے۔ بعض کم فہموں نے اس حمایت کو سیاسی اور مفاداتی گٹھ جوڑ سمجھ لیا تھا اور آج تک غلط فہمیاں پھیلانے میں مصروف ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے) چونکہ صدر ایوب خان مرحوم کی حمایت محض سیاسی عمل نہ تھا بلکہ اہل سنت کی مذہبی ضرورت تھی، اسی بنیاد پر ایوب خان نے نفاذ نظام مصطفیٰ کا وعدہ کیا تھا، جو بعد میں وہ پورا نہ کرسکا اور علماء اس کی حمایت سے دستبردار ہوتے گئے مگر خطیب الاسلام نے حقوق اہل سنت کے سلسلے میں چند اہم کارنامے ضرور انجام دے لئے تھے مثلاً

- سالانہ جشن میلاد اور سالانہ گیارہویں شریف کی تعطیلات منظور کروائیں اور ان کو سرکاری سرپرستی دلائی۔
- ریڈیو پاکستان پر محفل میلاد کا آغاز کرایا۔

- ...... شاہی مسجد لاہور سے ایک بد مذہب خطیب (منکر قربانی) کو الگ کرایا اور علامہ قیوم الٰہی عرفانی کو خطیب متعین کرایا۔
- ...... جامعہ اسلامیہ بہاولپور یونیورسٹی میں اہل سنت کی نمائندگی کے لئے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کو بطور شیخ الحدیث خدمات سپرد کروائیں۔
- ...... سیکولر ذہن رکھنے والے فضل الرحمان کو ڈائریکٹر مذہبی امور کے عہدہ سے الگ کرایا۔
- ...... فوج میں اہلسنت کے دینی مدارس کے علماء اور خطباء کی تعیناتی کے لئے کام کا آغاز کیا جو بعد میں قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ کے دور صدارت میں مکمل ہوا۔ وغیرہا

شیخ الاسلام کا اعتراف

آپ کی انہی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف تھا کہ جب آپ کے بعد حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کے صدر منتخب ہوئے اور بہت جلد ہی ہمارے علماء نے ان کے ساتھ روایتی عدم تعاون اور سرد مہری کا رویہ اختیار کر لیا تو آپ نے جمعیت کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس پر حضرت خطیب الاسلام نے استعفیٰ پر نظر ثانی کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے اتحاد سٹیلز جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کے دوران حضرت خطیب الاسلام کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''حضرت! یہ استعفیٰ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اگر اس یتیم جماعت میں آپ جیسا ایک بھی رجل رشید ہوتا تو میں کبھی مستعفی نہ ہوتا''۔

خطیب الاسلام کے حامی علماء و مشائخ

یاد رہے کہ اس دور کے حاسدین کے طوفان بدتمیزی کے مقابلے میں جو شخصیات حضرت خطیب الاسلام کی قیادت پر تحریراً اور تقریراً اظہار اعتماد فرماتی رہیں اور

عورت کے سربراہ مملکت ہونے کی مخالفت میں شرعی فتوے صادر فرماتی رہیں ان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات قادری (لاہور)، حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی (گجرات)، غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی (ملتان)، فقیہ اعظم حضرت علامہ محمد نوراللہ نعیمی (بصیر پور)، فقیہ العصر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری (کراچی)، مناظر اہلسنت حضرت مولانا محمد عمر اچھروی، مناظر اسلام مولانا محمد عنائت اللہ (سانگلہ ہل)، ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری (بھیرہ)، حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی (کراچی)، استاذ العلماء مفتی صاحبزادہ خاں (سندھ)، خطیب پاکستان علامہ حافظ محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی)، شیخ المشائخ حضرت صاحبزادہ سید کبیر علی شاہ (چورہ شریف)، صدر المشائخ حضرت پیر فضل عثمان مجددی (کابلی) ، فخر المشائخ خواجہ پیر عبدالمجید خضری (پیر آف دیول شریف)، شارح بخاری علامہ محمود احمد رضوی (لاہور)، مفکر پاکستان مولانا محمد بخش مسلم بی ایف (لاہور)، شیخ الحدیث مولانا غلام فخرالدین گانگوی (میانوالی)، حضرت شیخ الحدیث صاحبزادہ سید محمد زبیر شاہ (چکوال)، حضرت صاحبزادہ فیض علی فیضی (راولپنڈی)، خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری (لاہور)، پاسبان مسلک رضا مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی (گوجرانوالہ) کے اسمآء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں بلکہ ان دنوں ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کی ایک اشاعت میں حضرت خطیب الاسلام کی قیادت وصدارت پر اعتماد کرنے والے چند اکابر علماء کرام کے نام لکھ کر حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی نے مخالفین کو چیلنج دیا تھا:

تلک ابائی فجئنی بمثلھم

یعنی ''یہ ہیں وہ میرے بزرگ (جو خطیب الاسلام کی قیادت پر اظہار اعتماد کررہے ہیں) تمہارے پاس کوئی ان جیسا ہے تو پیش کرو!؟

آمدم برسر مطلب

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن ایک ایسے مرد مجاہد تھے جن کی للکار سے

فرنگی ایوان لرزہ براندام رہے۔

❁...... وہ ایک ایسے روحانی مربی تھے کہ علماء وصوفیاء ان سے تصوف اور سلوک کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

❁...... وہ ایک ایسے سیاسی مدبر تھے کہ زمانے کے سیاستدان ان کے آگے طفل مکتب نظر آتے تھے۔

❁...... وہ ایک ایسے لاثانی خطیب تھے کہ زمانے کے خطیب ان سے لب ولہجہ کی بھیک مانگتے تھے۔ وہ ایک ایسے محسن اہلسنت تھے کہ سنی قوم شاید اب صدیوں تک ان جیسا قائداور لیڈر نہ پاسکے گی۔

اگر ایک وقت حضرت محدث اعظم پاکستان نے ان سے مصافحہ نہ کیا تو دوسرے وقت صورت حال واضح ہونے پر محدث اعظم پاکستان جب اپنے سالانہ جلسوں پر انہیں مدعوفرماتے تو اکثر اوقات حضرت خطیب الاسلام کے استقبال کیلئے آگے بڑھتے اور بصد شوق ان کے ہاتھ چومتے اوران کے جوڑے خود اٹھا کر اپنے حجرے میں لے جاتے۔ کچھ اسی طرح کے تعلقات امام اہلسنت حضرت علامہ کاظمی اور خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن کے درمیان بھی قائم رہے۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے اور بے لوث محبتوں کے تبادلے ہوتے رہتے۔

سنی علماء ومؤرخین کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کے باہمی تعلقات کو اخلاق ومروت اور احترام ومحبت کے تقاضوں کے مطابق بیان کیا کریں۔ غیروں کو اور عوام کو یہ تاثر نہ دیا کریں کہ ہمارے بزرگوں کے درمیان نفرتوں اور ملامتوں کے حجاب قائم تھے اور وہ ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

سنی جرائد ورسائل

تمام سنی جرائد ورسائل کی مجلس ہائے ادارت سے بڑے ادب کے ساتھ یہی

گذارش ہے کہ علماء اہل سنت کے باہمی فروعی اور ذاتی اختلافات کے سلسلے میں اظہار خیال کے وقت اعتدال کا سلسلہ ضرور قائم رکھا کریں اور ہماری اس درخواست کو بھی موضوع بحث نہ بنائیں اور مناظرہ کی شکل نہ دیں کیونکہ ہم سنی لوگ اتنے گھمبیر مسائل سے دوچار ہیں کہ انکا تصور بھی قلب وجان کو غمگین بنا دیتا ہے، ہم جدال وفساد کے ہرگز متحمل نہیں!

ع خرد کی نامسلمانی سے فریاد

باقی رہا یہ معاملہ

کہ صاحبزادہ صاحب مرحوم احرار پارٹی چھوڑ کر جمعیت کی طرف مائل ہوئے تو علامہ کاظمی صاحب نے آپ سے مصافحہ نہ کیا۔

قارئین !توجہ فرمائیں !کہ حضرت صاحبزادہ صاحب جب احرار پارٹی چھوڑ کر جمعیت کی طرف مائل ہوئے تو احرار پارٹی کو چھوڑنا اس امر کی دلیل بن گیا کہ احرار کو اس کے اعتقادی اور دیگر ناپسندیدہ لوازمات سمیت چھوڑا تھا اور جمعیت کی طرف مائل ہونا جمعیت کے اعتقادی اور پسندیدہ لوازمات کی طرف مائل ہونا سمجھا جائے گا پھر مصافحہ کیوں نہ کیا......؟

اولاً تو یہ واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اگر صحیح ثابت ہو بھی جائے تو تمام مندرجات ہرگز درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ یہ الفاظ علامہ کاظمی کی عظمت شان کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور ان کی اخلاقی برتری کو دھچکا لگاتے ہیں کیونکہ جب صاحبزادہ صاحب سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے تو علامہ کاظمی صاحب کو بھی سب کچھ چھوڑ کر مصافحہ کر لینا چاہئے تھا۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مجلس احرار کسی مخصوص مسلک اور فرقے کی جماعت نہ تھی اس میں دیوبندی، سنی (بریلوی)، وہابی، شیعہ سبھی شامل تھے۔ اسکی مثال یونہی سمجھنی چاہئے جس طرح تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، اور تحریک قومی

اتحاد میں سبھی فرقوں کے علماء شامل تھے۔ اگر ان تحریکوں میں ہمارے علماء نے دیو بندیوں اور وہابیوں کے ساتھ مل جل کر حصہ لیا تھا اور ہمارے ان علماء کے عقائد میں آپ کو تردد نہیں ہوا تو بالکل اسی طرح مجلس احرار کے ساتھ مل کر ختم نبوت کیلئے کام کرنے کے سلسلے میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے عقائد کیوں مشکوک ہو گئے تھے؟

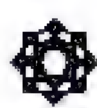
یہ حقیقت بھی متحضر رہے کہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن ابا عن جد مسلک اہل سنت پر تھے اور انہیں اپنے مسلک کی حقانیت اور اپنی طریقت کی صداقت پر کسی سے مہر لگوانے کی بھی ضرورت نہ تھی...... البتہ جمعیت علماء پاکستان کی صدارت سنبھالنے سے پہلے آپ نے مصلحتاً اپنے علماء کو اپنے عقائد کی صحت پر اعتماد میں لینے کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق وفتاوٰی کے مطابق خدمات سرانجام دینے کے معاہدے پر دستخط ضرور فرمائے تھے اور یہ دستوری تقاضا بھی تھا اور باہمی اعتماد کی بحالی کے لئے ضروری بھی۔ والحمد لله علیٰ ذالک

ماہنامہ القول السدید میں حضرت علامہ کاظمی کی طرف منسوب آخری الفاظ سے بھی ہم اتفاق نہیں کر سکتے کہ حضرت علامہ کاظمی صاحب نے صاحبزادہ صاحب سے فرمایا ”آپ دیو بندیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور میں تکفیر کرتا ہوں“

کیونکہ دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کئے گئے الفاظ درجہ صحت پر پورے نہیں اترتے۔ نہ تو صاحبزادہ صاحب کی طرف سے (منسوب شدہ بات کا اس واقعہ سے پہلے) کوئی ثبوت یا انکار ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی حضرت علامہ کاظمی نے کبھی مطلق طور پر تمام دیو بندیوں کی تکفیر فرمائی ہے اور نہ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام دیو بندیوں کو من حیث الجماعت کافر قرار دیا ہے۔ علماء اہل سنت (بریلوی) کا متفقہ مسلک یہی ہے کہ دیو بندیوں کی گستاخانہ عبارات یقیناً کفریہ ہیں اور ان پر مطلع ہونے کے باوجود جو شخص بھی (خواہ کسے باشد) ان علماء اور انکی کفریہ عبارات کی تائید وتصدیق کرے گا، وہ بھی اسی حکم میں شامل ہوگا۔

تاجدارِ اقلیم فقر وولایت، قطب الاولیاء

حضرت خواجہ **صوفی محمد علی** نقشبندی مجددی قدس سرہ' الخفی



ہمارے مرشد و مربی، آقائے ولی نعمت، تاجدار اقلیم ولایت، حضرت خواجہ صوفی محمد علی قدس سرہ الخفی مادر زاد ولی اللہ تھے۔ آلومہار شریف میں ولادت ہوئی' آپ کے والد حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ولایت کی گود میں پرورش پائی۔ حضرت ثانی حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب مولود مسعود کی خبر سنی تو آپ بچے کو دیکھنے خود تشریف لائے' گود میں اٹھایا اور گڑتی دی اور اپنے ہاتھ مبارک والی تسبیح یعنی تسبی گلے میں ڈال کر بشارت سنائی کہ یہ بچہ فقیر اور ولی ہوگا۔ بچپن سے ہی آپ کے انداز نرالے تھے۔ عام بچوں سے الگ تھلگ مزاج رکھتے تھے۔ کھیل کود، گالی گلوچ سے طبعاً متنفر تھے۔ والدین نے تعلیم قرآن کے لئے حافظ صاحب کے پاس بٹھایا' صرف پہلا آدھا پارہ پڑھا باقی سارا قرآن خود حافظ صاحب کو سنا دیا۔ سکول میں داخل کیا پہلی کلاس پڑھی مگر علم کتابی راس نہ آیا۔ باطنی علم نے فقر کی سان پر چڑھایا تو دو ہی کاموں سے غرض رہی: کبھی حضرت ثانی کے کندھوں پر سواری اور کبھی کھیتوں میں چھپ کر آہ وزاری ۔

عشق لگا کھیڈاں کھیڈ دی نوں
کھیڈاں بھلدیاں بھلدیاں بھل گیاں

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت ثالث خواجہ سید محمد

حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ (المعروف تانگے والے پیر) کی تربیت نے اور بھی رنگ دیا، حلقہء بیعت میں لیا تو سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ والدین نے حصول معاش کیلئے استاد محمد دین رنگساز کے پاس چھوڑا چندماہ ان کے پاس گزارے، مگر قدرت نے انسانوں کو رنگ چڑھانے کا کام لینا تھا، جی نہ لگا، نقشہ نویسی کا فن طبع زاد ہوا بغیر کسی ماہر فن استاد کے اس میں دلچسپی لی شاید نقاش ازل نے دلوں پر ''الله هو ''نقش کرنے کیلئے یہ ذوق ارزانی فرمایا تھا۔ ایک ایک کر کے ہر کام ادھورا رہا لیکن عشق کا جام پورا رہا۔ بستیوں اور آبادیوں سے جی اکتا گیا، خلوتوں کا ذوق غالب آیا، درد نے عشق کا جام پلایا، ہجر نے وصل کا پیغام سنایا، جنگلوں کی راہ لی۔ 28 برس تک تخلیہ، تصفیہ اور تزکیہ کی منزلیں طے کرتے رہے۔ عشاق فراق کے خوگر ہوتے ہیں۔ عشق، فراق کے آتش کدوں میں جوان ہوتا ہے کیونکہ ہجر و فراق میں عاشق کی شخصیت نکھرتی، سنورتی، ابھرتی اور پروان چڑھتی ہے۔

فراق...... آہوں کی مالا ہے لیکن امیدوں کا اجالا ہے
فراق...... درد مہجوری ہے لیکن دلیل حضوری ہے
فراق...... غموں کی سوغات ہے لیکن جلووں کی بارات ہے
فراق...... ترک شاخ وگل ہے لیکن ادراک جزو وکل ہے

عشق والے......فراق میں زہر کے جام پیتے ہیں......لیکن روز مرتے اور روز جیتے ہیں......اور ہر آن نئی جان اور نئی شان کے ساتھ ابھرتے ہیں۔

ہمارے حضرت رئیس العشاق تھے، زندگی میں جوانی کا دور امنگوں اور ترنگوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ جوانی کبھی دیوانی اور کبھی مستانی ہو جاتی ہے۔ جوانی کی بہاریں کس کو مست نہیں بناتیں؟ ''در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری'' جوانی کی سہانی رت میں دھت رہنے کے بجائے ذکر وفکر کے شراب الست سے سرمست رہنا ہی

نبیوں کی سنت اور ولیوں کی استقامت ہے۔

ہمارے حضرت کی زندگی عشق خدا و مصطفیٰ سے عبارت تھی۔ جذب وشوق کے عالم میں جنگلوں، صحراؤں، تاریک غاروں اور سر بفلک پہاڑوں تک آپ کے سوز جنوں کی داستانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لبوں پر نیم شبی کے نالے اور قدموں پر خار مغیلاں کے چھالے۔ شب غم کے اندھیرے اور صبح وصل کے اجالے آپ کی زندگی کا حاصل تھے۔

جنگلوں میں یاد خدا آپ کی غذا تھی...... درود خضری آپ کا وظیفہ تھا...... بھوک کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں سے دودھ اور شہد کا مزہ پاتے...... ذکر کرتے تو شجر و حجر بھی یہی نغمہ گاتے...... درود پڑھتے تو جانور بھی سنتے...... تلاوت کرتے تو پرندے وجد کرتے۔

چالیس برس کی عمر ہوئی تو سرہند شریف کی حاضری کا حکم ملا۔ حاضر ہوئے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت باطنی سے نوازا۔ جذب وسلوک کی تکمیل ہوئی۔ آلومہار شریف واپس پہنچے تو مرشد پاک نے ظاہری خلافت عطا کی اور مخلوق خدا کی ہدایت کیلئے مسند ارشاد پر بٹھایا۔ آپ بظاہر امی تھے لیکن علم باطنی اور لدنی سے مشرف تھے۔ علماء کو بھی وعظ و نصیحت فرماتے۔ تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کیلئے جمعہ کا خطبہ بھی دے لیتے لیکن امامت و خطابت کو بطور پیشہ اختیار نہ فرمایا، گفتگو جیسے مصری کی ڈلیاں۔ مسند ارشاد کے حوالے سے آپ کے ارشادات جمال وجلال کا آمیزہ۔ تہجد سے فجر کی نماز تک دس سپارے تلاوت قرآن اور روزانہ پانچ ہزار مرتبہ درود خضری اور چوبیس ہزار مرتبہ ذکر ''اسم ذات'' ان کی عادت ثانیہ تھی، ادراکات و انکشافات معمولات کا حصہ تھے۔ بارگاہ رسالت علیٰ صاحبھا الصلوات کی حاضری اور حضوری کی سعادتوں سے مالا مال تھے۔ کئی بار مشاہدہ ہوا کہ آپ کی محفلوں میں انوار چمکتے، خوشبوئیں مہکتیں اور خوشگوار ہواؤں کے مشک بار جھونکے حاضرین کی مشام جان کو معطر کر جاتے۔ جب چاہتے ارواح صالحین سے رابطہ جوڑ لیتے۔ آپ کا طریق دعوت

اسماء کی بجائے مسمّٰی تھا۔ اسم اعظم شغل دائمی تھا۔ دو مرتبہ مردے زندہ کئے لیکن آپ کی توجہات نے کئی مردہ دلوں کو زندہ جاوید کر دیا تھا۔ آپ کی صحبت اکسیر کا درجہ رکھتی تھی۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والے لوگ خدارسی اور خداشناسی کے ذوق سے سرشار ہو جاتے۔ رحمدلی، سخاوت اور مہمان نوازی آپ کا اثاثہ تھا، حق گوئی آپ کا نصب العین تھا، غریب پروری، بندہ نوازی اور انسانی ہمدردی آپ کا جوہر تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے

علم کیا ہے؟............ جاننا یعنی عرفان ذات

فقیری کیا ہے؟............ دردوغم کا نام ہے

تصوف کیا ہے؟............ عمدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار کی تعلیم

درویشی کیا ہے؟............ خدمت انسانیت

پیر کس کو کہتے ہیں؟............ جو مرید کو خدا تک پہنچائے

مرید کس کو کہتے ہیں؟............ جو پیر سے خدا کے سوا کچھ نہ چاہے

تربیت کے معاملے میں آپ سخت گیر تھے۔ جو آپ کی سختی برداشت کر لیتا وہ کندن بن جاتا۔ اکثر مریدوں کو تصرفات کے ذریعے برائیوں سے روکتے اور مشکلات سے نجات دلاتے۔

غرضیکہ : آپ اسلاف کا نمونہ اور اخلاف کیلئے مشعل راہ تھے۔ اخلاق حسنہ اور صفات محمودہ کا مجموعہ تھے۔ آپ سراپا کمالات اور مجسمہ کرامات تھے۔ وصال سے تھوڑی دیر پہلے آپ کے لبوں پر **حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولٰی ونعم النصیر** کا وظیفہ تھا۔ وصال کے وقت ذکر اسم ذات اور نفی اثبات ورد زبان رہا اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون**

آپ کا عرس بمقام دربار عالیہ حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ محلّہ مبارک شاہ کلاں قبرستان بیرون کھیالی دروازہ ہر سال مورخہ ۲۲ نومبر کو منعقد ہوتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت
علامہ حافظ محمد عالم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حافظ محمد عالم (محدث سیالکوٹی) 20 اگست 1999ء کو وصال فرما گئے تھے۔ ان کے پہلے سالانہ عرس کے موقعہ پر چند سطور پر مشتمل یہ مقالہ نذر قارئین ہے۔

استاذ العلماء' سند الفضلاء' سرچشمہ ہدایت' حامی سنت' ماحی بدعت' جواہر الجور' عشق رسالت سے معمور' شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ محمد عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے معروف علماء وفضلاء میں سے تھے۔ اہل علم وعرفان میں ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک جامع الصفات انسان تھے۔ علم وعمل، دانش وفضل اور حکمت و عدل کا حسین نقشہ تھے۔ توحید الٰہی پر ایمان ان کی بندگی کا اثاثہ تھا اور عظمت رسالت پر ایقان ان کی زندگی کا خاکہ تھا۔ سادگی اور پرکاری ان کا مزاج تھا' بے خودی وہشیاری ان کا معراج تھا۔ وہ فقر غیور کے ترجمان اور رمز خودی کے نگہبان تھے۔ وہ پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔ ہمت وجرأت کا پیکر تھے۔ اخلاص وایثار کا مجسمہ تھے۔ حق گوئی وبے باکی ان کا شعار تھا۔ قرآن مجید کے عالم بھی تھے اور حافظ بھی۔ سنت کے عامل بھی تھے اور محافظ بھی۔ علم حدیث میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ علوم متداولہ پر انکی گہری نظر تھی۔ وہ ایک بالغ نظر مفتی بھی تھے اور باریک بین فقیہ بھی، وہ صاحب فکر رسا بھی تھے اور حامل فکر رضا بھی۔ ان کے ایام، علم کی خدمت میں گزرتے اور راتیں، سوز وساز رومی وجامی میں بسر ہو جاتیں۔

میں نے انہیں دور سے بھی دیکھا اور قریب سے بھی، وہ انسانی لباس میں ملکوتی صفات کے حامل تھے۔ان کی ذات گونا گوں خوبیوں سے آراستہ تھی۔وہ نصف صدی تک سیالکوٹ کے باسیوں میں علم وعرفان کے لؤلوئے لالہ لٹاتے رہے۔ان کے حلقۂ درس سے ہزاروں علماء، سینکڑوں صوفیاء اور بیسیوں مشائخ فیضیاب ہوئے۔ وہ رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے کیونکہ ان کا نیک نام زندہ رہے گا۔

قارون ہلاک شد گرچہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت

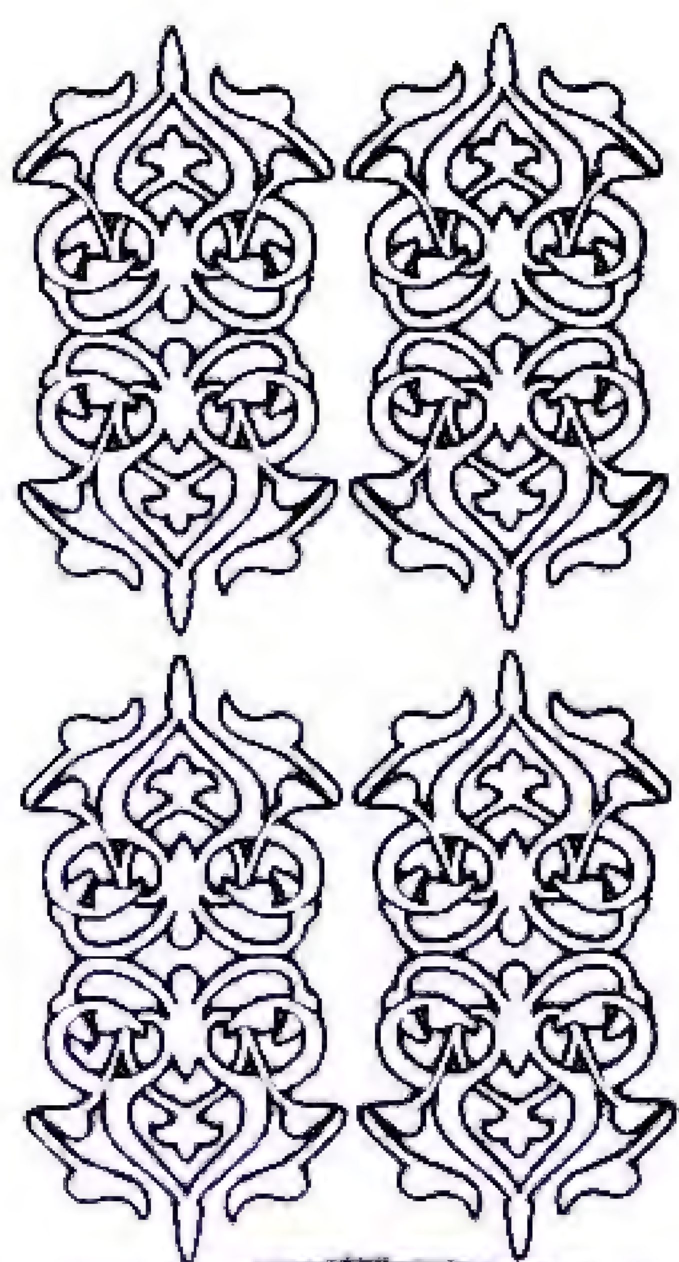
تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفی ﷺ، تحریک آزادی کشمیر میں آپکی لافانی خدمات ہمیشہ یادرہیں گی۔

۞...... جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علماء جموں وکشمیر، جماعت اہل سنت اور آل جموں وکشمیر سنی جہاد کونسل کے مرکزی رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔حالیہ تحریک آزادئ کشمیر میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور 2 مارچ 1992ء راولپنڈی میں ایک ہزار سے زائد علماء ومشائخ کو جمع کر کے جہاد کشمیر کنونشن منعقد کیا اور حالیہ جہاد کشمیر کے شرعی جہاد ہونے کا فتوی صادر فرمایا جس کی تمام علماء نے تائید فرمائی۔اسی جہاد کشمیر کنونشن میں آل جموں وکشمیر سنی جہاد کونسل کی بنیاد رکھی پیرانہ سالی کے باوجود ملک بھر میں دورے کیئے۔جہاد کشمیر کانفرنسیں، ریلیاں اور سیمینار منعقد کرائے، علماء کو دعوت جہاد دی، قوم میں روح جہاد پیدا کی اور اس کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر سے ابھرنے والی جہادی تنظیم البرق مجاہدین کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔یہ آپکے جذبۂ خلوص کی برکت ہے کہ آج سنی جہاد کونسل اور البرق مجاہدین، جہاد کشمیر میں اہل سنت کی تاریخ مرتب کررہے ہیں اور عظیم قربانیاں دے کر کشمیر کی آزادی کے لیے مصروف عمل ہیں۔

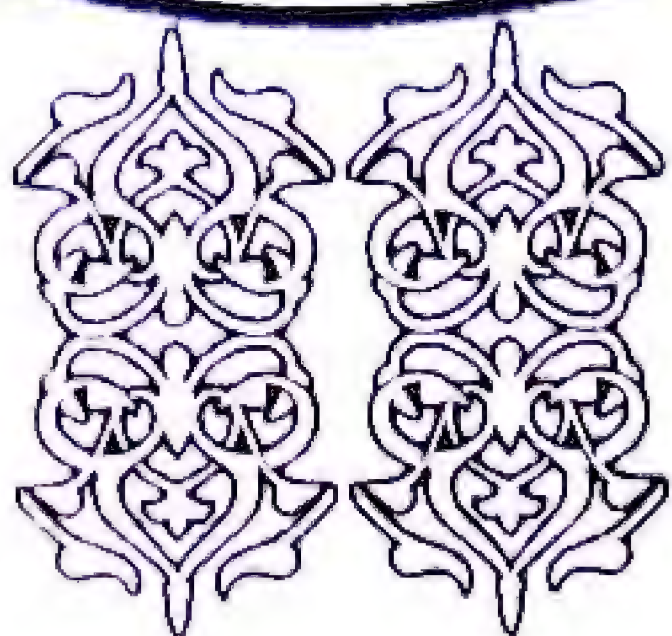
رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آپ نے باقیات الصالحات میں اپنے صاجزادگان والا شان اور ہزاروں شاگرد علماء وفضلاء کے روپ میں چھوڑے ہیں جو اندرون و بیرون ملک تعلیمی وتبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔انکی مقبولیت کا اندازہ انکے جنازے سے ہوا کہ تقریباً دولاکھ افراد ان کی نماز جنازہ میں شامل ہوئے' سیالکوٹ کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ کبھی نہ دیکھا گیا۔وہ شہر سیالکوٹ کی آرزو بھی تھے اور دنیائے علم وعمل کی آبرو بھی۔وہ تخت کے سکندر بھی تھے اور بخت کے قلندر بھی۔وہ اہل علم کی ہر محفل کا چراغ بھی تھے اور اہلسنت کی ہر انجمن کا دماغ بھی

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے




متفرقات



ہمارا قومی بگاڑ اور اس کا علاج

گم کردہ راہ قافلہ

امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال پر طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یہ امت قرآن میں بیان کردہ امت سے مختلف ہے۔ وہ قوم جس کو قرآن نے امت وسط اور ملت واحدہ کا لقب دیا' وہ اپنی اصل منہاج سے ہٹ کر دائیں اور بائیں بازو میں بٹ چکی ہے اور وحدت فکر ونظر کی بجائے استعماری قوتوں کی پالیسی کے تحت مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ قوم جو دنیا کی قیادت وامامت کے لئے معرض وجود میں آئی تھی وہ آج قرآن اور مذہب سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے یورپ کی غلامی پر رضامند ہوگئی ہے جس کی بناء پر اس کی حیثیت ایک گم کردہ راہ قافلہ کی ہو چکی ہے۔ جس کے سامنے نہ کوئی نصب العین باقی رہ جاتا ہے اور نہ ہی کسی بلند منزل تک رسائی کا جذبہ پیش نظر ہوتا ہے۔

وائے قومے کشتہ تدبیر غیر
کار او تخریب خود، تعمیر غیر

پاکستان تو بن گیا

14 اگست 1947 کو دنیا کے نقشے پر ابھرنے والا پاکستان اپنی تاریخی حدود کے آئینے میں ان ہی حالات کے ردعمل کے طور پر معرض وجود میں آیا تھا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہی اس کا جذبہ محرکہ تھا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں امت مسلمہ کے ہزاروں علماء ومشائخ کی موجودگی میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

اور حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہما نے اعلان کیا تھا کہ

''اگر مسلم لیگ، پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہو جائے تو اہل سنت کے علماء ومشائخ مطالبہ پاکستان سے ہرگز دستبردار نہ ہوں گے۔''

پاکستان تو بحمدہ تعالیٰ بن گیا، مگر پاکستان بنتے ہی اس کے وجود کے خلاف سازشوں کے جال بچھ گئے۔ بنانیوالے تو علماء حق بےلوث تھے، وہ روایتی بے غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خالص دینی اور روحانی کاز کے لئے مسجدوں اور خانقاہوں میں جا بیٹھے لیکن ؎

نیرنگئ سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ہماری بے تدبیری

نظریہ پاکستان کے مخالفین، استعماری طاقتوں کے ایجنٹ، لادینی افکار و نظریات کے علمبرداروں اور مکار وعیار عناصر چپکے سے ہماری صفوں میں گھس آئے اور ہماری بے تدبیری، معاملہ نافہمی اور لاپرواہی کے باعث پاکستان کی بساط سیاست وحکومت پر قابض ہو گئے۔ تاریخ میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ اسلام دشمن اور فریب کار لوگ ہمارے کندھوں پر سوار ہوکر، ہمارے نعروں کی گونج میں ہیرو بن بیٹھے، اسلام کا محض لبادہ اوڑھا اور اسلام اسلام کا ورد جاری رکھا اور دل میں اس کے خلاف سکیمیں بناتے رہے، جونہی اقتدار کے پنجے مضبوط ہوئے، اسلام کا نقاب اتار کر اپنے حقیقی روپ میں سامنے آ گئے۔ ترکستان میں کمال اتاترک، پاکستان میں مجیب الرحمان، افغانستان میں ظاہر شاہ اور ایران میں شہنشاہ رضا شاہ پہلوی اور شام میں حافظ الاسد اور لیبیا میں کرنل قذافی اسی قبیلے کے افراد ہیں۔

پاکستان لادینی یلغار اور مغربی افکار کی لپیٹ میں

پاکستان کی عنان اقتدار زیادہ تر ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہی جو تعلیم مغرب اور تہذیب فرنگ کے پروردہ نمک خوار تھے۔ ملک میں غیر اسلامی مذموم اور مسموم لٹریچر درآمد کیا گیا جس کے نتیجے میں پاکستانی قوم کے عقائد وخیالات ، افکار و احساسات، سیاسیات واقتصادیات کے سانچے بدلتے اور زندگی کے نئے نئے تصورات جنم لیتے رہے۔ بالآخر زندگی کا ہر گوشہ، افکار مغرب کی لپیٹ میں آ گیا۔ لادینیت کی یلغار ہوئی، فلسفہ وتاریخ کی مادی تعبیرات ہوئیں، مذہب واخلاق کی معاشی توجیہات ہوئیں، دین اور سیاست، مسجد اور سکول، مولوی اور مسٹر کے مابین حد فاصل قائم کر دی گئی۔

انسانی مسائل فیکٹریوں، تجربہ گاہوں ،کلبوں ، ہوٹلوں اور اعداد وشمار کے دفتروں میں حل ہونے لگے۔ روحانی خصوصیات رخصت ہوئیں، مادی ترقیات کا غلبہ ہوا، عورت اور دولت کے رجحانات عام ہوئے ، مصنوعی حسن کی نمائش اور مست جوانی کی تسکین کے سامان ہوئے ، ہوس کی حکمرانی ہوئی، بنگلہ وفرنیچر، کلب و پارک، شراب وکباب ،رقص وسرود ،کوٹھی وکار، سینما وتھیٹر ،کیمرہ اور ٹیلیویژن ،ریڈیو وٹرانسسٹر، ریفریجریٹر وائیر کنڈیشنر کی فراوانی ہوئی، عشرت خانوں میں پھولوں کی سیجیں بچھنے لگیں، کلبوں اور ہوٹلوں میں عزتیں اور عصمتیں بکنے لگیں، اسمبلیاں ہوس رانی کی زنجیریں بنیں، چہروں پر غازہ مئے ناب کی لطافتیں اور آنکھوں میں سرمہ برق پاش کی نزاکتیں رقص کرنے لگیں، مغنیات اور گلوکاروں کو انعامات اور تمغے دیئے گئے۔ اہل علم وادب اور ارباب دانش کی تذلیل وتوہین کی گئی، سکولوں اور کالجوں میں مغربی نظام تعلیم کے ذریعے مسلم قومیت کی خاموش نسل کشی کی گئی، نسلی اور لسانی فسادات کی راہ ہموار کی گئی، روس، اسرائیل اور بھارت کے ناپاک گٹھ جوڑ سے ان کے سازشی منصوبے آئے دن تازہ رخ بدلتے رہے، نظریہ پاکستان پر ضرب کاری لگانے کے

لئے بنگلہ دیش، سندھو دیش، پختونستان کی اصطلاحات ایجاد ہوئیں۔ سرحدی گاندھی، مجیب الرحمان، جی ایم سید کی ضیافتیں اور عیادتیں ہوتی رہیں، سوشلزم، کمیونزم، سیکولرازم اور کیپیٹلزم جیسے ملحدانہ نظریات کو پذیرائی دی گئی، ختم نبوت کے بنیادی اسلامی عقیدے کے منکرین کو کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا گیا جو کہ ملک توڑنے کی سازشوں کو عملی جامہ پہناتے رہے، ملوکیت اور جمہوریت کے غیر اسلامی نظریات کو مقدس دستاویز قرار دیا گیا' غیر اسلامی مغربی طرز انتخاب اپنایا گیا، اسمبلیاں تجارت کی منڈیاں بنیں، کرسی صدارت کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ لیا گیا، اسلامی معیشت کی بجائے سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دیا گیا اور غریب عوام پر ظلم وستم کے ذریعے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اور پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا

فوجی جرنیلوں کو بھی سیاست اور حکومت کا شوق دامن گیر ہوا، مارشل لاء نافذ ہونے لگے، محلاتی سازشیں ہونے لگیں، فارمولے بنتے اور بدلتے رہے، معاہدے طے ہوتے اور ٹوٹتے رہے "ادھر تم ادھر ہم" کے نعرے بلند ہوئے، بالآخر 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں 90ہزار سے زائد پاکستانی فوجی بھارت کے سامنے ہتھیار ڈال کر تاریخی اور عبرت ناک ذلت وشکست سے دوچار ہوئے اور پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔

آج کا پاکستان

باقی ماندہ پاکستان بھی معاندین کی ریشہ دوانیوں کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ صیہونی اور مغربی استعمار، پاکستان کے مسلم معاشرے کو سیکولر بنانے اور اس کی اسلامی غیرت اور دینی حس کو ختم کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ اب پاکستان کے دشمنوں کا اولین نشانہ صوبہ سندھ ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پاکستان کو مجاہدین افغانستان وکشمیر کی مادی

واخلاقی امداد نہ کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے تاکہ مسلم امہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ الغرض اس وقت پاکستان کو اندرونی و بیرونی طور پر لاینحل اور لامتناہی مسائل درپیش ہیں گویا پاکستان، مسائلستان بن چکا ہے، پاکستانی قوم ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے، پورا معاشرہ سسکیاں لے رہا اور دم توڑ رہا ہے۔ شاید پاکستان کی تاریخ میں اتنا نازک وقت اس سے پہلے نہ آیا ہو گا لیکن بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ہمارے ملک کے

⊙...... حکمران ہیں، جن کا شیطانوں سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔

⊙...... سیاستدان ہیں، جن کا حکمرانوں سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔

⊙...... سرمایہ دار ہیں، جن کی عیاشی کی داستانیں ضرب المثل ہیں۔

⊙...... زمیندار ہیں، جن کے آہنی شکنجوں میں کاشتکار کراہ رہے ہیں۔

⊙...... علماء ہیں، جن کے دماغ جواب دے چکے ہیں۔

⊙...... مشائخ ہیں، جن کے دل سرد ہو چکے ہیں۔

⊙...... طلباء ہیں، جن کے دیدے بے دید ہو چکے ہیں۔

⊙...... وکلاء ہیں، جن کے شکم قارون خانے ہیں۔

⊙...... ڈاکٹر ہیں، جو رحم اور ہمدردی کے جذبے سے عاری ہیں۔

⊙...... پولیس افسران ہیں، جو انسان نما بھیڑیئے معلوم ہوتے ہیں۔

⊙...... صحافی اور اخباری نمائندے ہیں، جو قلم و کاغذ کی آبرو بیچتے ہیں اور بلیک میلر ہیں۔

⊙...... مذہبی اور سیاسی طبقے ہیں، جو باہم دست و گریباں ہیں۔

⊙...... دانشور ہیں، جو فکر و دانش کے قاتل اور تعلیم مغرب کے فریب خوردہ ہیں۔

⊙...... تاجر ہیں، جو انسانوں کا خون پی رہے ہیں اور مردوں کی ہڈیاں تک چوس رہے ہیں۔

⊙...... نوکر شاہی، جو آدم خور درندوں کی فوج ظفر موج ہے۔

- ⊙ ...... غریب عوام ہیں، جن کی روحیں مردہ اور جسم افسردہ ہیں۔
- ⊙ ...... یتیم بچے اور بچیاں ہیں، جن کے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔
- ⊙ ...... دوشیزائیں ہیں، جو حسرت و حرمان کی تصویریں ہیں۔
- ⊙ ...... بیٹیاں اور مائیں ہیں، جن کی عزت و آبرو کے نازک آبگینوں کو بزم عیش کے کھلونے بنا دیا گیا ہے۔
- ⊙ ...... عدالتیں اور کچہریاں ہیں، جہاں رشوت کی حکمرانی ہے اور عدل وانصاف کند چھری سے ذبح ہو رہا ہے۔
- ⊙ ...... کالج اور یونیورسٹیاں ہیں، جہاں نوکروں، تنخواہ داروں، منشیوں اور کلرکوں کی کھیپ تیار ہو رہی ہے۔
- ⊙ ...... تحصیلیں اور تھانے ہیں، جہاں قیمتی جانوں کی بولیاں ہوتی ہیں اور عزت و آبرو کے سودے ہوتے ہیں۔
- ⊙ ...... حوالاتیں اور جیلیں ہیں، جہاں مجرموں کی پرورش وحفاظت ہوتی ہے۔
- ⊙ ...... مسجدیں اور مدرسے ہیں، جہاں سے اتحاد و محبت کی بجائے انتشار و نفرت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔
- ⊙ ...... خانقاہیں اور آستانے ہیں، جہاں سے پاک دل صوفیوں کی بجائے دھمالئے، گورکن اور کفن چور سر اٹھا رہے ہیں۔

غرض یہ کہ پاکستانی قوم کے عقلی وفکری قویٰ مضمحل اور معطل ہیں، علمی اور عملی صلاحیتیں زنگ آلود ہیں، زندگی کے تمام شعبے مادیت کے شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں جو افراط و تفریط کی مسموم ہواؤں سے خزاں رسیدہ ہو چکے ہیں۔

سوال یہ ھے

کہ ان تمام خرابیوں کا اصل ذمہ دار کون ہے؟

ہمارے خیال میں اس تمام ضعف و بگاڑ اور جمود و تعطل کے ذمہ دار چار طبقے ہیں

۱.....حکمران ۳.....سیاسی قائدین وارباب دانش
۲.....علماء ومشائخ ۴.....عوام

درحقیقت ذمہ داری میں تمام طبقے برابر کے شریک ہیں، جس کے پاس جتنی قدرت واستعداد ہے، اس پراسی قدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ صاحب اختیار حکام کی ذمہ داری بے اختیار عوام سے زیادہ ہے۔ عالم کی ذمہ داری جاہل سے زیادہ ہے۔ صاحب اختیار متمول کی ذمہ داری محتاج ونادار سے زیادہ ہے۔ کلکم مسئول عن رعیتہ ''فرمان نبوی اسی مفہوم پر دال ہے۔ چونکہ ذمہ داری بقدر اختیار واقتدار ہوتی ہے اسی لئے قرآن نے صاحب ایمان حکمرانوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

حکمرانوں کی ذمہ داری

اس میں کوئی شک نہیں کہ حکمران، حالات اور معاملات کی شکست وریخت کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جرائم کا خاتمہ اور عدل وانصاف کی بحالی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کے منصبی فرائض میں شامل ہیں۔

علماء ومشائخ کی ذمہ داری

علماء ومشائخ، انبیاء کرام کے وارث اور نائب ہوتے ہیں۔ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان ان کا فریضہ ہے، لیکن حادثہ یہ ہوا کہ یہ دونوں گروہ اپنے اسلاف کی طرح مجاہدانہ رول اور روحانی کردار ادا کرنے سے عاجز وقاصر نظر آتے ہیں۔ علماء سوء کا ذکر عبث ہے۔ بہرحال عصر حاضر کے علماء ومشائخ پر دین حق کے غلبے اور روحانی تربیت کی بالادستی وذمہ داری ایک امانت ہے جو ان پر واجب الادا ہے۔

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تری رہبری کا سوال ہے

سیاسی قائدین وارباب دانش کی ذمہ داری

سیاسی لیڈر اور دانشور افراد کسی بھی ملک اور قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے سیاسی قائدین اور ارباب دانش کا المیہ یہ ہے کہ وہ تعلیم مغرب اور تہذیبِ یورپ کے فریب خوردہ ہیں۔ ان کی سیاست، مغربی جمہوریت کے دیو استبداد کی دریوزہ گر ہے اور ان کی دانش، عقل افرنگ کا چربہ ہے۔ وہ صرف اس قدر مسلمان ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے، گو وہ بھی معاشرے کی زبوں حالی کے ذمہ دار ہیں مگر ان سے خیر کی توقع بہت کم ہے ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شہبازی

رہا مسئلہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے ارباب بست وکشاد کا! تو وہ آپس میں اس طرح برسرِ پیکار ہیں گویا پاکستان ان کے باپ کی میراث ہے۔

؎ ترا پیشہ بھی سفاکی، مرا پیشہ بھی سفاکی
کہ ہم قذاق ہیں دونوں تو میدانی میں صحرائی

پاکستانی عوام

جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے، وہ بھی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ ملکی استحکام اور قومی عزت ووقار میں ان کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل ہے وہ بھی دین ودنیا اور احکام شریعت کے سلسلے میں عند اللہ جوابدہ ہیں۔ حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کی کارستانیوں میں وہ بھی حصہ دار ہیں، کیونکہ وہ بھی عوام کے منتخب نمائندے ہیں۔ حکمران اور سیاستدان عوامی معاشرے کے آئینے ہوتے ہیں۔

بمطابق حدیث کما تکونون یولّی علیکم "جیسی روحیں ویسے فرشتے" والا مقولہ یہیں درست بیٹھتا ہے۔

علاوہ ازیں فوج، پولیس اور بیوروکریسی بھی ہمارے بگاڑ کے ذمہ دار اور خرابی کے اہم کردار ہیں، جن پر تبصرے کی خاص ضرورت نہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

ہمارے الفاظ یقیناً سخت ہیں لیکن ہم مجبور ہیں، دردآشنا کی نظر درد پر ہوتی ہے نہ کہ طریقہ اظہار پر۔ سطور بالا میں جو خیالات ہم نے پیش کئے اور جن خرابیوں وخامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ قوم کی اصلاح کی راہیں مسدود ہوچکی ہیں اور امید کے چراغ گل ہوگئے ہیں۔ اس عالم کون وفساد میں ہر بگاڑ کے ساتھ بناؤ، ہر تخریب کے ساتھ تعمیر ہوتی رہتی ہے۔ قوموں کا عروج وزوال اور تہذیبوں کا اتار چڑھاؤ قانون فطرت ہے۔ موجودہ پر پیچ حالات میں بھی اصلاح احوال کی بھرپور گنجائش موجود ہے۔ اس گہرے اندھیرے میں ابھی امید کی کرن باقی ہے، تلافی کے امکانات موجود ہیں، نشأۃ ثانیہ کے آثار نمایاں ہیں، گھبرانے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، جب مرض کی تشخیص ہوجائے تو پھر علاج کی صورت بھی نکل ہی آتی ہے۔

نئی قوم اور نئی قیادت

ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو معاشرے میں رونما ہونے والی تمام خرابیوں اور خامیوں کو ہمیشہ اغیار کے ذمے لگا دینے کے عادی ہیں، بلکہ ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہماری مرضی اور اختیار کو بھی دخل ہے۔ دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا اور خود کو بری الذمہ قرار دینا عذر لنگ ہے۔

یورپ کی غلامی پہ ہوا تو رضا مند
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

⊙ ...... یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے معاملات میں صیہونیوں، فرنگیوں، کمیونسٹوں اور الحاد پرستوں کا بھی ہاتھ ہے لیکن ہمارے داخلی عوارض بھی ہماری خرابی کے اسباب ہیں۔ ہماری رائے میں تعلیم، قانون، نشر و اشاعت، معیشت، معاشرت ہیں۔ سب سے پہلے ان پانچ شعبوں میں بنیادی اور انقلابی اصلاحات کی ضرورت ہے۔

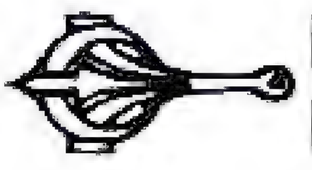
⊙ ...... ہمارا سب سے بڑا قومی خلا، مضبوط اور حوصلہ مند اسلامی قیادت کا فقدان ہے۔ ہمیں ایک ایسا ہمہ گیر عبقری مرد کامل درکار ہے جو گفتار و کردار میں اللہ کی برہان ہو، قاری نظر آئے مگر حقیقت میں قرآن ہو' سکندری اس کی ٹھوکر میں ہو، قلندری اس کے جوہر میں ہو، علم اس کا زیور ہو، حلم اس کی چادر ہو، دانش اس کی بستی ہو، عشق اس کی مستی ہو، حکمت کا لقمان ہو، بصیرت کا سلمان ہو، وہ خلوتوں میں صف بصف بھی ہو اور جلوتوں میں سر بکف بھی۔

⊙ ...... وہ ایک ایسی انقلابی ٹیم کے ساتھ میدان میں نکلے جو وقت کے سانچوں میں ڈھلنے کی بجائے وقت کے سانچوں کو بدل کر رکھ دے تاکہ پاکستان کے نقشے پر ایک نئی قوم اور نئی قیادت ابھرے۔ یہودیوں نے ساری دنیا کے یہود کو ''ارض موعود'' کے نام پر متحد و فعال بنا دیا ہے، حالانکہ وہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے اور مختلف ممالک میں بٹے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی مسلم امہ کے نام پر (پوری دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً) ملت اسلامیہ میں ایک مسلسل حرکت اور منظم ہلچل پیدا نہ کردیں۔

خزاں میں پھول کھلاؤ تو کوئی بات بنے
بہار آئے تو کانٹے بھی مسکراتے ہیں

ضرورت ہے کہ:

زبان وادب سے لے کر فلسفہ ونفسیات تک، علوم عمرانیہ سے لے کر معاشیات وسیاسیات تک، پورے نظام تعلیم کو اسلامی فکر کے مطابق ایک نئے سانچے



میں ڈھالا جائے۔

۞...... قانون اسلامی کے حکیمانہ اصول وکلیات کی تدوین جدید کی جائے اور استنباط جزئیات کے ذریعے احکام قرآن وسنت کی ابدیت وحقانیت کو ثابت کیا جائے۔

۞...... ذرائع نشر واشاعت (ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ اخبارات ورسائل) کو منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ دینی، تبلیغی اور فلاحی پروگراموں کے لئے استعمال کیا جائے اوران پر موسیقی اور ڈراموں کے آرٹسٹوں کی بجائے اہل علم وادب کو مقرر کیا جائے یا پھر ٹی وی اور فلم سازی کے اداروں کو بالکلیہ بند کر دیا جائے اور فحاشی اور عریانی کی اشاعت کا ذریعہ بننے والے اخبارات ورسائل پر قانونی پابندی لگادی جائے تاکہ قومی خودکشی کے یہ آلات ختم ہو جائیں۔

۞...... موجودہ نظام معیشت میں سود، سٹہ، قمار اور اکتناز کی چاروں بنیادوں کو منہدم کر دیا جائے اور علمائے دین وماہرین معاشیات پر مشتمل ایک ایسا بورڈ تشکیل دیا جائے جو معاشی زندگی کے پورے ڈھانچے کو بدلنے کے لئے عملی تجاویز مرتب کرے تاکہ قوم، سرمایہ دارانہ نظام کی لعنتوں سے نجات حاصل کر سکے۔

۞...... اسلامی طرز معاشرت اپنایا جائے، مغربی طرز معاشرت اور تعیّشات کے تمام سرچشموں پر قدغن لگادی جائے، رہن سہن کے پرتکلف، عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے ترک کر کے زندگی کے تمام شعبوں میں سادہ طرز معیشت اختیار کرنیکی ملک گیر تحریک چلائی جائے، رشوت، چور بازاری، اسمگلنگ، ظلم واستحصال، خودغرضی، مفاد پرستی، مادہ پرستی اور کرپشن جیسی تمام معاشرتی بدعنوانیوں کا مکمل سدّباب کیا جائے۔ قومی زندگی میں ایثار ومروت، اخوت ومحبت، نفاق فی سبیل اللہ، سخاوت واستغناء، فکر آخرت اور خوف خدا کے جذبات کو نئی زندگی دے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورعدل کو واپس لوٹایا جائے۔

۞...... اس سلسلے میں تمام مکاتیب فکر کے جید علماء کرام کی طرف سے ۲۲ نکات پر

مشتمل اسلامی معاشی اصلاحات اور ۱۹۵۲ء کے ۲۲ دستوری نکات سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

خطیب الاسلام کا نتیجہ خیز بیان

ہمیں یاد ہے کہ بتاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء سابق صدر ضیاء الحق مرحوم نے اسلام آباد میں پانچ سو سے زائد علماء و مشائخ کو ''مشائخ کانفرنس'' کے نام پر مدعو کیا اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے کیلئے تجاویز اور سفارشات طلب کیں۔ متعدد علماء و مشائخ کے بیانات ہوئے، اس کانفرنس میں خطیب الاسلام حضرت صاجزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان) کے فرمودات حرف آخر ثابت ہوئے۔ کانفرنس دو دن کے لئے بلائی گئی تھی، مگر آپ کے بعد مزید کسی بیان کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے صدر مرحوم نے پہلے روز ہی کانفرنس کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

صدر مرحوم، وزیر داخلہ محمود ہارون، مسٹر اے کے بروہی کے تاثرات کے مطابق حضرت صاجزادہ صاحب کے وقیع اور نتیجہ خیز ارشادات ہی پوری کانفرنس کا حاصل قرار پائے۔

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمۃ کے بیان کا اجمالی خاکہ کچھ یوں تھا۔

- یہ دور بلاشبہ مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے آغاز کا دور ہے۔

لیکن زندگی کے مراحل طے کرنے میں وہ سخت قسم کی ذہنی کشمکش سے دو چار ہے۔ نفاذ اسلام کے عمل میں معاشی اور معاشرتی اصلاحات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

حدود و تعزیرات اپنی جگہ برحق ہیں مگر یہ سزا تو ہیں دوا نہیں، پرہیز تو ہیں غذا نہیں۔

معاشرہ ظلم و استحصال کی چکی میں پس رہا ہے، ہمارے حکمران و سیاستدان ہنگامی و سیاسی مصلحتوں کے چکر میں مبتلا ہیں۔ مریض جاں بلب ہے، میں کہتا ہوں کہ

جب مزاج میں تلخی کے سبب مریض دوا پینے سے انکار کر دے اور ضد میں آ کر طبیب کی ہدایت کے برعکس خود ہی مرضی کی غذا استعمال کرنے لگے تو جو اس کا حشر ہوگا وہ کسی بھی اہل نظر سے مخفی نہیں۔ جب شاخ ہی پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے گا تو اس پر آشیانہ کیسے برقرار رہ سکے گا؟

تجھے اے بلبل رنگیں نوا سوجھی ہے گانے کی
مجھے ہے فکر دامن گیر تیرے آشیانے کی

آپ نے فرمایا دو امر خاص طور پر فوری توجہ کے متقاضی ہیں اور انہی پر نفاذ اسلام کی گاڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ سکتی ہے۔

۱...... معاشرتی جرائم (سوشل کرائمز) کا فوری طور پر قلع قمع کیا جائے۔

۲...... عدالتوں میں انصاف مفت اور فوری مہیا کیا جائے۔

اس کے بعد قوم از خود اسلامی اصلاحات پر عمل پیرا ہونے کے جذبے سے سرشار ہو جائے گی (انشاء اللہ) اور یہ حکیمانہ آپریشن ہی معاشرتی انارکی اور معاشی ناہمواری کا واحد علاج ہے۔

آپ نے صدر پاکستان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صاحب صدر!

آج کارواں امت کو جس جام حیات کی تلاش ہے وہ آپ کے پاس موجود ہے۔ جرأت رندانہ کی ضرورت ہے، ہمت کیجئے، خود بھی پیجئے اور اہل پاکستان کو بھی پلائیے، حکومت کی پرواہ نہ کیجئے یہ آنی جانی چیز ہے، اللہ جل وعلا اور اسکے رسول برحق (ﷺ) کو راضی کر لیجئے کہ یہی دو جہاں کی حکمرانی بھی ہے اور کامرانی بھی۔

اسلامی طرز انتخاب

آپ نے فرمایا کہ آخر میں ہم ایک فیصلہ کن اصلاح کی نشاندہی بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

''ہمارے ملک میں مغربی طرز انتخاب کی بجائے اسلامی طرز انتخاب رائج ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ موجودہ طریقہ انتخاب مغربی جمہوریت کا شجرہ خبیثہ ہے جوانتہائی غلط اور بوگس ہونے کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقے کا کھیل ہے۔ جس میں ضمیر خریدے جاتے ہیں، آراء فروخت ہوتی ہیں اور غریبوں کا استحصال ہوتا ہے''۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

نیز یہ کہ موجودہ طریق انتخاب میں اچھے اور برے، شریف اور رذیل، عالم اور جاہل، دانشور اور بے دانش، صالح اور طالح میں کوئی تمیز نہیں۔

عوامی مزاج کے مطابق الیکشن میں کامیابی کیلئے امیدوار کا دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ تھانے کا ٹاؤٹ اور جھوٹے مقدمات میں ساتھ دینے والا ہونا ضروری ہے۔

ہمارے اکثر ممبران قومی وصوبائی اسمبلی پرائمری فیل ہوتے ہیں جو اسلام کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے اور اپنے صحیح دستخط کرنے کے بھی اہل نہیں ہوتے۔

ستم بالائے ستم ہے کہ

اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل ممتاز اہل علم اور ماہرین قانون اسلامی کے متفقہ اسلامی، دستوری مسودات اور معاشی وتعلیمی اصلاحات کی فائلیں، ان پرائمری فیل ممبران اسمبلی کے سامنے منظوری کیلئے پیش کی جاتی ہیں، جو ان مسودات کی عبارات سمجھنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ (فیاللعجب)

مختلف طبقات کے لئے نشستیں

اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے۔ کہ موجودہ طریق انتخاب کو یکسر بدل دیا جائے اور معاشرے کے مختلف طبقات کی نمائندگی وقیادت کرنے والے اہل علم وفن اور اصحاب سیاست وبصیرت کے استحقاق واستعداد کی بنیاد پر قومی اور صوبائی اسمبلی کی نشستیں مخصوص کی جائیں مثلاً چند فیصد نشستیں علماء ومشائخ کے لئے چند فیصد وکلاء اور

انجنیئرز کے لئے کچھ اقتصادی ماہرین اور مزدوروں وصنعت کاروں کے لئے تا کہ اسمبلی اسم با مسمیٰ بنے اور ہر شعبے کو بھر پور نمائندگی ملے اور معاشرے میں ہمہ پہلو علمی، عملی، فکری اور سیاسی انقلاب رونما ہو سکے۔

بہر حال ملک عزیز پاکستان کی بقا وارتقاء کا راز، اسلامی نظام کے مکمل نفاذ میں مضمر ہے اور موجودہ حالات میں یہ کام علمی، عملی، فکری، تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔

ضرورت کسی ایک شعبے میں اصلاح کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کو یکسر بدل دینے کی ضرورت ہے۔

ہماری دیانتدارانہ رائے میں پاکستان ابھی تک حقیقی پاکستان نہیں بن سکا۔

آپ نے نافذ شدہ قوانین کے متعلق فرمایا کہ کنوئیں سے پانی تو نکالا جارہا ہے، مگر کتا ابھی اندر ہی ہے۔ پہلے فرنگی نظام یہاں سے نکالو پھر شرعی قوانین نافذ کرو۔

؎ ہم بدلنا چاہتے ہیں، نظم میخانہ تمام
آپ نے بدلا ہے لیکن صرف میخانے کا نام

ہمارا نعرہ..........انقلاب

ہمارا مشن..........انقلاب

ہماری دعوت..........انقلاب

یہی ''عالمی ادارہ تنظیم الاسلام'' کا پہلا اور آخری پیغام ہے۔

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

فضائل و برکات شب برأت

ماہ شعبان المعظم کا مختصر تعارف

اہل اسلام کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں۔جن میں آٹھواں مہینہ شعبان المعظم ہے۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شعبان تشعّب یعنی تفرّق سے ماخوذ ہے چونکہ اس مہینہ میں لوگوں کے لیے خیر کثیر متفرق ہوتی ہے، بندوں کے لیے رزق' روزہ داروں کے لیے خیر کثیر اور ہر ایک کے لیے ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے اس لیے اس ماہ کو شعبان کہتے ہیں۔

شعبان کی تیسری تاریخ کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی ، چوتھی تاریخ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ متولد ہوئے ، پندرھویں تاریخ کو لیلہ مبارکہ یعنی شب برأت ہے اور سولہویں تاریخ کو مسجد اقصیٰ سے خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔(عجائب مخلوقات)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شعبان شهری و رمضان شهر الله" (دیلمی)

یعنی شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

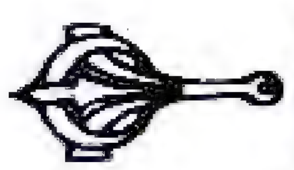
محبوب سبحانی ،غوث صمدانی ،شہباز لامکانی، حضرت شیخ السید عبدالقادر الجیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شعبان میں پانچ حروف ہیں۔شین' عین' با' الف' نون۔ش سے مراد شرف ع سے مراد علو (بلندی) با سے مراد برّ (بھلائی) الف سے مراد الفت (محبت) اور نون سے مراد نور (روشنی) ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ

ماہ شعبان میں اپنے بندوں کو یہ پانچوں چیزیں عطا فرماتا ہے۔ نیز فرمایا چونکہ یہ مہینہ حضور پرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کا محبوب ہے اس لیے اس ماہ میں (عموماً اور شب برأت میں خصوصاً) کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے تاکہ اس ماہ کی فضیلت اور درود پاک کی برکت سے بارگاہ الٰہی میں قرب خاص حاصل ہو جائے۔ ''فھو المراد'' (غنیۃ الطالبین)

ایک ایمان افروز روایت

روض الافکار میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر تشریف لے گئے وہاں ایک خوبصورت اور سفید رنگ کا پتھر دیکھا تو آپ کو بے حد پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام)! کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ عجیب چیز نہ دکھاؤں؟...... آپ نے عرض کیا بیشک ضرور۔ اتنے میں وہ پتھر پھٹ گیا اور اس کے اندر ایک نورانی صورت بزرگ نظر آئے جن کے ہاتھ میں سبز رنگ کا عصا تھا۔ وہاں ایک انگور کا درخت بھی موجود تھا اور وہ بزرگ انگور تناول فرما رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ سے پوچھا کہ تم کو یہاں عبادت کرتے ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہے؟...... اس نے کہا میں یہاں چار سو سال سے مصروف عبادت ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سن کر متعجب ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے رب کریم! میرے خیال میں تو نے اس شخص سے افضل مخلوق پیدا نہیں کی ہوگی؟ بارگاہ الٰہی سے جواب آیا کہ اے عیسیٰ! میرے محبوب آخر الزمان ﷺ نبی کی امت میں سے جو شخص شعبان کی پندرھویں رات کو صرف دو رکعت نفل ادا کرے گا، اس کا ثواب اس بزرگ کی چار سو سالہ عبادت سے کہیں زیادہ ہوگا۔

فرمان خداوندی سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کاش! میں بھی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی امت میں ہوتا۔ (نزہۃ المجالس)



شب برات کے اشغال و اعمال اور اوراد و اذکار کا اجمالی بیان

قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق اور مدبر الامور ہے۔ یہ کارخانہ ہستی اسی ذات کے نظام قضا و قدر کے تحت قائم ہے۔ ساری کائنات اس کے مقرر کردہ نظام قدرت سے وابستہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ومانننزله الابقدر معلوم'' (الحجر،۲۱)
یعنی ہم دنیا کی ہر چیز کو ایک مقرر اندازے کے مطابق اتارتے ہیں۔

اس مقرر اندازے اور تقسیم کے لیے قدرت نے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے۔ یہ وقت مقررہ صرف ایک ہی شب ہے جس کو لیلۃ المبارکہ یا شب برائت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ دخان کی ابتدائی آیات اسی رات کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں۔

حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○

ترجمہ: قسم اس روشن کتاب کی بے شک ہم نے اس کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔ تحقیق ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ اس میں ہر حکمت والا کام تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

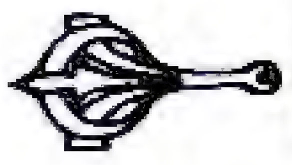
- اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ مبارک رات ماہ شعبان کے وسط میں ہے۔
- سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ شب برائت کو لیلۃ المبارکہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔
- اسی طرح تابعین اہل شام، خالد بن معدان، مکحول، لقمان بن عامر رحمہم اللہ نے بھی لیلۃ المبارکہ سے نصف شعبان کی رات مراد لی ہے اور اس میں عبادات کا

التزام مستحب قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی، کشاف، زمخشری، بیضاوی اور الفتوحات الٰہیہ شرح جلالین میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات کے چار نام ہیں لیلۃ المبارکہ (مبارک رات) لیلۃ البراۃ (مغفرت ونجات والی رات) لیلۃ الصک (مقسوم اور بخت کی رات) لیلۃ الرحمۃ (رحمت کی رات)

❁…… امام ابو بکر طرطوشی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''کتاب البدع'' میں لکھتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کا اجر لیلۃ القدر کے اجر کے برابر ہے۔

❁…… الحافظ ابن رجب اپنی کتاب ''لطائف المعارف'' میں لکھتے ہیں کہ علماء واولیائے شام، نصف شعبان کی رات کی بہت تعظیم کرتے اور اس میں بہت زیادہ عبادت ومجاہدہ کیا کرتے تھے۔ اہل شام سے اہل بصرہ نے شب برأت کی تعظیم کا سبق سیکھا ہے۔ لہٰذا اس رات مساجد میں اذکار وعبادت کے لیے جمع ہونا، قیام کرنا مستحسن ہے اور اسے بدعت کہنا سراسر ناانصافی ہے۔ کمانقل الکرمانی (رسالہ الجامعۃ الاسلامیہ ص۵ المدینۃ المنورہ)

محدث بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۳۸۴ میں) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت بیان کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک رات سرور عالم ﷺ حجرہ سے نکلے۔ سیدہ پاک نے گمان کیا کہ شاید آپ کسی اور ام المؤمنین کے حجرہ مبارکہ کو رشک جنت بنانے تشریف لے گئے ہیں۔ اس لیے آپ کی جستجو میں نکلیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ غمگسار امت آقا مسلمانوں کے قبرستان (جنت البقیع) میں مومن مردوں عورتوں اور شہداء کے لیے نہایت آہ وزاری کے ساتھ دعائے مغفرت فرما رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ واپس لوٹ آئیں۔ جب آقائے نامدار ﷺ واپس تشریف لائے تو سیدہ کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے آ کر کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے جس میں قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر جہنم سے آپ کی امت کے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں اور بخشش و



رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں مگر مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم، (تکبر سے) کپڑے لٹکانے والے، جادوگر، والدین کے نافرمان، شرابی، زانی، سودخور کو بخشا نہیں جاتا اور نہ ہی آج کی رات اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نوافل میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ مجھے وہم گزرا کہ شاید آپ کی روح قبض کر لی گئی ہے۔ جب قریب جا کر تلوے کو ہاتھ لگایا تو آپ کی حرکت سے سکون نصیب ہوا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تمام رات قیام وقعود کی حالت میں پایا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے تھے اور میں ان پر پھونک مارتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ کیا تجھے معلوم ہے یہ رات کیسی ہے؟ اس رات میں آئندہ سال کی پیدائش واموات لکھی جاتی ہیں، بندوں کے رزق کی تقسیم کی جاتی ہے، انسانوں کے اعمال آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور ہر ایک کی قسمت کے فیصلے اسی شب کو ہوتے ہیں۔

۞ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے شعبان کی راتوں کو زندہ رکھا اس کا دل کبھی نہ مرے گا۔ زندہ رکھنے سے یہ مطلب ہے کہ رات کو جاگے اور قیام وذکر خدا میں وہ رات گزارے۔ اس رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کتنے لوگ اس سال مریں گے اور کتنے مریض شفایاب ہوں گے۔ کتنے لڑکے یتیم ہوں گے اور کتنے ماں باپ اپنی اولاد سے جدا ہوں گے۔

۞ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سید عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق پر نظر رحمت ومغفرت فرماتا ہے سوائے مشرک اور اس شخص کے جو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا ہے (ذاتی یا سیاسی جھوٹے پراپیگنڈے کرنے والے بھی اسی ضمن میں آتے ہیں) (طبرانی وابن حبان)

❁...... حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضرت سید دوعالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: ''اذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا ''یعنی نصف شعبان کی رات کو جاگو اور دن کو روزہ رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن غروب آفتاب سے ہی آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر اعلان فرماتا ہے:

''الا من مستغفرلی فاغفرله الا من مسترزق فارزقه ''

ترجمہ: ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخشدوں' ہے کوئی رزق چاہنے والا کہ اسے عطا کردوں۔؟ (ابن ماجہ ص ۱۰۰ و مشکوٰۃ ص ۱۱۵)

❁...... ''عن ام سلمة رضی الله عنها قالت مارایت النبی ﷺ یصوم شھرین متتابعین الاشعبان ورمضان '' (ترمذی ۱/۹۲)

ترجمہ: حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ لگاتار دو مہینے روزے نہیں رکھتے مگر شعبان اور رمضان میں۔

❁...... ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص شعبان کی پہلی اور آخری جمعرات کو روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔

❁...... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ شعبان میں زیادہ روزے کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ وہ مبارک اور سعید مہینہ ہے جس کی عظمتوں سے لوگ ناواقف ہیں۔ اس ماہ میں بندوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کئے جاتے ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے اعمال جس وقت بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں تو میں روزہ دار ہوں۔ نیز فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے اپنی رحمت کے تین سو دروازے کھول دیتا ہے۔ (نزہۃ المجالس، درۃ الناصحین)

زیارت قبوروایصال ثواب

اس رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبرستان تشریف لے جانا اور دعا فرمانا احادیث مبارکہ سے ظاہر و ثابت ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس رات قبرستان میں جائیں اور رات کے سناٹے میں شہر خموشاں کے مکینوں اور اپنے آباؤ اجداد و دیگر متوسلین کی مغفرت کے لیے رو رو کر دعائیں مانگیں، مقابر کے قریب بیٹھ کر سورۃ یٰسین کی تلاوت کریں نیز اپنے لئے بھی اور اپنے اموات کے لیے ختم وایصال ثواب و دعائے مغفرت کا خصوصی اہتمام کریں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس رات مسلمان اموات کی ارواح اپنے گھروں کی طرف رجوع کرتی ہیں اور اپنے گھر والوں سے کہتی ہیں

''هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَذْكُرُنَا هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَتَرَ حَّمُ عَلَيْنَا هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَذْكُرُ غُرْبَتَنَا'' (خزانۃ الروایات)

یعنی ہے کوئی جو ہمیں یاد کرے، ہے کوئی جو ہم پر رحم کھائے، ہے کوئی جو آج ہماری غربت کو یاد کرے۔؟

شب برأت کے نوافل اور دعائیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جو شخص شعبان کی پندرھویں رات کو ایک سو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) اور سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ) پانچ پانچ بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے آسمان سے نازل فرماتا ہے جن میں سے ہر فرشتے کے ساتھ ایک نورانی دفتر ہوتا ہے اور وہ فرشتے قیامت تک اس شخص کے اس رات میں پڑھے گئے ان نوافل کا ثواب لکھتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں میں مختلف تراکیب

سے نوافل منقول ہیں مثلاً

بارہ رکعت نوافل: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ) دس بار۔

ایک سو رکعت نوافل: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار، سورۃ اخلاص دس بار

ایک سو رکعت نوافل: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص گیارہ گیارہ بار

دو رکعت نفل: ہر رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے آیت الکرسی ایک بار، سورۃ اخلاص پندرہ بار۔ سلام کے بعد سورۃ یٰسین تین بار پڑھنے والا موت سے پہلے جنت میں اپنا گھر دیکھ لے گا۔

آٹھ رکعت نوافل ایک ہی سلام کے ساتھ: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک مرتبہ، سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ۔ ہر دو رکعتوں پر پوری التحیات کے بعد اٹھ کر ثناء (سبحانک اللھم) پڑھے، ان نوافل کو ادا کر کے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ایصال ثواب کرنے والا قیامت کے دن آپ کی خصوصی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح ادا فرما کر بھی آپ اس رات کی بے پناہ برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

چھ رکعت نوافل: نماز مغرب کے فوراً بعد دو رکعت نماز نفل عمر میں برکت کی نیت سے ادا کریں۔ سلام کے بعد اول آخر درود شریف ۳ بار، سورۃ یٰسین ایک بار، سورۃ اخلاص ۲۱ بار پڑھ کر مندرجہ ذیل دعا پورے خشوع و خضوع سے پڑھیں۔

o...... اس کے بعد ۲ رکعت نماز نفل دفع مصائب کی نیت سے ادا کریں اور اول آخر تین تین بار درود شریف، سورۃ یٰسین ایک بار، سورۃ اخلاص ۲۱ بار اور مندرجہ ذیل دعا بحضور قلب پڑھیں۔

o... تیسری دفعہ دو رکعت نماز نفل مخلوق کا محتاج نہ ہونے کی نیت سے پڑھیں

اوراول آخر تین تین بار درود شریف، سورۃ یٰسین ایک بار، سورۃ اخلاص ۲۱ بار پڑھ کر دعائے مذکورہ خشیت کاملہ کے ساتھ پڑھیں اور الحاح وزاری کے ساتھ اپنے دینی ودنیاوی، ظاہری وباطنی مقاصدِ خیر کے لیے حبیب خدا، سرور کائنات ﷺ کے توسل سے بارگاہ ایزدی میں دعا مانگیں، دعا یہ ہے۔

"اَللّٰھُمَّ یَاذَالْمَنِّ وَلَا یَمُنُّ عَلَیْہِ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاذَالطَّوْلِ وَالْاِنْعَامِ لَااِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ ظَھْرَ اللَّاجِیْنَ وَجَارَ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ وَاَمَانَ الْخَائِفِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ شَقِیًا اَوْمَحْرُوْمًا اَوْمَطْرُوْدًا اَوْمُقَتَّرًا عَلَیَّ فِی الرِّزْقِ فَامْحَ اللّٰھُمَّ بِفَضْلِکَ شَقَاوَتِیْ وَحِرْمَانِیْ وَطَرْدِیْ وَاقْتِتَارِ رِزْقِیْ وَاثْبُتْنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ سَعِیْدًا مَرْزُوْقًا مُوَفَّقًا لِّلْخَیْرَاتِ فَاِنَّکَ وَ قَوْلُکَ الْحَقُّ فِیْ کِتَابِکَ الْمُنَزَّلِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکَ الْمُرْسَلِ یَمْحُ اللّٰہُ مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ اَللّٰھُمَّ بِالتَّجَلِّیْ الْاَعْظَمِ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَھْرِ شَعْبَانَ الْمُکَرَّمِ الَّتِیْ یُفْرَقُ فِیْھَا کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ وَیُبْرَمُ اَنْ تَکْشِفَ عَنَّامِنَ الْبَلَآءِ وَالْبَلْوَآءِ مَانَعْلَمُ وَمَالَانَعْلَمُ وَمَااَنْتَ بِہٖ مِنَّا اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّالْاَکْرَمُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور عالم ﷺ اس رات سجدہ میں بار بار یہ دعا پڑھتے تھے۔

"اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھُکَ لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ"

ترجمہ: اے اللہ میں تیرے عفو کی پناہ لیتا ہوں تیرے عذاب سے اور تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں تیری ناراضگی سے اور تیری پناہ لیتا ہوں تجھ سے۔ بزرگ ہے ذات تیری جیسی تو نے اپنی ثناء کی ہے میں ایسی تیری ثناء نہیں کر سکتا۔

دعا البراۃ

یہ دعا نہایت الحاح وزاری واشکباری کے ساتھ کثرت سے مانگیں انتہائی مجرب ہے

"اللھم ان کنت کتبت اسمی شقیا فی دیوان الاشقیاء فامحہ وا کتبنی فی دیوان السعدآء وان کنت کتبت اسمی سعیدا فی دیوان السعدآء فاثبتہ فانک قلت فی کتاب کریم یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (درۃ الناصحین)

مذکورہ نوافل اور دعاؤں کے علاوہ درود شریف کی کثرت حضور اکرم ﷺ کے قرب روحانی اور فیضان باطنی کے حصول کا کامل ذریعہ ہے۔ اگر نوافل کی ترکیب اور دعاؤں کی ترتیب یاد نہ ہو تب بھی جس قدر نوافل اور دعائیں پڑھ سکتے ہوں غنیمت باعزیمت ہے۔

ضروری وقابل توجہ باتیں

اس رات ان گناہوں سے خصوصاً پہلے توبہ کر لینی چاہیے جن کی نحوست سے ایسے وسعتِ رحمت کے موقعہ پر ایک بد بخت محروم و بے نصیب رہتا ہے۔ توحید ورسالت کو اخلاص سے مانا جائے، ہر قسم کے گناہوں خصوصاً شراب نوشی، جوابازی، زنا، والدین کی نافرمانی، قطع رحمی، غیبت، چغلی، سودی کاروبار، تکبر وغرور سے خالص توبہ کر لینی چاہیے۔ مسلمانوں کی آپس میں جو مخالفتیں اور رنجشیں ہیں انہیں ختم کر دینا چاہیے، جن کی بول چال بند ہے وہ ایک دوسرے کو راضی کر لیں۔ نصف شعبان سے قبل اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں خصوصاً بزرگوں اور دیگر عامۃ المسلمین سے نہایت خوش خلقی اور محبت سے ملاقات

کی جائے۔ بعض مسلمان ایک دوسرے کے گھر جا کر عید کی طرح ملاقات کرتے' ناراض دوستوں کو راضی کرتے اور عفو تقصیرات کراتے ہیں۔ اگر جذبہء اخوت اسلامی کے تحت اسے صحیح طور پر اپنایا جائے تو بہت اچھا رواج ہے۔

آتش بازی

مذہبی نقطۂ نظر سے شب برأت کی کل کائنات مذکور ہو چکی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ افراد جو سال کے بعد ایک رات اپنے نفس کی اصلاح اور احتساب کے لیے صرف کریں۔

شب برأت کا اصل مقصد رات کی عبادت اور دن کا روزہ ہے۔ یہ روحانی نشو ونما کے لیے ہے نہ کہ شیطانی و نفسانی خواہشات کے لیے۔

بہر حال اس سلسلے میں اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اس رات کی ان تمام رسوم کو ترک کر دیں جو اسراف و تبذیر کے زمرے میں آتی ہیں اور اس مبارک رات کی مقصدیت کے برعکس ہیں۔

جہاں تک آتش بازی کا تعلق ہے یہ زرتشتی رسوم سے ہے جو ایرانی پارسیوں میں رائج تھی۔ جب ایران حلقہ بگوش اسلام ہوا تو یہ رسم ان میں باقی رہی جو بعد میں ہندو پاک میں بھی پھیل گئی۔

آتش بازی فضول خرچی بھی ہے اور خلاف شریعت بھی۔ اس لعنت سے خود بھی بچیں اور بچوں کو بھی بچائیں۔ کتنی تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو آسمانوں سے رحمت کے پھول برساتا ہے اور بدنصیب لوگ آسمانوں کی طرف آگ کے انگارے اور شعلے پھینکتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ مسلمان ایسے مبارک اوقات میں صدقہ و خیرات کریں اور غریبوں مسکینوں کی خبر گیری کریں اور ہر قسم کے منکرات سے پرہیز کریں۔

اللھم ارزقنا ایاھا

سفر حرمین

سفر میں انسان کو دو طرح کی کیفیات پیش آتی ہیں۔ایک کیفیت کا تعلق حواس ظاہری سے ہوتا ہے،اور دوسری کا حواس باطنی سے۔انسان کا ظاہر،سفر کی ظاہری کیفیت سے متاثر ہوتا ہے اور باطن، باطنی کیفیت سے بہرہ ور۔سردی گرمی دھوپ اور سایہ جسم کو متاثر کرتے ہیں اور جذبات واحساسات، قلب وروح پر اثر انداز ہوتے ہیں۔احساس میں گرمی ہو تو موسم کی خنکی بھی محسوس نہیں ہوتی ،دل ہی بجھ گیا ہو تو موسم کی خوشگواری بھی سکون نہیں دیتی۔مسافر کو منزل سے جس قدر شغف ہو گا، جذبات بھی اسی نسبت سے جواں ہوں گے۔جذبات کا سارا رنگ روپ ،احساسات کی ساری دوڑ دھوپ ،منزل کا فیضان کہلاتا ہے۔تڑپ اور جذبہ، ذوق اور شوق،سوز اور ساز۔یہ سب منزل کے عطیات ہیں اور اسی کے قاصد و پیامبر۔سفر میں لذت و کیفیت کا حاصل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ منزل اور مسافر دونوں میں گہرا ربط وضبط موجود ہے۔یہ آ گاہی اور شناسائی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔محض منزل کی خبر پا کر اسیر عقل ہو کر رخت سفر باندھنا اور ہے لیکن حسن منزل کے شوق میں اسیر جمال ہو کر جادہ پیما ہونا کچھ عجیب کیفیت ولذت رکھتا ہے۔جس کا مقصود حیات، جمال یار کے سوا کچھ نہ ہو،ایسے مسافر کو جمال ملتا ہے،وصال ملتا ہے، دید اور عید کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ،کعبۃ اللہ کے حج و طواف کے لئے پہلی بار حاضر ہوئے تو فرمایا میں نے صرف پتھروں کا مکان دیکھا

ہے۔ دوسری مرتبہ حاضری کے شرف سے مشرف ہوئے تو فرمایا میں نے صرف کعبہ ہی دیکھا ہے۔ تیسری بار حسن منزل بے پردہ ہوکر آشکارا ہوا تو آپ بے ساختہ پکار اٹھے اب میں نے کعبے والا بھی دیکھ لیا ہے (**والحمد للّٰہ علیٰ ذالک**)

منزل کے لئے جو سفر اختیار کیا جاتا ہے، آغاز سفر کے ساتھ ہی مسافر کے دل پر منزل کے پرتو پڑنے لگتے ہیں۔ منزل حسین ہو تو دل ابتداء ہی میں نوری اور حضوری کی کیفیات کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ منزل ظلمانی ہو تو اس کی ظلمانی کیفیات بھی دل سے دور نہیں رہتیں۔ یہ کیفیت منزل کی مخبر بھی ہوتی ہے اور راہنما بھی!

روشنی پروانے کو شمع کی طرف پہنچانے کا ذریعہ ہی نہیں بنتی بلکہ شمع کے جمال کی لذتیں بھی عطا کرتی ہے۔ منزل پر پہنچ کر، شمع کے جمال سے متکیف ہونے کے بعد پروانے کے جس رقص کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس کی کیفیات، سفر کے دوران پروان چڑھتی ہیں۔ سفر ہی میں جذبات کو مہمیز، احساسات کو تمیز، امنگوں کو عروج اور ارمانوں کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ سفر اور منزل کے مابین ایک گہرا ربط ہے۔ دونوں کی کیفیات میں بہت ہی قریبی رشتہ ہے۔ اگر ایک ابتدا ہے تو دوسری انتہا، ایک آغاز ہے تو دوسرا انجام، ایک اجمال ہے تو دوسری تفصیل، ایک عشق ہے تو دوسرا حسن، ایک طالب ہے تو دوسرا مطلوب، ایک قاصد ہے تو دوسرا مقصود۔ عازم حرمین طیبین کا سفر اس لئے پر کیف اور نشاط آمیز ہوتا ہے کہ اس کا دل منزل کے انوار و برکات سے معمور ومخمور ہوتا ہے۔ جمال محبوب کے پرتو اس کے قلب و روح کو محیط ہوتے ہیں جو اسے شکستہ خاطر اور مغموم نہیں ہونے دیتے۔

حرمین کا سفر تو اپنے مسافر کو ہر لمحہ تازہ ولولہ، ہر قدم نیا ذوق، اور ہر آن نئی جان دیتا ہے۔ جس خوش نصیب مسافر کی منزل مکہ اور مدینہ ہو، اس رہرو شوق کو ہمارا سلام ہو!

مکہ.......... بیت الحرام کا شہر، مسجد حرام کا شہر، رکن و مقام کا شہر، طواف و استیلام کا شہر

مکہ..........نزول قرآن کا شہر، حصول عرفان کا شہر، بیعت الرضوان کا شہر، ہر اک مسلمان کا شہر

مکہ..........جس کے وسط میں خانہ کعبہ ہے..... جہاں آخری پیغمبر کی آخری حجت قائم ہوئی..... جہاں لیل و نہار کی گردشیں تعظیماً ٹھہرتی ہیں..... جہاں افلاک کی بلندیاں احتراماً جھکتی ہیں..... جہاں عبادت و تلاوت کے چراغ ہر وقت روشن رہتے ہیں..... جہاں ذکر و فکر کی بستیاں آباد رہتی ہیں..... جہاں تہذیب حجازی نے جنم لیا.....اور دنیا بھر کی مسجدیں اس کی بیٹیاں کہلائیں۔

سلام ہو اس مقدس سرزمین پر جہاں کاروان شوق ابد تک کے لئے رواں دواں ہیں۔

اور مدینہ.......... مدینۃ الرسول جو سیدالانبیاء (ﷺ) کی آرام گاہ ہے.....

جو شہروں کا شہنشاہ ہے..... جو مخلوق کی امید گاہ اور محتاجوں کی جائے پناہ ہے۔

مدینہ..........عاشقوں اور پروانوں کا شہر

مدینہ..........محبتوں اور ارمانوں کا شہر

مدینہ..........درودوں اور سلاموں کا شہر

مدینہ..........جس کی بنیادیں صبح قیامت تک قائم و دائم ہیں

مدینہ.......... جہاں قرن ہا قرن سے درود و سلام کے موتی نچھاور ہو رہے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مکہ مکہ ہے مگر مدینہ بھی تو مدینہ ہے.....رحمتوں کا خزینہ ہے مہبط وحی و سکینہ ہے۔

جب سے ہوا ہے حاصل ہمیں عشق کا قرینہ
اک آنکھ میں مکہ اک آنکھ میں مدینہ

مکہ میں عرفات ہے.......... مدینہ میں نجات ہے
مکہ میں منیٰ ہے.......... مدینہ میں قبا ہے

مکہ میں مروہ اور صفا ہے .... مدینہ میں مروّت اور وفا ہے
مکہ میں بی بی خدیجہ ہیں .... مدینہ میں بی بی فاطمہ ہیں
مکہ میں رکن یمانی ہے .... مدینہ میں فضل ربانی ہے
مکہ میں حجر اسود ہے .... مدینہ میں جبل احد ہے
مکہ میں طواف و استیلام ہے .... مدینہ میں صلوٰۃ و سلام ہے
مکہ میں آب زمزم ہے .... مدینہ میں آب کوثر ہے
مکہ میں لبیک اللھم لبیک ہے .... مدینہ میں یا نبی سلام علیک ہے
مکہ میں غارحرا ہے .... مدینہ میں گنبد خضریٰ ہے

مکے اور مدینے کا مسافر، جب ان ملی جلی کیفیات کی لذتیں حاصل کرتا ہے اور دیدہ و دل کو فرش راہ کیے کعبہ کے بام و در اور طیبہ کے شام و سحر سے شاد کام ہوتا ہے اور جب اس کی نگاہیں کعبۃ اللہ اور گنبد خضراء کے جلووں سے مستنیر ہوتی ہیں تو وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

بہ مکہ بنی از توحید نورے
بہ طیبہ از رسول اللہ ظہورے
گر ایں دو شہر ایماں را ندیدی
چہ دیدی گر دریں دنیا رسیدی

بچپن میں جب کسی خوش نصیب کو سفر حرمین کے لئے تیاری کرتے دیکھتا، یا کسی قافلہ حجاج کو منزل شوق کی طرف رواں دواں پاتا، تو بے ساختہ جذبات کے سمندر میں تلاطم آجاتا، آنکھیں دیدۂ حسرت بن کر اشک فشاں ہو جاتیں، جلال کعبہ اور جمال طیبہ نگاہوں میں رچ بس جاتا اور دل میں حسرت چٹکیاں لیتی اور خیال آتا کہ کبھی میں بھی اس قابل

ع نہ پلے زر، غریبی گھر، میں ہاں بے پر، اڑاں کیونکر؟

اور پھر اپنے دل پرغم کو ان کی رحمت کے آسرے یوں تسلی دے لیتا۔

بڑی امید ہے سرکار قدموں میں بلائیں گے
کرم کی جب نظر ہوگی مدینے ہم بھی جائیں گے

اور کبھی یہ دعا ورد زباں رہتی

خدایا غیب سے سامان کردے
مدینے کا مجھے مہمان کردے

اسی کشمکش میں دن گذر جاتے، راتیں بیت جاتیں، عشق کی چنگاریاں سینے میں سلگتی رہتیں، کیونکہ یہ عشق، بحمدہٖ تعالیٰ ازل سے فطرت میں ودیعت تھا۔ پھر اس ازلی درد و سوز کو شیخ کامل، مرشد برحق، حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ کے انفاس قدسیہ نے جلا بخش دی تھی اور پاک سیرت اساتذہ کی تعلیم وصحبت اور پاک طینت والدین کی تربیت اس پر مستزاد۔ یہی فطری سوز ہی شریک جان رہتا اور زبان پر درود وسلام کے نغمے طاری اور آنکھوں میں محبت کے آنسو جاری رہتے۔

محبت میں تیری ہم کو فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

آیا ہے بلاوا مجھے دربار نبی سے

آخر ۱۹۷۶ء کی ایک سہانی رات، شب برأت بن کر میرا نصیبہ جگانے لگی اور مقدر چمکانے لگی، کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پہ پہلی رات کا چاند تاباں ہے اور معاً بعد یہ منظر کہ روضہ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے اردگرد شمعیں فروزاں ہیں، لامحدود روشنیوں کا سماں اور یہ خوش نصیب (گنہ گار) بارگاہ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوات) میں حاضر ہے اور درود وسلام کے گلدستے پیش کر رہا ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!

ایک عالم دین کو یہ خواب سنائی تو فوراً بولے زیارت حرمین طیبین کے لئے بشارت ملی ہے مبارک ہو! چنانچہ بخت نے انگڑائی لی، مقدر اوج ثریا پر پہنچا، آتش شوق تیز ہوئی، غیب سے سامان ہوا، درخواست کو پذیرائی ملی اور اسی سال پہلی بار سفر حج کے لئے روانگی ہوئی ؂

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے !

اہل شہر نے جس شوق وعقیدت سے الوداع کہا وہ ان کے خلوص ومحبت کا عجب نمونہ تھا اور اس حقیقت کا آئینہ دار کہ ؂

محمد کی وساطت ہے محبت میری تیری ہے
محبت اصل ہے ان کی نہ میری ہے نہ تیری ہے

گوجرانوالہ سے بذریعہ ریل کراچی پہنچا جو پاکستان کے راہ نوردان شوق کی پہلی منزل ہے۔

راہ شوق ...... کراچی سے جدہ

انسان پر جب خدا کا کرم ہوتا ہے تو اسے نیکی کی توفیق ملتی ہے۔ توفیق ...... انعام ہے، توفیق ...... بلاوا ہے، توفیق ...... پیغام ہے۔ پیغام بھیج کر بلانے کے بعد کریم رد نہیں کیا کرتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں، دروازے کھولتے ہیں، نوازشات اور ثمرات عطا کرتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد قرآنی ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (النمل)

''کہ ہم اپنی طرف آنیوالوں کے لئے کئی راہیں کھول دیتے ہیں''۔ پھر ان

کے لئے منزل نہ صرف قریب ہو جاتی ہے بلکہ منزل خود استقبال کرنے آ جاتی ہے۔

اے جذب دل گر وہ چاہیں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

صرف منزل ہی لذتوں اور کیفیتوں سے ہمکنار نہیں کرتی بلکہ جادے بھی کیف وسرور بخشتے ہیں۔ میخوار کو میخانہ میں پہنچ کر ہی لذت نہیں ملتی بلکہ میخانے کی طرف لے جانے والا رستہ بھی اسے لذت آشنا بنا دیتا ہے۔ محبوب کی راہیں کیفیتوں اور مسرتوں سے خالی نہیں ہو سکتیں، بلکہ محبوب سے تعلق رکھنے والا ہر جادہ، ہر نشان، ہر قدم اور ہر مقام لذتوں، نعمتوں اور کیفیتوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس کی گفتار میں مستی اور رفتار میں نشہء صہبا کی جلترنگ معلوم ہوتی ہے۔

راہ کے موانعات وحوادثات اس کے لئے مہمیز کا کام دیتے ہیں، صعوبتیں راحتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، کانٹے پھول بن جاتے ہیں، خار میں بہار اور نار میں گلزار کے مزے ملتے ہیں، وہ نوک خار مغیلاں سے آبلہ پائی کا درمان کرتے ہوئے یوں نغمہ سنج نظر آتے ہیں۔

اے رہروان شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے میں تو ہر کانٹا بھی پھول ہے

کچھ ایسے ہی ملے جلے جذبات کا سیل رواں محیط قلب وجاں تھا اور یہ خوش نصیب منزل جاناں کی طرف کشاں کشاں رواں دواں تھا۔ دراصل محبوب کی بے پایاں عنایات رہبر راہ شوق تھیں ورنہ ایک بے زر اور بے پر انسان یہ راستے طے کرنے کے لائق کہاں تھا؟

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

جولائی ۱۹۷۶ء کی ایک سہانی صبح پیغام وصل لائی اور یہ آشفتہ سر، کوئے جاناں کی طرف کاسئہ گدائی لئے روانہ ہوا۔ کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ تک کوئی تقریباً چار گھنٹے کا سفر ہے۔

کراچی پاکستان کے رہروان شوق کی پہلی منزل ہے اور جدہ دنیا بھر کے رہ نوردان ذوق کا آخری محمل، جہاں عشق ومحبت کے کارواں تازہ دم ہوتے اور **لبیک اللھم لبیک** کی قلندرانہ صداؤں اور **یانبی سلام علیک** کی عاشقانہ نداؤں کے ساتھ وجد ورقص کرتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضاؤں میں گم ہو جاتے ہیں۔

اللھم ارزقنا ایاھا

نوٹ: حضرت ابوالبیان علیہ الرحمہ نے جب اس مبارک سفرنامے کا آغاز فرمایا تو انکا ارادہ تھا کہ حرمین شریفین کی حاضری وزیارت کی ایک مبسوط اور دلکش تحریر منصۂ شہود پر پرلائی جائے مگر آپ کی تبلیغی، جماعتی، جہادی، روحانی برق رفتار مصروفیات مسلسل آڑے آتی رہیں اور یوں یہ مبارک سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ بالآخر آپ کا وصال مبارک ہوگیا۔

حیف در چشم زدن کہ صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کسب معاش اور طلب حلال کی فضیلت

رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عن المقدام بن معد یکرب قال قال رسول اللّٰه ﷺ ما اکل احد طعا ماقط خیرا من ان یا کل من عمل یدیه و ان نبی الله داؤ د علیه السلام مکان یا کل عمل یدیه" (رواہ البخاری) (مشکوۃ جلد دوم)

مقدام بن معد یکرب سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔

اس حدیث میں سرور عالم ﷺ نے کسب معاش اور طلب حلال کی ترغیب اور فضیلت بیان فرمائی ہے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی کو سب سے اچھا کھانا قرار دیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھوں سے روزی کما کر کھانا کھایا کرتے تھے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ سازی کا کام کیا کرتے تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام خیاط (یعنی درزی پیشہ) تھے حضرت نوح علیہ السلام نجار (یعنی بڑھی) پیشہ تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں (یعنی تمام انبیاء کرام محنت کر کے روزی کمایا کرتے تھے) صحابہ نے عرض کی "کیا آپ نے بھی"؟ فرمایا ہاں میں نے بھی چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔

اسلام نے رزق حلال کے لئے کسب معاش کے جائز اور مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کرنے پر خاصا زور دیا ہے اور حقیقت بھی ہے کہ انسان اگر اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو مخلوق سے بے نیاز رکھنے کے لیے کسب حلال سے ان کی کفالت کرے تو یہ اللہ کی راہ میں جہاد اور بہت سی عبادتوں سے افضل ہے۔

رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سوال اور گداگری سے بچنے کے لئے یا اپنے عزیزوں اور ہمسایوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے حلال روزی کماتا ہے قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ منور اور چمکتا ہوگا۔

ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا کہ روزی کے دس حصے ہیں جن سے نو حصے صرف تجارت میں ہیں لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ بیٹا کسب حلال نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص لوگوں کا محتاج ہوتا ہے اس کا دین تنگ عقل ضعیف اور مروت زائل ہو جاتی ہے لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں اپنی موت کو ایسی حالت میں زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ اپنے اہل وعیال کے لیے بازار میں حلال روزی کماتا ہوا مر جاؤں۔

روزی بہت طریقوں سے کمائی جاتی ہے۔ آمدنی کے ان گنت ذریعے ہوتے ہیں انسان کو آمدنی بڑھانے روزی کے وسائل میں اضافہ کرنے اور ناز ونعمت کی زندگی بسر کرنے کی بڑی حرص ہوتی ہے یہ حرص ناجائز نہیں جائز ہے غلط نہیں مستحسن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حد اعتدال سے باہر نہ نکلے وہ انگارے نہ کھائے خدا کا دیا ہوا رزق کھائے وہ آگ نہ چبائے خدا کی عطا کردہ نعمتیں تناول کرے جو کچھ کمائے وہ جائز اور صحیح ذریعہ سے کمائے چوری، رشوت، جعلسازی، دھوکہ، غبن اور جھوٹی قسموں کے ذریعے جو کچھ کماتا ہے وہ حلال نہیں حرام ہے اسلام کی نظر میں وہ آگ ہے جو آپ کھائے گا اس کا منہ جلے گا جو زہر کھائے گا وہ ضرور مرے گا ہوسکتا ہے فوراً نہ مرے کچھ دیر بعد مرے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آگ کی سوزش فوراً محسوس نہ ہو کچھ دیر بعد ہو

لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ "محسوس نہ ہو"

سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص حرام ذریعے سے مال کماتا ہے اس میں برکت نہیں دی جاتی اسکا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور اس کا کمایا ہوا مال اس کے لے دوزخ کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ (کنز العمال) تجارت میں دیانت اور صداقت اسلام کا زریں اصول ہے خرید وفروخت میں قسمیں کھانا ایک مذموم فعل ہے قرآن پاک سورۃ آل عمران میں قسمیں کھا کر خرید وفروخت کی شدید مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"بے شک جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں پر دنیا کا تھوڑا سا مال خریدتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں نہ اللہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا قیامت میں اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے"

ابن جریر میں ہے کہ یہ آیت ان تاجروں کے بارے میں نازل ہوئی جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنا سامان بیچتے ہیں عموماً تاجر حضرات چیزوں کی قیمت اور مال کی اصل حقیقت بتانے میں ہیرا پھیری اور جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں مال کی تعریف میں مبالغہ کرتے اور بے جا قسمیں کھاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تاجروں کے لیے "لا واللہ" اور "بلیٰ اللہ" کے الفاظ میں خرابی ہے یعنی خرید وفروخت میں قسمیں کھانا خرابی سے خالی نہیں ہے آپ نے فرمایا جھوٹی قسم مال بکوا دیتی ہے لیکن نفع اور برکت گھٹا دیتی ہے حضرت قتادہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا خرید وفروخت میں بہت قسمیں کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ اس طرح پہلے کامیابی ہوتی ہے پھر بے برکتی ہو جاتی ہے جھوٹی قسم کھانا تو بہر حال گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ کے نام کی سچی قسم بھی دنیاوی امور کے لئے بے ادبی سے خالی نہیں بے باکی کے ساتھ بلا وجہ قسمیں کھانا اسلامی شرافت کے خلاف اور ذلت وخواری وندامت وشرمساری کے اسباب سے ہے۔

اسلام میں عورت کا مقام

فاران کی چوٹیوں سے آفتاب رسالت طلوع ہواتو کائنات کے لئے آرائش آب وگل اورآسائش جان ودل کا سامان ہوا۔خورشید رسالت کی جلوہ گری سے بزم عالم پروہ بہار آئی۔جس کی نسیم حیات پرور سے انسانیت کے مردہ جسم میں حیات ابدی کی لہر دوڑ گئی۔ظلم وتعدی،وحشت وبربریت کا خاتمہ ہوا،دور جاہلیت کی انسانیت سوز باطل رسوم کا استحصال ہوا،زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب آگیا،اسلامی انقلاب،روحانی انقلاب،پرامن انقلاب،غرضیکہ بندے کا خدا سے رشتہ قائم ہوگیا،غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں اورآزادی کی صبح نمودار ہوئی۔

رحمت عالم نور مجسم ﷺ نے جہاں انسانیت کے تمام شعبوں کی اصلاح فرمائی وہاں نسوانیت کو بھی ذلت وپستی کے گڑھوں سے نکال کر اس کو عزت ووقار کا دیدہ زیب تاج پہنا دیا اور طوفان زندگی کے سیلاب میں تھپیڑے کھانے والی صنف نازک کو ماں،بیٹی،بہن اور بیوی کے مقدس رشتوں میں منسلک کرکے مردوں کی طرح ان کے حقوق ومفادات کو بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا۔

- کبھی الجنة تحت اقدام الامهات "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے" کی نوید سنائی۔
- کبھی حجۃ الوداع کے خطبہ کے موقعہ پر صراحت کے ساتھ مردوں کو آگاہ کیا اتقوا الله فی النساء "عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو"

❁...... کہیں ارشاد فرمایا: **خیر متاع الدنیا المرأة الصالحه**

"دنیا کی بہترین جنس اچھی اور نیک عورت ہے"۔

کہیں ازدواجی زندگی کے اعلیٰ معیار کا کھلے لفظوں میں یوں اعلان کیا:

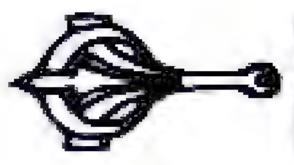
خیر کم خیر کم لاهله وانا خیر کم لاهلی

"تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں بہتر ہوں"۔

فخر کونین ﷺ نے بیوی کو زر خرید کنیز کی بجائے رفیقہ حیات کا مقام بخشا اور شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ کے اعزاز سے نوازا۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ کسی بھی معاشرے کی تشکیل و تعمیر، عورت کی رہین منت ہے۔ عورت ہی کی گود میں قوموں کی تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اگر عورتیں، اسلامی تہذیب و تمدن کے زیور سے آراستہ ہو جائیں اور احکام خداوندی اور فرمان نبوی پر عمل کو حرز جاں بنالیں تو ہمارا بگڑا ہوا معاشرہ جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

کاش! مسلمان عورتیں اپنے حقیقی مقام کو سمجھ سکیں اور اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں اپنا حقیقی کردار ادا کر سکیں۔



سچائی دی وڈیائی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا یھا الذین امنوا تقوا اللہ و کونوا مع الصادقین O

اسلام دے اندر اخلاقی خوبیاں وچوں سب نالوں وڈی خوبی داناں سچائی اے، سچائی اللہ تعالیٰ دیاں صفتاں وچوں وی اک وڈی صفت اے، سورۃ نساء دے وچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے:

''ومن اصدق من اللہ حدیثاً''

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نالوں گلاں وچہ زیادہ سچا کون اے

صدق تے سچائی پیغمبراں دا سب توں پہلا وصف اے، کیوں جے اونہاندے سارے دعوے تے دلیلاں سچائی دی وجہ دے نال ای قائم نیں ایسے لئی اللہ تعالیٰ نے قرآن وچ جا بجا نبیاں نوں ایس صفت نال موصوف کردیاں ہویاں ''صدیق تے صادق الوعد'' آکھیا اے اسلام نے سچائی دی اہمیت انی ودھائی اے کہ صرف سچائی اختیار کرن دا ای حکم نہیں دتا بلکہ سچیاں دا ساتھ دین دی وی تاکید کیتی اے، ارشاد اے:

''وکونوا مع الصادقین''

ترجمہ: اے ایمان والیو! سچیاں دے نال رہیا کرو

قرآن مجید وچہ اللہ تعالیٰ نے سچیاں نال بخشش تے اجر عظیم دا وعدہ کیتا اے تے جھوٹھیاں تے لعنت کیتی اے جیہڑا بندہ سچ بولن دا عادی ہو جاندا اے اوہدے لئی نیک عمل کرناں تے گناہواں توں بچناں بڑا آسان ہو جاندا اے،

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی وچ اک روایت نقل کیتی اے کہ اک بندہ سرکار دو عالم ﷺ دی خدمت وچہ حاضر ہویا تے عرض کیتی یا رسول اللہ ﷺ میرے وچ چار بریاں خلصتاں نیں اک ایہہ وے کہ میں بدکار آں، دوجی ایہہ کہ میں شراب پیناں تیجی ایہہ کہ میں چوری کرناں، چوتھی ایہہ کہ میں جھوٹ بولناں 'اینہاں بریاں عادتوں وچوں میں اکو ای بری عادت چھڈ سکناں ایہہ دسو میں تہاڈی خاطر کیہڑی بری عادت چھڈ دیواں آپ نے فرمان کیتا کہ جھوٹ نہ بولیا کر، اس نے وعدہ کرلیا کہ میں آئندہ لئی کدی وی جھوٹ نہیں بولاں گا۔ جدوں رات پے گئی تے اوہنوں عادت یاد آن لگی شراب تے بدکاری دا ارادہ پکا بنالیا اوسے ویلے اونہوں خیال آندا اے کہ صبح ویلے جدوں حضور ﷺ دی خدمت وچ حاضر ہوواں گا تے اوہناں پچھیا کہ رات نوں توں شراب پیتی تے بدکاری کیتی اے؟ میں اللہ دے نبی نوں کیہ جواب دیاں گا جے ہاں کیتی تے شرعی سزا پاواں گا جے آکھیائیں تے عہد ٹٹے گا نالے چوٹھ ثابت ہووے گا ایہہ سوچ کے تے دوہاں گناہواں توں باز رہیا جدوں رات دا کجھہ حصہ گزر گیا تے اوہدے دل وچ چوری کرن دا خیال پیدا ہویا۔ تے پھر اوسے خیال نے اوہنوں روک دتا کہ جے کل پچھ پگھ ہوئی تے کہیہ آکھاں گا اگر ہاں کیتی تے ہتھ کٹیا جائے گا جے نہ کیتی تے بدعہدی تے چوٹھ ہووے گا' ایہہ خیال آوندیاں ای اوہ چوری دے جرم توں وی باز رہیا صبح ویلے دوڑ کے چھیتی نال بارگاہ نبوت ﷺ وچ حاضر ہو کے عرض کیتی یا رسول اللہ جھوٹھ نہ بولن دی وجہ نال میریاں چارے بریاں خصلتاں چھٹ گئیاں نیں۔ اوہدی ایہہ گل سن کے تے اللہ دے نبی ﷺ نوں بڑی خوشی ہوئی تے اوہدے لئی دعا کیتی!

اس روایت توں سانوں ایہہ سبق ملدا اے کہ سچائی دی عادت انسان نوں بہت ساریاں برائیاں توں بچا دیندی اے

سچا آدمی ایماندار، دلیر، تے دل دا صاف ہندا اے، چوٹھا آدمی منافق، بزدل تے خوشامدی ہندا اے اوہدے قول وفعل تے لوکاں نوں اعتبار نہیں ہندا۔

اسلام وچ سچائی دا مفہوم صرف ایہہ ای نئیں کہ زبان نال گل سچی کیتی جائے بلکہ زبان نال نال عمل دی سچائی تے دل دی سچائی وی شامل اے۔

زبان دی سچائی ایہہ وے کہ انسان دے مونہہ وچوں اک حرف وی صداقت دے خلاف نہ نکلے وعدہ پورا کرناں تے قول واقرار نوں نبھاہناں زبان دی سچائی دا نشان اے۔

حدیث پاک وچہ آوندا اے کہ اک شخص نے رسول عربی ﷺ دی خدمت وچ سوال پیش کیتا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا مسلمان نامراد ہوسکدا اے فرمایا ہوسکدا اے، اوہنے پچھیا، بخیل وی ہوسکدا اے جواب دتا ہوسکدا اے پھر دریافت کیتا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ کیا مسلمان چوٹھا وی ہوسکدا اے فرمایا نئیں اک حدیث وچہ ارشاد اے کسے وی بندے دا ایمان مکمل نہیں ہوسکدا اجد تک اوہ چوٹھ نوں پوری طرح نہ چھڈ نہ دیوے ایتھوں تک کہ مذاق تے جھگڑے وچہ وی چوٹھ نہ بولے بھانویں اوہ حق تے ای کیوں نہ ہووے صحیح بخاری کتاب الایمان وچہ حدیث اے کہ منافق دیاں تن علامتاں نیں پہلی، گفتگو کرن لگیاں چوٹھ بولے دوجی جدوں وعدہ کرے تے پورا نہ کرے تیجی جدوں امین بنایا جاوے تے امانت وچہ خیانت کرے۔

دل دی سچائی دا دوجاناں اخلاص اے، زبان وچوں سچ دا ظہار وی کدی چوٹھ بن جاندا اے جدوں اوہ دل دی تہ وچوں نہ نکلے منافق لوگ حضور دی رسالت دا زبانی اقرار تے کردے سن لیکن اونہاں دا دل اس اقرار دے خلاف ہوندا اسی ایسے لئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"واللہ یشھدان المنافقین لکذبون"

ترجمہ: اللہ گواہی دیندا اے کہ ایہہ منافق جھوٹے نیں۔

معلوم ہویا کہ اصل سچائی ایہہ وے کہ زبان دل دی ترجمانی کرے، عمل دی سچائی ایہہ وے کہ بندے دا نیک عمل اوہدے ضمیر دے مطابق ہووے یعنی اوہدا ظاہر تے باطن اک ہووے اوہدے عمل دا مقصو نمائش تے ریاکاری نہ ہووے بلکہ اللہ تعالیٰ دی رضا تے خوشنودی اوہدے پیش نظر ہووے زبان تے دل دی سچائی دے نال نال عمل دی سچائی وی بے حد ضروری اے، جنہاندا عمل دلی کیفیت دا سچا ترجمان ہووے قرآن اوہناں نوں صدیق دے لقب نال یاد کردا اے تے صدیق اوہ ہندا اے جہڑا اپنے قول دی تصدیق اپنے عمل نال پیش کرے ایسے لئی نبوت توں بعد انسانیت دا سب توں وڈا رتبہ صدیقیت اے، اک حدیث وچہ فرمایا گیا اے کہ انسان سچ بولدا بولدا صدیق بن جاندا اے، لیکن ایہہ یاد رہنا چاہیدا اے کہ صرف اک دو دفعہ سچ بول لین نال ایہہ مرتبہ نئیں ملدا ایہدے لئی مضبوطی نال صداقت تے قائم رہن دی لوڑ اے دعا اے کہ اللہ تعالیٰ سانوں سچائی دے مقدس اصولاں دی پاسداری کرن دی توفیق بخشے تے ساڈا پاکستانی معاشرہ صاف ستھرا تے سچا اسلامی معاشرہ کہلان دے قابل ہو جاوے۔ (اللھم آمین)

دورہ آسٹریلیا وملائیشیا کی روئیداد

2مارچ 1989ء بروز جمعرات بسلسلہ دعوت وتبلیغ کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز سڈنی (آسٹریلیا) کے لئے روانگی ہوئی۔سڈنی آسٹریلیا کا ایک مشہور ترین بین الاقوامی شہر ہے جو تقریباً سو مربع میل تک پھیلا ہوا ہے۔بین الاقوامی مشہور بندرگاہ بھی ہے۔ چاروں طرف سمندر کے حسین مناظر اور حسن قدرت کے دلفریب مظاہر سامان عبرت بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔سڈنی یورپ کا ایک ترقی یافتہ اور آوارہ شہر ہے جہاں انسانی قدریں دم توڑ رہی ہیں، شرافت اور غیرت ناپید ہیں۔جہاں زندگی بے مقصد بھی ہے اور بے کیف بھی۔رقص ابلیس کا ہوشربا ہنگامہ ہے۔دولت، عشرت، شراب وکباب، لہو ولعب، عیش وطرب غرضیکہ قلب ونظر کی ذلت ورسوائی کا ہر سامان موجود ہے۔اگر نہیں! تو ایمان ویقین، صبر وقناعت اور شرم وحیا کا نام ونشان نہیں۔(والعیاذ باللہ تعالی)

لکھے گی کلک حسرت دنیا کی ہسٹری میں
اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

لیکن تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس سرزمین پر مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے اور تبلیغ دین کے نام پر قافلہ ہائے عشق وجنون کے قدموں کی چاپ بھی سنائی دے رہی ہے۔اگر آسٹریلیا میں موجود تین لاکھ سے زائد مسلمان (جو یہاں کی تیسری قوم ہیں) صدق بوبکر اور فقر حیدر سے سرشار ہوکر (توکلاعلی اللہ) عشق کے دریا میں کود پڑیں اور اسلام کے سچے شیدائی بن کر دعوت الی اللہ کا بیڑا اٹھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں اسلام کا پرچم بلند نہ ہو۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

سڈنی (آسٹریلیا) میں تبلیغی دورے کے لئے جناب فضیلۃ الشیخ نہال دلاتی نے سپانسر کیا۔ اس کے خصوصی محرک جناب صوفی رانا طارق جاوید ہیں، جو پیکر خلوص بھی ہیں اور سراپا محبت بھی، ان کا حسن اخلاق اور ذوق استقبال ہمیشہ یاد رہے گا۔

شب معراج

مورخہ 5 مارچ شب معراج کو جامع مسجد روٹی ہل (جو ابھی زیر تعمیر ہے) میں ''مقامِ عبدیت اور معراج مصطفیٰ ﷺ'' کے موضوع پر مبسوط خطاب ہوا۔ حاضرین بے حد محظوظ ہوئے۔ مسجد کے خطیب اور اراکین انتظامیہ نے محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا۔ آخر میں صوفی طارق جاوید صاحب اور ان کے رفقاء نے حاضرین و سامعین کی پرتکلف ضیافت فرمائی۔

سڈنی میں ''پاکستانی ایسوسی ایشن'' کے اراکین نے بھی گرمجوشی سے استقبال کیا اور مختلف مقامات پر محافل کا انعقاد کیا۔ جس میں ''اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کا تقابلی جائزہ'' کے حوالے سے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔

خطبۂ جمعہ

آسٹریلیا میں لبنانی مسلمانوں کے مذہبی لیڈر فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ تاج الدین الہلالی مدظلہ العالی نے بندہ کو خصوصی طور پر خوش آمدید کہا۔ قیام گاہ پر تشریف لائے اور سڈنی کی سب سے بڑی اور خوبصورت جامع مسجد ''الکمبا'' (Lakmba) میں خطبہ جمعہ کے لئے دعوت دی۔ اس مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ آج تک اس میں کسی غیر عرب نے خطبہ جمعہ نہیں دیا۔ یہ اعزاز پاکستان کے ایک بے مایہ مسافر (راقم) کے حصے میں آیا کہ 10 مارچ کو اس مسجد میں سوا ایک بجے سے لے کر ۲ بجے تک (پون گھنٹہ) عربی زبان میں خطبہ دیا۔ تقریباً تین چار ہزار کے اجتماع سے الوہیت اور

رسالت کے مابین ارتباط، محبت رسول (ﷺ) اور جہاد بالنفس کے موضوعات پر خطاب کیا۔ زیادہ مجمع لبنانی عربوں پر مشتمل تھا، پاکستان یا ہندوستان کے چند افراد نظر آرہے تھے۔ جمعہ کے بعد اکثر اہل علم وفضل اور عرب شیوخ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت علامہ الہلالی نے پر تکلف دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اہل عرب کی روایتی مہمان نوازی کا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ بعدازاں ماشاء اللہ کئی اہل علم وذوق حضرات سے مختلف موضوعات پر علمی مذاکرات ہوتے رہے اور تاریخی معلومات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ متعدد عربی، پاکستانی اور اہل فجی (Fiji) حضرات خصوصی محافل تبلیغ وذکر کا انعقاد کرتے رہے جس میں شیخ نبھن دلاتی (لبنانی)، شیخ سلیمان بدوی (شافعی)، چوہدری عیش محمد مجددی، شبیر احمد، عبدالحمید عاجز، حضرت صوفی اسرار الحق مجددی، چوہدری احمد دین شہزاد مجددی، حاجی امتیاز احمد، محمد اشرف وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی محبت اور مہمان نوازی کا قابل رشک مظاہرہ ہمیشہ پیش نظر رہے گا۔

فرعون کے مجسمہ کی نمائش

دوران قیام معلوم ہوا کہ آج کل فرعون کا مجسمہ قاہرہ سے سڈنی میں نمائش کے لئے لایا گیا ہے۔ ہم بھی چوہدری عیش محمد مجددی اور عزیزم محمد فیاض کے ہمراہ قرآنی صداقت کا تاریخی ثبوت دیکھنے کے لئے سڈنی کے عجائب گھر پہنچے۔ مخلوق ہزاروں کی تعداد میں جمع تھی۔ تقریباً ایک میل لمبی قطار تھی۔ ہم کافی دیر شدت انتظار سے دو چار رہنے کے بعد واپس آگئے۔ یہ آخری دن تھا اور فرعون کی ممی شام آٹھ بجے دوسرے شہر Melbonrne میں منتقل ہونے والی تھی۔ اہل سڈنی کا زبردست ہجوم تھا، لیکن نظم وضبط کا یہ عالم کہ آواز بھی بلند نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک اپنی باری کے انتظار میں مطمئن کھڑا تھا۔ یہ منظر دیکھتے ہوئے مجھے اپنی پاکستانی قوم کی بدنظمی اور افراتفری یاد آئی اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر دل میں کہا کہ اے کاش! مسلمان بھی دین اسلام کے مثالی نظم وضبط کا نمونہ پیش کر کے اقوام عالم میں اپنا وقار بلند کر سکیں۔

خدایا ایں امتے را یار بادا کہ مرگِ او ز جان بے حضور است

ملائیشیا میں مختصر قیام

تقریباً چودہ دن قیام کے بعد ۱۶ مارچ جمعرات کو سڈنی ائیر پورٹ سے ملائیشیا کے دارالحکومت "کوالالمپور" کے لئے پرواز ہوئی۔ یہاں کے احباب ائیر پورٹ پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ سلطان محمد مجددی جو کافی عرصہ سے وہاں قیام پذیر ہیں خصوصی میزبان تھے۔ وہ ایک فقیر منش اور صاحب ذوق انسان ہیں جن کے حسن اخلاق نے بے حد متاثر کیا۔ انہی کے مکان میں قیام رہا۔

خطبہ جمعہ

دوسرے دن ۱۷ مارچ شہر کی خاصی معروف مسجد (جامع مسجد پاکستانی) میں جمعہ کے موقع پر "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" کے موضوع پر اردو میں خطاب کا موقعہ ملا۔ امام مسجد نے ملائی زبان میں ترجمہ پیش کیا۔ حاضرین کے چہروں پر خوشی اور اطمینان کے آثار نظر آرہے تھے۔ دوسرے روز جامع مسجد "مالابار" میں درس قرآن ہوا۔ محبت رسول (ﷺ) کے موضوع پر خطاب کیا، سامعین ایک نئے ذوق میں محو نظر آرہے تھے۔

ملائیشیاء کے لوگ

مذہب کے دلدادہ اور سادگی پسند معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف مذاہب و نظریات کی حامل کئی قومیں یہاں آباد ہیں۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی مذہبی قیادت نہ ہونے کے برابر ہے۔ علماء سرکاری ہیں، مشائخ کا وجود عنقا ہے، حکومت مسلمان ہے، لیکن کوئی قابل ذکر اسلامی یونیورسٹی موجود نہیں۔ یہاں کے مذہبی لوگ دینی تعلیم حاصل کرنے قاہرہ (مصر) یا ہندو پاک کا رخ کرتے ہیں۔ دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے بے پردگی اور آزادی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ "کوالالمپور" یورپ کا نقشہ ہے۔ سنا ہے کہ حکومت ۱۲ ربیع الاول کو سرکاری طور پر عید میلاد النبی (ﷺ) کا بے مثال اہتمام کرتی

ہے۔ یہ سن کر حیرت ہوئی کہ پاکستان کے سنی علماء ومشائخ ملائیشیاء میں تبلیغ اسلام کے لئے زحمت گوارانہیں فرماتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگوں کی اکثریت سحرو آسیب کے چکروں میں مبتلا ہے۔ طریقت کے حامل اکا دکا روحانی خانوادے بھی موجود ہیں، لیکن ''خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن'' کے مصداق عوام کی روحانی تربیت کا کوئی انتظام نہیں۔ وہاں کے دوستوں سے پروگرام مرتب کر کے عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کے زیراہتمام ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

''کوالالمپور'' میں جن احباب سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی روحانی تربیت کے لئے کچھ موقع ملا ان میں سلطان محمد مجددی، عزیز الرحمان، خلیل الرحمٰن، محمد نذیر، محمد یاسین مجددی، مولانا ابوبکر مجددی، محمد حنیف (عنیبہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام احباب نے بے پناہ محبت اور والہانہ عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ ان کی محبت بھری ادائیں بھی ہمیشہ یادرہیں گی۔

پاکستان واپسی

تین دن یہاں قیام کے بعد پاکستان میں دینی مصروفیات، مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ گوجرانوالہ میں شب براءت کے سالانہ اجتماع کے انعقاد اورعرس آلومہار شریف اور سالانہ جلسہ دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ، دربار عالیہ حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تقریبات کے پیش نظر جلدی واپس لوٹنا پڑا۔

19 مارچ رات ساڑھے گیارہ بجے بذریعہ ماس ائیر لائن (براستہ دہلی) ملائیشیا سے روانگی ہوئی اور 20 مارچ صبح 5 بجے کراچی پہنچا۔ اسی روز بذریعہ نائٹ کوچ کراچی سے پرواز کر کے (3 بجے پچھلی رات) لاہور پہنچا۔ وہاں سے ادارہ کے احباب کی معیت میں گوجرانوالہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور 21 مارچ صبح فجر کی نماز مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ ماڈل ٹاؤن میں ادا ہوئی اور بخیر وعافیت واپسی پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا۔

والحمد للہ علیٰ ذالک


اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعالمین
عالمی ادارہ تنظیم الاسلام رجسٹرڈ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مقالات ابوالبیان

رشحاتِ قلم

حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز